مدارس اسلامیہ کے تعلیمات وانتظامات سے متعلق، تجرباتِ اکابر کا نچوڑ

منظم مدارس

انتظامات ومالیات

جلد دوم

پسند فرمودہ

نمونۂ اسلاف حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

مرتب

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

منظم مدارس

جلد ثانی

(انتظامات و مالیات)

مرتب

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

پہلا ایڈیشن:۱۴۳۹ھ =۲۰۱۸ء

نام کتاب : منظم مدارس (انتظامات ومالیات)

ترتیب : مفتی ابوبکر جابر قاسمی،09885052592

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی،09550081116

صفحات : 334

گرافکس تزئین: مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری،قبا گرافکس،حیدرآباد
فون:09704172672, 8801198133

ناشر : دارالدعوہ والارشاد، یوسف گوڑہ،حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیرالمدارس، بورابنڈہ،حیدرآباد،فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی،مغلپورہ،حیدرآباد،فون:66710230 - 040
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی،حیدرآباد

اجمالی فہرست

مالیات (334-187)

فہرست مضامین

انتظامات

مالیات

تقریظ

نمونۂ اسلاف مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند وخلیفہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband

(مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند، الہند

PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. ....   Date:..............

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

جناب مفتی ابوبکر جابر قاسمی اور مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحبان کی مرتب کردہ کتاب ''منظم مدارس'' (انتظامات ومالیات) اور ''منظم مدارس'' (دینیات، حفظ وناظرہ) اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

دونوں کتابوں کا مجموعی حجم تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر محیط ہے۔ اپنے مشاغل کی بنا پر پوری کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو بہت مشکل ہے؛ البتہ متفرق مقامات سے کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ مرتبین کتاب کے پیش نظر مدارس کے نظام کو اس طرح مرتب اور منظم کرنا ہے کہ مدارس کے انتظامی اور تعلیمی شعبوں میں سے ہر شعبہ کے لیے طے شدہ اصول اور طریقۂ کار منضبط ہوں اور انھیں کے ماتحت ادارہ کا نظام چلایا جائے۔

مرتبین نے مختلف اداروں کی ہدایات اور اکابر ومشائخ کے معمولات وارشادات اور خود اپنے عملی تجربات کو سامنے رکھ کر ایک مفصل نظام مرتب کر دیا ہے۔ جن سے کام کرنے والوں کو روشنی مل سکتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ اصول وضوابط اور طریقہ ہائے عمل نہ تو منصوص ہیں اور نہ ہر چھوٹے بڑے ادارہ میں ان اصول کے ہر جزو پر عمل آسان ہے؛ اس لیے ان اصول وقواعد کو خیر خواہانہ مشورہ کی حیثیت دی جا سکتی ہے جن سے ارباب مدارس استفادہ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے اور اہل مدارس کے لیے مفید بنائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۹/۵/۱۰ھ = ۲۰۱۸/۱/۲۸ء

تقریظ

مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہ
خلیفہ حضرت مولانا سعید صاحب پرنام بٹ دامت برکاتہم
وناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد وصدر رابطہ عربی مدارس اندھرا پردیش وتلنگانہ

اہل علم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مدارس دینیہ اسلامیہ کی کیا اہمیت ہے؟ وہ خودان مدارس کو اسلام کے قلعے، رجالِ کار کی فیکٹریاں، سپاہیانِ دین کے مصانع اور جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں، مگر جولوگ ان مدارس کے لئے ایسے ایسے عظیم القاب کو استعمال کرتے ہیں اور اپنی رودادوں کی پیشانی پر علامہ اقبال مرحوم کا حقیقت پر مبنی ایک تجزیہ پیش کرنے کو مدارس کی وقعت بڑھانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، بڑے افسوس اور نہایت رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر خود ہی ان مدارس کے حقیقی مقاصد ومنافع کے سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں؛ کیوں کہ آج کل مدارس ومساجد مادی عمارات کے اعتبار سے تو ایک سے بڑھ کر ایک وجود میں آرہے ہیں، مگر تعلیم وتربیت اور فکر ونظر کی استقامت کا سبب نہیں بن رہے ہیں۔

جن لوگوں نے مدارس کے موجودہ نظام کی داغ بیل ڈالی یا بنیاد رکھی تھی اُن کے سامنے، اُن سے زیادہ وسیع وعمیق مقاصد تھے جو اس قافلے کو آگے لے کر جانے والوں کے پیش نظر ہیں، یہ نظام اپنے ابتدائی مرحلے میں بہت اگر چہ ظاہری تزک واحتشام سے محرومی اور بے سروسامانی کے عالم میں ہوا کرتا تھا، مگر دیانت وامانت، تعلیم وتربیت، اتباعِ سنت، خوفِ خدا اور تسلیم ورضا کے وہ مناظر ہوتے تھے جواب ڈھونڈنے سے بھی ملنے مشکل ہو گئے

ہیں، وہ واقعتاً چٹائیوں پر بیٹھنے اور چھپروں میں سر چھپانے اور بوسیدہ اوراق پڑھنے پڑھانے کے باوجود اپنے مدارس سے اسلام کے سپاہی اور مسلمانوں کے محافظ پیدا کرتے تھے۔

غور کیجئے تو اس کی وجہ اسباب کی فراوانی نہ تھی، اس کی وجہ مقاصد کی بصیرت اور علم وعمل کی یکسانیت تھی، احساسِ ذمہ داری اور شعورِ مسئولیت نے اِن کاموں کو اُن کے لئے بارِ گراں بنادیا تھا، وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے اور پکڑے نہ جانے کی خاطر ہر وہ تدبیر اپناتے تھے جو اس کے لئے معاون ومددگار ہوسکتی تھی، یعنی مالیات سے لے کر تعلیمات تک ہر جگہ دیانت وتقویٰ کا دامت تھامے ہوئے تھے، اُن کے سر پر کوئی بڑا ہوتا تھا اس کی نگرانی وراہنمائی میں عافیت محسوس کرتے تھے، اب جو صورت حال ہے وہ ناقابل بیان ہے اور اس کے نتائج بھی آنکھوں کے سامنے ہیں، اکثر مدارس میں نہ مالیات میں صفائی ہے، نہ انتظامات قابلِ تحسین ہیں اور نہ ہی تعلیم وتربیت کا معیار قابل اطمینان! یہ اور بات ہے کہ ما من عام إلا خص عنه البعض کے قاعدے سے مدارس بھی مستثنیٰ نہیں۔

مدارس کی موجودہ صورت حال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت مدارس دینیہ تین طبقوں میں منقسم ہیں: (۱) باقاعدہ، ضابطے اور اُصول کے مطابق کام کرنے والے مدارس جو مقاصد کی تکمیل میں سلیقے کے ساتھ مصروف ہیں، اُن کے نتائج بھی بہترین ہیں۔ (۲) وہ مدارس جنہیں مخلص ومحنتی لوگوں نے قائم کیا ہے، مگر اُن کے سامنے مقاصد ومنافع کا محدود تصور ہے، نیز وہ اس کام کے لئے غیر تربیت یافتہ ہیں، ان مدارس میں کام تو ہورہا ہے، مگر معیار کم زور ہے۔ (۳) وہ مدارس جن کے قیام کا مقصد ہی نام ونمود اور حصول زر کے علاوہ کچھ نہیں، یہ مدارس انتہائی غیر ذمہ دار اور خائن لوگوں کے ہاتھوں اس عظیم کام اور علماء کرام کی بدنامی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے خیال میں پہلے طبقے کی ہمت افزائی تعاون اور ہر طرح کی مدد وقت کی اہم ضرورت ہے، دوسرے طبقے کی راہ نمائی اور تربیت اُن کے مؤثر ومفید ہونے میں مددگار ہوسکتی ہے، تیسرے طبقے کے خلاف بہت جلد کسی اخلاقی دباؤ اور مؤثر شکنجے کی صورت سوچی

جانی چاہئے، جسے تمام علماء بالاتفاق عمل میں لاکر خدامِ دین کو عامۂ مسلمین میں رسوائی سے بچاسکیں۔

ہمارے سامنے اس وقت جو کتاب ہے ''منظم مدارس'' وہ پہلے اور دوسرے طبقے کے لئے نہایت مفید اور مددگار مواد پر مشتمل نعمتِ غیر مترقبہ ہے، جس میں سینکڑوں اہلِ علم وتجربہ کی تصانیف سے منتخب کردہ قیمتی سرمایہ محفوظ کردیا گیا ہے، ہمیں اُمید ہے کہ فکرمند اور سنجیدہ وذمہ دار نظمائے مدارس اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے، اور مصنفان کی محنت مشکور ہوگی، باقی جہاں تک تیسرے طبقے کا تعلق ہے کاش کہ اکابر علماء اور بڑے مدارس کھیت چُگ جانے کے بعد پچھتاوے سے پہلے کوئی مؤثر قدم اٹھاسکیں، اور اس مہذب لوٹ مار کا خاتمہ کرکے عنداللہ سبکدوش ہوسکیں۔

میں عزیزم مولانا محمد ابوبکر جابر قاسمی صاحب زیدہ رشدہ اور اُن کے رفیقِ کار مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی زید رشدہ کو اس وقیع کوشش پر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی یہ محنت رنگ لائے، اہل مدارس اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، آمین وصلی اللہ علی النبي الکریم۔

محمد عبدالقوی غفرلہ

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۳۹ھ

پہلی بات

مدارس دینیہ موجودہ زمانے میں اپنے محدود وسائل،قوم کی بے حد نا قدری،طلبہ کے والدین کی سرد مہری ولا پرواہی ،حکومتوں کا وقتاً فوقتاً بے جا مداخلت وہراسانی،خود بعض اہل مدارس کی غلط نمائندگی وغلط کاری کے باوجود بہت بڑا محاذ سنبھالے ہوئے ہیں،حفاظ کرام، علماء دین کی وہ جماعت جو پورے عالم میں تحفظ شریعت اور اہل سنت والجماعت کی سچی، نفسانیت ومرعوبیت سے پاک ترجمانی کرنے والے،عیسائیت،قادیانیت اور دیگر فرق ضالہ سے مناظرے مغرب کی طرف سے آنے والے تشکیک واستشراق کا تحقیقی ومعقولی جواب، مسجد کے امام، وخطیب، خاندانی تنازعات کا حل بتانے والے، سیاست میں قوم کے رہبر، تصنیف وتالیف کا کام سنبھالنے والے انہیں مدارس کے مرہون منت ہیں، مسلم قوم اپنے مسائل میں اور اپنے اموال کے مصارف میں آج بھی جتنا اعتماد ان پر کرتی ہے، کسی اور طبقہ پر نہیں کرتی ،اس ہوش ربا مہنگائی، بڑھتی ہوئی معیار زندگی،علاج وتعلیم کے اخراجات کا بڑھتا ہوا بوجھ رکھتے ہوئے مدارس کا عملہ تدریس کی ذمہ داری سنبھالا ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینی ماحول میں عصری اسکول بھی ان مدارس کا بدل نہیں اور نہ ہی کالجوں اور اسکول کے ساتھ حفظ کرانے والے ادارے اس کا بدل ہیں، اہل مدارس کی جفاکشی ویکسوئی ان کی رجال سازی و پامردی مثالی ہے، اسلامی تربیت کے ساتھ ماڈرن اسکول کی ضرورت کا انکار نہیں، اور دینی مدارس کی بعض کوتاہیوں ، بے اصولیوں کا بھی اعتراف ہے، امتِ مسلمہ کی نسل نو کا بڑھانے ، عام انسان کی غلط فہمی دور کرنے اور نظام

مالیات کو مستحکم بنانے کے لئے آسان حقیقی اور اولین حل یہ ہی سمجھ میں آرہا ہے کہ ان کو مؤثر بنایا جائے، اپنے اکابر کی طرح تقاضۂ وقت کی رعایت کرتے ہوئے انہیں منظم کیا جائے، داخلی اصلاح کی فکر ہی خارجی احوال کو موافق بنائے گی: "إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ " خود احتسابی ترقی کا راز ہے، پھر زمانے وعوام کا شکوہ باقی نہیں رہتا، نافع چیز کی کون عقلمند نا قدری کرتا ہے "أما الزبد فيذهب جفاء و أما ما ينفع الناس فيمكث في الأرض" بے فائدہ چیز اور شجر سے ناوابستہ پتہ کی عمر بہت کم ہوتی ہے، ہم نے یہ ایک کوشش کی ہے تعلیمات، انتظامات اور مالیات کے ابواب میں حضرت نبی کریم ﷺ، تاریخ، سوانح اکابر بالخصوص علماء دیوبند، ماضی قریب کی عظیم ہستیوں سے منقول، افادات، ملفوظات، اصلاحات اور تجربات کو پیش کیا ہے، بعض مسائل جیسے اوصاف مدرس، مارنے کے آداب واحکام میں شدت احساس اور بعض اکابر سے شدت تأثر جیسے حضرت ہردوئی وحضرت باندویؒ نے بعض تحریروں میں فرمایا ہے: میں بہت سارے مواقع میں تکرار یا عدمِ ترتیب کا شکار ہو چکا ہوں؛ لیکن باوجود بار بار نظر ثانی کے میں اس پر قابو نہیں پا سکا۔

معیاری مدارس ہر گلی کوچے میں بھی ہوں تو نا کافی ہیں، اپنے اسلاف واکابر کے مزاج ومنہاج، انداز تربیت وطرز تزکیہ، غیرت نفس وعظمت دین، انہیں کی دردمندی ودور اندیشی، طلبہ پر مادرانہ شفقت، معاملات کی شفافیت، اساتذہ کرام کی دماغ سوزی واپنائیت، معاونین کی للّٰہیت ودلچسپی ومساہمت، اطراف واکناف کی عوام سے گہرا رابطہ وغیرہ اگر پیدا کیا جائے تو ہمارے مدارس مزید مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، شانِ انتظام اور مہارتِ تدریس رکھنے والے اہل اللہ اٹھتے جا رہے ہیں، ان کے اصول وطریقے سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے، مطبوعہ مواد بھی منتشر ہے، ذوقِ مطالعہ کا جذبہ مردہ ہو چکا، خال خال طالبین ہوتے ہیں، ان کی سیرابی کا سامان اس کتاب کے ذریعے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بے طلب لوگ تو چھوٹے کتابچے بھی نہیں پڑھتے، ہمیں احساس ہے کہ کتاب بہت ضخیم ہو چکی ہے، مگر موضوع کی نزاکت وحساسیت، ضرورت وافادیت نے مجبور کر دیا، خود

احقر کو اندازہ ہے کہ اس نے اس ذخیرہ تک رسائی کے لئے کتنی عمر کاٹی اور کتنا تعب اٹھایا، اور میرے اکابر کے تجربات علم و انتظام کی گتھیاں کیسے سلجھاتے ہیں؟ ضرورت پڑنے پر کام کیسے نکل جاتا ہے؛ اس لئے ہم نے جس بات کو ضروری سمجھا ذکر کیا۔

خدا کرے کہ اربابِ انتظام کی تشنگی کا سامان تسکین ہوجائے اور پروردگار عالم مصنفین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ

ابوبکر جابر قاسمی

۴؍محرم؍۱۴۳۹ — **دار الدعوۃ و الإرشاد، یوسف گوڑہ، حیدر آباد**

۲۰۱۷/۹/۲۵

انتظامات

مدرسہ کھولنے سے پہلے

۱۔ محض رضاءِ الٰہی اور خدمت دین مقصود ہے یا کسی ادارے سے تقابل، ہم عصروں پر تعلّی، جذبہ اہتمام وانتظام کی تسکین، ذریعہ معاش کی طلب، کسی کے ماتحتی میں نہ رہ سکنے کی متکبرانہ طبیعت یا صرف کسی صاحب ثروت کی ہمت افزائی ویقین دہانی۔

۲۔ جس علاقہ کا انتخاب کیا گیا، کیا واقعی وہاں مدرسہ کی ضرورت ہے؟ مقامی ذمہ داروں وعلماء کرام سے مشاورت کر لی گئی، خود اپنے مرشد ومربی یا خیر خواہ ومشیر سے رائے لے لی یا نہیں۔

۳۔ فوراً شورائی نظام، تعلیمی نگران یا ٹرسٹ کا قائم کر لیں، اہل علم صاحب دل اکابر کے حوالہ ہو کر مکمل سپردگی کے ساتھ کام شروع کریں، آپ ناظم ومہتمم بااختیار بن جائیں مگر اصول صحیحہ، اخلاص اور اپنے بڑوں سے کبھی مستغنی بن کر کام نہ کریں۔

۴۔ ایک مجود معلم، ایک منشی محاسب کو رکھ لیا جائے؛ تاکہ آپ کی انتظامی سرگرمیوں کی وجہ سے تعلیم کا حرج نہ ہو، ایک ایک پائی کا حساب شفاف رہے۔

۵۔ ایک مجود معلم ، ایک محنتی محاسب رکھ لیا جائے ؛ تاکہ آپ کی نگرانی کی انتظامی سرگرمیوں کی وجہ سے تعلیم کا حرج نہ ہو، ایک ایک پائی کا حساب شفاف رہے۔

۶۔ شریعت وحکومت کے قوانین واحکام کی کبھی خلاف ورزی نہ کریں۔

۷۔ اتنا بڑا بیڑا آپ نے اٹھایا ہے اس کام کے اصول وضوابط ، اکابر کا مزاج ومنہاج پڑھ لیں، محض اخلاص علم کے بغیر کافی نہیں، اصل تو صحبت ہے، ملفوظات واقتباسات

اس کا کچھ بدل بن سکتے ہیں، جہالت کا عذر کسی عدالت میں قابل قبول نہیں ہوتا، جتنا اخلاص ہوگا، اتنا خانہ پری کے بجائے کام کو بہتر سے بہتر انجام دینے سنوارنے کی فکر ہوگی: وَأَحۡسِنُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ۔

اولین وقابل ترجیح کام قیام مکاتب

ملکی، صوبائی زیادہ سے زیادہ سطح پر عالمیت اور دورۂ حدیث کے مدارس کی ضرورت رہتی ہے، دینی تعلیم کی طرف توجہ مکاتب قرآنیہ سے ہی ہوتی ہے، جہاں مکاتب قرآنیہ مستحکم ہوجاتے ہیں، وہاں مدارس کو طلبہ فراہم بھی ہوتے ہیں، امتِ مسلمہ کی نسل کا بڑا حصہ مدارس میں نہیں آتا ہے، ارتداد وضلالت سے ان کی حفاظت صرف مکاتبِ قرآنیہ ہی کرسکتے ہیں، مکاتب کا خرچ نسبتہ تھوڑا، لیکن نفع بہت نقد ہوتا ہے، مکاتب کے ذریعہ طلبہ مدارس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، قوم بھی مدارس کے تعاون کی طرف راغب ہوتی ہے، اساتذۂ مدارس کنواں بننے کے بجائے بادل بن کر حسبِ سہولت حسبِ مشورہ ضرور اطراف واکناف کے دیہاتوں میں بعد فجر بعد عصر، ہفتہ میں کچھ دن مکتب چلائیں، جمعہ پڑھائیں، دینی باتیں بتائیں، عالمیت کا نظام، دورہ حدیث اور بڑی تعمیرات کے غم میں مکاتب سے ہماری نگاہیں اوجھل ہوتی جارہی ہیں، عوام الناس کے سامنے تقاضے جس اہمیت سے پیش کئے جائیں وہ اسی طرح اسے پورا کرتے ہیں، اپنے فارغ مقامی طلبہ کی ان مکاتب میں کھپت کی جاسکتی ہے، کم ازکم قریبی گاؤں کے نکاحوں، جنازوں میں شرکت، خاندانی تنازعات وہاں کے اماموں ومؤذنوں کی تربیت کی جاسکتی ہے، ان کی جزوی تنخواہ مکاتب کے نام دے کر قرآنی مکاتب کی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے۔

علاقہ کے لوگوں کو صرف غلہ وصولی، چندہ وصولی، سالانہ جلسے کے موقعہ میں یاد کرنا ان کی حق تلفی ہے، ان کو حقیقی نفع پہنچانے سے محروم کرنا ہے، میڈیا ودشمنان اسلام کے الزامات وبدگمانیوں کے پھیلانے میں مدد کرنا ہے، دوریاں، غلط فہمیاں بڑھائی ہیں، کام سو سال آگے ہو، شہرت ونام سو سال پیچھے ہو، مدارس کی خوش نما فلک بوس عمارتیں دشمنانِ اسلام کو زیادہ

کھٹکتی ہیں جب کہ مکاتب گُھن کے کیڑے کی طرح اندر سے باطل اسکیموں کو کھوکھلا کردیتے ہیں، مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کو پڑھانا ماہرین شریعت، ترجمانِ اہل سنت تیار کرنے کے لئے ہے، جب کہ مکاتب اہل دیہات کے ایمان واسلامی تشخص کی حفاظت کرتے ہیں، ریوڑ سے دور رہنے والی بکری ضرور بھیڑیا کا لقمہ بن جاتی ہے، غیروں کے تہوار میں شرکت، قادیانی، عیسائی بن جانا آئے دن ہر جگہ کا عام سا واقعہ بن چکا ہے، اہلِ مدارس سے عاجزانہ التجا ہے کہ مکاتب سے بے پرواہ نہ ہوں؛ بلکہ اسے بھی ایک ترجیحی کام شمار فرمائیں۔

ترکی میں دینی مدارس کے لئے جدوجہد

ترکی میں ستر سالہ طویل جابرانہ نظام ۔۔۔ جس کے سنگدلانہ جبر وقہر پڑوس میں موجود یورپ کے انسانی حقوق پرست اور دنیا بھر میں موجود ٹرائی این جی اوز مکمل طور پر خاموش رہیں، اس کے دوران وہاں اسلام پسندوں پر کیا گذری؟ اور انہوں نے اپنے دین ومذہب سے چمٹے رہنے اور رفتہ رفتہ قومی وملی دھارے میں واپس آنے میں کامیابی حاصل کی، اس کے لئے حضرت شیخ محمود آفندی حفظہ اللہ جو اس وقت روئے زمین پر خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب قدس سرہ کے بعد دو ہی ہستیاں جو سلسلہ نقشبندیہ کے امام ہیں، ایک ہمارے پیر ذوالفقار نقشبندی، دوسرے حضرت شیخ آفندی، جو ترکی کے شیخ مشہور بزرگ حضرت حیدر علی اُسخوی کے خلیفہ ومجاز تھے، جو حضرت علی رضا البزار کے اجل خلفاء میں سے تھے، یہ سلسلہ آگے چل کر حضرت مولانا خالد نقشبندی جو دیار شام سے برصغیر آئے اور شیخ المشائخ حضرت مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے خلیفہ شاہ غلام (۱۱۰۶ھ۔۱۲۴۰ء) کی خدمت میں رہ کر اجازت وخلافت پانے کے بعد واپس جا کر اس سلسلے کی اشاعت میں مصروف ہوگئے، حضرت آفندی کے شیخ کا تعلق جارجیا اور شام کی طرف ترکی کے مشرقی علاقے سے تھے، آپ ان کے مشورے سے سرحدی علاقے سے اٹھ کر مرکزی شہر استنبول تشریف لائے، یہاں سلطان محمد فاتح سے منسوب علاقے ''فاتح'' میں اسماعیل آغا نامی علاقہ شہر کے پاش علاقوں میں شمار ہوتا تھا، اس میں شیخ الاسلام حضرت اسماعیل آفندی کی مسجد

تھی، اس مسجد کے قریب ایک قدیم چرچ ''آیا صوفیہ'' بھی تھا جو عیسائیوں کے یہاں عظیم حیثیت رکھتا تھا، عیسائیوں کے دو مشہور فرقوں میں کیتھولک فرقے کا مرکزی مقام ''ویٹی کن سٹی'' روم میں واقع سینٹ پیٹر کا کلیسا ہے، ارتھوڈکس فرقے کے نزدیک یہی مقام اسی چرچ کو حاصل تھا، حضرت جب اس محلے میں پہنچے تو دو چیلنج ان کو درپیش تھے، ایک تو یہ کہ آرتھوڈکس فرقے کے عیسائی حضرات اس چرچ کے گرد واقع تمام عمارات کو خرید کر ویٹی کن سٹی کے متوازی عیسائی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے، دوسرا یہ کہ جو مسجد اس علاقے میں واقع تھی، یہ گیارہویں صدی میں تعمیر کی گئی ایک تاریخی مسجد تھی اس کے اندرونی ہال کو عین خانہ کعبہ کی اندرونی پیمائش کے مطابق بنایا گیا تھا، اور یہ اپنے وقت کے شیخ الاسلام کی مسجد تھی، لیکن سیکولرزم کی تباہ کاریاں دیکھئے کہ آپ کو یہاں کام کرتے ہوئے ۱۸ سال ہوگئے تھے، کوئی نمازی مسجد میں نہ آتا تھا، گویا دوسرا چیلنج آپ کو اندرونی طور پر درپیش تھا غیروں کی دست وبرد سے اپنی میراث کو بچانے کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کو کس طرح متوجہ کیا جائے، خطرہ تھا کہ اسرائیل کی طرح استنبول (اسلام بول) دوسرا ''ویٹی کن سٹی'' نہ بن جائے۔

حضرت کے خلفاء کہتے ہیں کہ حضرت الشیخ نے اس مسجد میں ۳۰ سال امامت کے فرائض انجام دیئے، پہلے ۱۸ سال تک کوئی مسجد نہ آتا تھا، حضرت خود گھر گھر جاتے اور ساکنان محلہ سے کہتے کہ میں ہمہ وقت مسجد میں رہتا ہوں اگر کوئی کام پڑ جائے تو مجھے یاد رکھنا، خادم کو ہر مشکل میں اپنے ساتھ حاضر پاؤ گے، اٹھارہ سال کے بعد اللہ اللہ کر کے برف تڑخی، جمود پگھلا، شیخ کی توجہات اور دعائیں رنگ لائیں اور مسجد میں باجماعت نماز شروع ہوگئی، آج یہ عالم ہے کہ اس محلے میں کوئی گھر، ایسا نہیں جہاں سے داڑھی اور عمامہ کے مسنون حلیے میں مرد اور مکمل شرعی پردے میں خاتون آجا نہ رہے ہوں، حضرت نے اپنے مریدوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ کوئی بھی مکان، جائیداد بکنے لگے تو اسے خریدنے میں پہل کریں، مذکورہ چرچ کے قریب ایک مسجد تھی حضرت اس میں مثنوی کا درس دیتے تھے، رفتہ رفتہ یہ درس اتنا مقبول ہوا اس مسجد کا نام ''مثنوی خانہ'' پڑ گیا، آپ کے مسلمان بھائی مسجد سے ایسے

جڑے کہ اس کے ساتھ عظیم خانقاہ، مدرسہ اور فلاحی ادارہ تعمیر کر ڈالا جو آج ملک بھر میں احیائے اسلام یا رجوع اسلام کی علامت سمجھا جاتا ہے، عیسائی حضرات قریب کی جگہیں کیا خریدتے، تالا لگے، چرچ کو بیچنے تک کی باتیں کرنے لگے، اگر چہ اس جدوجہد میں حضرت کے دو اجلہ خلفاء شہید ہو گئے۔

حضرت شیخ محمود آفندی کی نگاہ مدرسہ کے قیام پر تھی جو پہلے نشانہ سے کہیں زیادہ مشکل تھا، مسجد میں صف بھر نمازی تو آ ہی گئے تھے، لیکن ایک سیکولر قانون والے ملک میں دینی تعلیم گاہ کی بنیاد رکھنا یا دینی تعلیم کا آغاز کرنا بہت مشکل تھا، بالخصوص جب کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت کے ادارے یا اصطلاح کو باقاعدہ اسمبلی میں منسوخ کروا دینے کے بعد ۱۹۲۶ میں فقہ اسلامی بھی بحیثیت قانون عدالتوں سے ختم کر دی گئی تھی، پھر ترکی کا عربی و فارسی سے مشابہ رسم الخط تبدیل کر کے انگریزی جیسا بنانے اور بچوں کو سرکاری تعلیم لازما دلوانے کے قانون کی وجہ سے دینی تعلیم کا آغاز بھاری چٹان اٹھا کر ڈھلوان پر چڑھنے جیسا تھا، آخر اللہ اللہ کر کے ''موسی امجا'' ترکی زبان میں ''چچا'' کو کہتے ہیں، موصوف چونکہ پورے محلے میں معمر اور معزز تھے، اس لئے ہر چھوٹا یا بڑا ان کو ''امجا'' کہتا تھا، اس زیر زمین مکتب سے شروع ہونے والا سلسلہ آج ماشاء اللہ بڑے بڑے مدارس کی شکل میں ڈھل چکا ہے، زیر زمین سے برسر زمین تک کے سفر کی داستان ایمان افروز بھی ہے اور سبق آموز بھی، ترکی میں ایک نورانی قاعدہ دیکھنے کا موقع ملا جو نقشبندی سلسلے کے ایک بڑے شیخ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے، اس قاعدے کے بعد عربی شروع ہوتی تھی، جو طلبہ ''نصر ینصر'' کی گردان یاد کر لیتے، ان سے فرماتے: تم ''والی شہر'' سے افضل ہو، جو طالب علم ''حروف جر'' پڑھ لیتا، حضرت اس سے کہتے کہ تم اب جا کر کہیں پر یہی حروف جر پڑھاؤ، پھر تمہیں اگلا سبق دیں گے، وہ عرض کرتا: حضرت کیا پڑھاؤں اور کیسے پڑھاؤں؟ حضرت فرماتے: ''ہمارے ہاں علم اصل نہیں، عمل اور تبلیغ اصل ہے، تم انہیں تصوف پڑھاؤ اور تربیت کرو، یہ علم نہ عوام کو آتا ہے نہ علماء کو، جتنا تصوف سیکھ لیا ہے اسے قلیل علم کے ساتھ جوڑ کر پڑھاؤ گے تو مرجع خلائق بن جاؤ گے، آج

ترکی کے دینی تعلیمی نظام میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات باقاعدہ سبقا پڑھائے جاتے ہیں، تمام اساتذہ طلبہ بالالتزام ذاکر وشاغل ہوتے ہیں، اس کی برکات یہ ہے کہ علم کم ہے، لیکن اس کی افادیت وقبولیت ماشاءاللہ توقعات سے زیادہ ہے۔

پولیس خفیہ چھاپے مارتے تھے کہ بچہ اسکول جارہا یا نہیں، اس لئے حضرت کی تاکید تھی کہ جو بچہ ہمارے پاس شام کو پڑھے وہ فی الحال اسکول کا ناغہ نہ کرے، دوسرے انہوں نے کم وقت میں آسان اور زیادہ مقدار میں تعلیم دینے کے لئے دینی تعلیم کو آسان بنانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو، دینی شعائر وارکان کو اشارے کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی، اس غرض کے لئے دینی مفاہیم کو اشارہ پر ڈھالنے کے لئے خصوصی محنت کی گئی، صرف ونحو کی گردان کے لئے انہوں نے انگلیوں پر پڑھنے کا ایک خاص طریقہ بتایا اور ماضی کی گردان پڑھ کر سنائی (یہ بات ابولبابہ شاہ صاحب کو حضرت کے ایک شاگرد نے بتائی)۔

اتنا ہی نہیں علماء کرام کی حیرت انگیز قربانیاں، اپنے مقصد سے لگن کی روشن مثالیں ہیں، جو حضرات دیہات میں بچوں کو پڑھاتے تھے، وہ کاشت کاری کا لباس پہنتے اور کتابوں کے ساتھ کھیتی باڑی کے آلات تیار رکھتے، گاؤں سے باہر اونچی جگہ یا درخت پر دو بچوں کو بٹھا دیا جیسے ہی فوجی جیپ آتی نظر آتی تمام طلباء کتابیں چھوڑ کر کھیت میں پہنچ جاتے، اور دل جمعی سے قومی زرعی پیداوار کے اضافے میں جٹ جاتے، شہر کے اساتذہ نے عجیب ہی طریقہ اختیار کیا ہوا تھا، ترکی میں یورپ کی طرح ریل کا سفر سستا اور آرام دہ ہے، یہ حضرات سستی قیمت پر مستقل نشستیں لے لیتے، صبح صبح شاگردوں سمیت ریل گاڑی کا ایک ڈبہ مخصوص کر کے سفر شروع کر دیتے، سفر جاری رہتا اور زمینی سفر کے ساتھ علمی سفر چلتا رہتا، آخری منزل پر اترنے کے بعد لوگ کچھ دیر سستانے اور پھر استاذ اور شاگردوں پر مشتمل ''مسافروں کی یہ جماعت'' واپسی والی ریل پر سوار ہو جاتی اور وقفے کے بعد اسباق مکمل کرتے ہوئے شام کو بخیریت گھر پہنچ جاتے، اس دور بہت میں بھی سارے طلبہ ایسے ہیں جنہوں نے اس طرح تعلیم حاصل کی ہے۔(۱)

(۱) ترک ناداں سے ترک دانا تک: ۱۱-۲۰، مفتی ابولبابہ شاہ منصور

بخاری وسمرقند میں دینی مدارس اور علماء کی جدو جہد

بخاری وسمرقند شروع ہی سے علمی مراکز رہے ہیں، یہاں پر ہر طرف دینی ماحول تھا، لوگ علماء کی قدر کرتے تھے، روس ک: یہودیوں نے چاہا کہ اسلام کے ان مراکز کو تباہ کیا جائے اس کے لئے انہوں نے بڑی گہری سازش کی، کچھ ذہین نوجوانوں کو چن کر وہاں کے دینی مدارس میں داخل کروایا گیا، یہ دینی علم حاصل کر کے اپنے گھر جاتے تو ان کے ذہن سے ہر چیز صاف کر دی جاتی اور ان کو بتلایا جاتا کہ انہیں ایک خاص مقصد کے لئے پڑھایا جا رہا ہے، جب یہ ذہین وفطین لڑکے نہایت ممتاز انداز میں فارغ ہو گئے تو انہیں کو وہاں کا مفتی بنایا گیا، آہستہ آہستہ انہوں نے ایسے فتوے دیئے جو لوگوں کے اختلاف کا سبب بنے، مسلمانوں کے دو دھڑ ہو گئے، پھر مسلمانوں کو صنعتوں، حرفتوں سائنسی ترقی کا سبز باغ دکھا کر ان کو اپنے دام فریب میں لے لیا، اس کے بعد علماء پر سختی شروع کر دی، کمیونسٹوں کے انقلاب آنے کے بعد سب سے پہلے علماء کو نشانہ بنایا گیا، چن چن کر قتل کر دیا، پھانسی پر لٹکایا گیا، علماء کا اتنا قتل عام ہوا کہ ان کے لاشوں کا انبار لگا کر کرینوں کے ذریعے اس پر مٹی ڈال دی گئی، وہ اجتماعی قبریں آج بھی موجود ہیں، بعض علماء کو جہاز میں لے جا کر سائبریا کے برفانی سمندر میں چھوڑ دیا گیا، جس میں اکثر سردی سے ٹھٹھر کر مر گئے، ان میں بعض سائبریا کے برف سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ بعض اوقات علماء کو اکٹھا کر کے دو ٹرینوں میں بٹھایا جاتا اور دونوں کو مختلف اسٹیشنوں سے چلایا جاتا اور پھر ویرانے میں ٹکرایا جاتا، اکثر مر جاتے یا معذور ہو جاتے۔ علماء کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد انہوں اسلام کو لوگوں کی زندگیوں سے ختم کرنا چاہا، اس لئے انہوں نے نہ صرف قرآن اور اس کی تعلیم پر پابندی لگائی؛ بلکہ قانون بنایا کہ عربی اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر سے نکل آیا تو اس گھر کے سب لوگوں کو پھانسی دے دی جائے گی، لوگ اپنی جان کے خوف سے دینی تعلیم سے بھی محروم ہو گئے، ازبک اور تاجک زبان کے حروف ابجد عربی سے ملتے تھے، انہوں نے ان کو بھی بدل ڈالا، اور روسی زبان کو مسلط کر دیا تا کہ ان کی آنے والی نسلیں دینی علم سے محروم ہو جائیں۔

عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا، اسکول کالج جانے والی بچیاں اگر سر پر کوئی کپڑا لیتیں تو پولیس والے ان کو بازار میں کھڑا کرتے اور سر سے کپڑا اتار لیتے، پھر ان کے لمبے بال دیکھتے تو قینچی سے کاٹ دیتے۔ شراب اور موسیقی کو ہر گھر میں لازم کیا گیا، تاکہ شرم وحیاء لوگوں سے ختم ہو جائے۔

کمیونسٹ لوگوں کی حکومت عوام کے جسموں پر تھی، عوام کے دلوں پر نہیں تھی جو لوگ دل میں ایمان کا نور رکھتے تھے، انہوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا، ''وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ'' (اس کا دل ایمان پر مطمئن رہا) والا درجہ پایا، روسیوں نے ان کا سراغ لگانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی بعض پکڑے گئے اور بعض تک ان کی رسائی نہ ہو سکی، مثلاً وہاں کے مفتی صاحب کہتے ہیں: میرے والد صاحب بہت بڑے عالم تھے، انقلاب آتے ہی انہوں نے اپنی وضع وقطع ایسی بنالی جیسے الف، بے بھی نہیں آتی، وہ سارا دن ٹریکٹر پر سوار ہو کر سرکاری زمین میں ہل چلاتے رہتے، ۱۶ سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے، حتی کہ سب لوگ انہیں ٹریکٹر کا عاشق سمجھتے، اوران پڑھ دیہات سمجھتے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ رات میں بارہ بجے جب کھیت سے فارغ ہو کر گھر آتے تو مجھے اس وقت بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

میں چھوٹا بچہ تھا اس وقت میرے والد صاحب گھر میں میری والدہ سے فرماتے کہ چائے بناؤ پھر مجھے دستر خوان پر بٹھاتے اور اتنی دیر میں کمرے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے، کبھی کبھی باہر پولیس والے آتے اور مجھے مٹھائی دیتے اور پوچھتے کہ تیرا باپ گھر میں نماز پڑھتا ہے؟ میں کہتا نہیں، اس لئے کہ میں تو چائے کے دستر خوان سے اٹھ کر چلا جاتا، بعض بچوں سے پولیس والے پوچھتے کہ بتاؤ تمہارے والد نے تمہیں کوئی عربی فقرہ یاد کروایا ہے، یا نہیں؟ اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس کے باپ کو پھانسی دے دیتے، اگر کسی بچے کو ''بسم اللہ'' کا لفظ یاد ہوتا تو اس کے والد کو جیل بھیج دیا جاتا، جو بچے اسکول جاتے ان کے استاذوں کی ذمہ داری ہوتی کہ اگر کسی بچے کو عربی الفاظ آتے ہو تو KGB کو رپورٹ کریں۔

علماء اس قدر زیر زمین رہ کر کام کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی،

مختلف مکانات میں اور حجروں میں خفیہ تعلیم دینے کا سلسلہ چلتا رہتا۔

ہم بعض اوقات ایک بڑا ہال بناتے اور اس میں ضروریات کی ہر چیز مہیا کرتے، پھر اس کے گرد دوسرے کمرے بناتے اور ہال کمرے کو اتنا ساؤنڈ پروف بناتے کہ آواز باہر نہ جاسکتی، ایک کمرے سے اس ہال کمرے کا دروازہ ہوتا، استاذ اپنے بچوں کو لے کر ہال میں داخل ہوجاتا تو ہم اس کے دروازے کو لکڑی اور کیلوں کے ذریعے بند کردیتے، آگے الماریاں رکھ دیتے، پھر اس کمرے میں شراب کی بوتلیں اور چند ننگی تصویریں رکھ دیتے، پولیس والے جب گھر کی تلاشی لیتے تو شراب والے کمرے کو دیکھ کر سمجھتے یہ کیمونسٹ لوگ ہیں ان کا دین سے کیا واسطہ، وہ خوش ہوکر چلے جاتے، انہیں کیا پتہ کہ جہاں وہ کھڑے ہوتے تھے وہاں سے چند میٹر پر بچے اپنی معصوم زبانوں سے اللہ کا قرآن پڑھ رہے تھے، ہم استاذ اور بچوں کو بعض اوقات چھ مہینوں کے بعد باہر نکالتے، بعض بچے اندر جاتے وقت قرآن کا لفظ نہیں جانتے تھے لیکن جب باہر نکلتے تو قرآن پڑھنا سیکھ چکے ہوتے تھے، مسلمان عورتوں کی بڑی قربانیاں ہوتی کہ وہ اپنے بیٹے کو جب ہال میں بھیج دیتیں تو خود گھر کے صحن میں ہوتیں؛ مگر ۶ مہینے تک اپنے بچے کی شکل دیکھ نہیں سکتی، ہمارے لوگ عقل مند ہوتے تو دین سے خالی ہوجاتے؛ مگر یہ لوگ تو دیوانے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کا دین سلامت رکھا۔(۱)

نظم ونسق، ضرورت واہمیت

نظم ونسق نہایت ضروری ہے، تنظیم وترتیب سے کام بہت جلد اور بہترین طریقے سے انجام پاتے ہیں، اسی لئے اسی تنظیم وترتیب کو قرآن کریم میں جگہ جگہ بتایا گیا ہے کہ تنظیم وسلیقہ سے کام کیا جائے۔

۱۔ قرآن کریم میں ارشاد باری عز وجل ہے "أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ"(۲) ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (مثل موم کے) نرم کردیا، (اور یہ حکم

---

(۱) لاہور تا خاکِ بخارا وسمرقند: ۷۳۔۸۰، حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی، مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ اردو بازار، سہارنپور، یوپی، انڈیا۔ (۲) سورۃ السبا:۱۱

دیا) کہ تم (اس لوہے سے اچھی) پوری زرہیں بناؤ اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں (مناسب) اندازہ کا (خیال) رکھو۔

یعنی ہم نے لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح نرم بنا دیا تھا کہ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی، پھر "قدّر فی السرد" یہ بھی اس صنعت سکھانے کی تکمیل ہے، لفظ "قدّر تقدیر" سے مشتق ہے، جس کے معنی ایک اندازے پر بنانے کے ہیں، اور "سرد" کے لفظی معنی بننے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زرہ کے بنانے میں اس کڑیوں کو متوازن اور متناسب بنائیں، کوئی چھوٹی بڑی نہ ہو؛ تاکہ وہ مضبوط بھی بنے اور دیکھنے میں بھی بھلی معلوم ہو، اس سے پتہ چلا کہ صنعت میں ظاہری خوشنمائی کی رعایت بھی پسندیدہ چیز ہے کہ اس کے لئے اللہ نے خاص ہدایت فرمائی۔(۱)

۲۔ "إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَّوْقُوتاً" (۲) اس سے ہمیں نماز پڑھنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ نظم وضبط اور اوقات کی پابندی کی بھی تعلیم دی جارہی ہے۔

۳۔ احسن الخالقین اور ہادی مطلق نے بھی "وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا" (۳) سے بھی ہمیں یہی سبق مل رہا ہے کہ ہر کام میں صحیح طریقہ اور بہتر ڈھنگ اختیار کیا جائے، اور خلاف وضع کام کرنا پسندیدہ نہیں۔

۴۔ مزید ارشاد ہے: "وَالصَّافَّاتِ صَفّاً" (۴) قسم ہے ان کی جو صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کی تصدیق کے لئے قسم کھانے کی حاجت نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مختلف چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ چیزوں کی عظمت واہمیت کو بیان کرتی ہیں۔

اور "وَالصَّافَّاتِ صَفّاً" کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں:

---

(۱) معارف القرآن:۶/۲۶۱ (۱) سورۃ النساء:۱۰۳

(۲) سورۃ البقرۃ:۱۸۹ (۳) سورۃ الصافات:۱

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں نظم وضبط اور ترتیب وسلیقہ کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کی تعمیل، یہ دونوں مقصد اس طرح بھی حاصل ہو سکتے تھے کہ فرشتے صف باندھنے کے بجائے ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہو جایا کریں، لیکن اس بد نظمی کے بجائے انہیں صف بندی کی توفیق دی گئی اور اس آیت میں ان کے اچھے اوصاف میں سب سے پہلے اسی وصف کو ذکر کر کے بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند ہے''۔(۱)

اس آیت سے بھی پتہ چلا کہ ہر کام میں تنظیم وترتیب مقصود ومطلوب ہے، کسی اجتماعی کام کے وقت لوگوں کا ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے؛ بلکہ ایسے موقع پر صف اور قطار بنا کر نظم وضبط کا مظاہرہ کیا جانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس لئے نماز میں بھی صف بندی کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اور جہاد کے وقت بھی صف بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۵۔ ''وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ'' ''أَكْوَاب'' ''كوب'' کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آبخورے، گلاس وغیرہ اس کی صفت میں لفظ موضوعہ یعنی اپنی مقررہ جگہ پر پانی کے قریب رکھے ہوئے ہوں گے، یہ فرما کر آدابِ معاشرت کے ایک اہم باب کی تلقین فرمائی کہ پانی پینے کے برتن پانی کے مقررہ جگہ پر رکھے رہنے چاہئے، وہاں سے ادھر ادھر ہو جائیں اور پانی پینے کے وقت تلاش کرنا پڑے یہ ایذاء اور تکلیف کی چیز ہے، اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام چاہئے کہ ایسی استعمال کی چیزیں جو سب گھر والوں کے کام میں آتی ہیں، جیسے لوٹے، گلاس، تولیہ وغیرہ ان کی جگہ مقرر رہنی چاہئے، اور استعمال کرنے کے بعد اس کو وہیں رکھنا چاہئے تاکہ

(۱) معارف القرآن: ۷/ ۴۱۸، دار المعارف، کراچی

دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، یہ اشارہ لفظ "مَّوْضُوعَةٌ" سے اس لئے نکلا کہ حق تعالیٰ نے اہلِ جنت کی راحت وآسائش کے لئے اس کے ذکر کا اہتمام فرمایا کہ ان کے پانی کے قریب رکھے ہوئے ملیں گے۔(۱)

معراج سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچے تو ارشاد ہوا "من هذا" (کون ہے؟) سید الملائکہ نے جواب دیا، جبرائیل، پوچھا گیا: "ومن معک"؟ (آپ کے ساتھ کون ہے)؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا "محمد" کہا گیا: "وقد أرسل إليه" (ان کو بلایا گیا ہے) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا، جی ہاں۔

اس تمام مکالمے کے بعد دروازہ کھولا جاتا ہے، "مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ" کے عزت والے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا نام بتایا، اس پر محض اس بناء پر دروازہ کھولا نہیں گیا کہ وہ سید الملائکہ ہیں، کچھ پوچھنے کی حاجت نہیں؛ بلکہ مکالمہ "ومن معک؟ قال محمد، قيل: وقد أرسل الله إليه؟" قال: نعم، پورا ہونے کے بعد دروازہ کھولا گیا اور خیر مقدمی کلمات کہے گئے، کیا ٹھکانہ ہے نظام کی مضبوطی کا اور نظم وضبط اور ڈسپلن کا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "أحب الأعمال إلى الله أدومها وإن قل" (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال میں سب سے زیادہ محبوب ایسا نیک عمل ہے جس کی پابندی کی جائے اور مواظبت اختیار کی جائے خواہ وہ عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، یہ حدیث اگرچہ اصلاً عبادات وطاعات سے متعلق ہے؛ لیکن خبر کے دوسرے کاموں کے نسبت سے بھی حاضری کی پابندی اور مواظبت کا درس ہمیں اس سے ملتا ہے۔

عصر حاضر میں الزام لگایا جاتا ہے کہ مدارس اور مولویوں کے ہاں نظم وضبط نہیں ہوتا،

---

(۱) معارف القرآن: ۶/ ۳۲۷ (۲) صحیح مسلم

براہِ کرم اپنے اپنے مدارس میں نظم وضبط کی اعلی مثالیں قائم کر کے اس غلط پروپیگنڈہ کا عملا رد فرمائیں۔

نظم وضبط کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ اور ہر مرحلہ میں ہے، متعلم، ومعلم اور جامعات اسلامیہ، مدارس عربیہ، چونکہ اسلام کے ترجمان ہیں؛ اس لئے اس نسبت سے ان کی ذمہ داریاں اضافی ہیں۔

مدارس میں نظم وضبط کے حوالہ سے درج ذیل عنوانات اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔ امور داخلہ میں نظم وضبط۔

۲۔ مسجد میں نظم وضبط۔

۳۔ درسگاہ میں نظم وضبط۔

۴۔ مطعم ومطبخ میں نظم وضبط۔

۵۔ دارالاقامہ میں نظم وضبط۔

۶۔ دارالمطالعہ میں نظم وضبط۔

۷۔ محاسبی یعنی شعبہ حسابات میں نظم وضبط۔

۸۔ کھیل کے میدان میں نظم وضبط۔(۱)

اور مدرسہ چلانا دینی کام ہے، اس میں بھی نظم ونسق اور تنظیم وترتیب ہونی چاہئے۔

---

(۱) البلاغ، محرم الحرام ۱۴۳۹ھ، ۵۳

نظام اہتمام

اہتمام ونظامت مدرسہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، ظاہر ہے "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" ناظم ومہتمم کی صفات وافکار ہی ماتحت مدرسین وطلبہ میں منتقل ہوتی ہیں، اس کی فکر مندی، ودلچسپی ہر شعبہ کو ترقی وتنظیم کی طرف گامزن کر دیتی ہے، اس کی بے فکری، مساہلت اور لا پرواہی پورے نظام کو کمزور کر دیتی ہے، مقدار خواندگی پوری ہو رہی ہے، یا نہیں؟ تنخواہیں بروقت کیسے ادا ہو جائے، ملازمین کی کارکردگی کیسی رہی ہے؟ اکابر علماء کی مہینہ میں ایک مرتبہ کم از کم حاضری یقینی بنائی جائے؟ طلبہ، اساتذہ اور ملازمین کی شکایتیں سنی جائیں، زمینی حقائق کا مکمل علم ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے اپنے خطبے میں فرمایا: "إِنِّيْ وُلِّيْتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ" میں تم پر امیر بنایا گیا ہوں لیکن تم میں کا بہتر نہیں ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احساسِ ذمہ داری کے عجیب واقعات ہیں فرماتے ہیں: اگر فرات کے کنارے کوئی کتا پیاسا مر جائے تو اللہ کے یہاں عمر کی باز پرس ہوگی، فرماتے ہیں: اے اللہ! میں بوڑھا ہو گیا، رعایا پھیل گئی، مجھے دنیا سے اٹھا لیجئے، اس لئے وہ لوگ رات میں گشت لگاتے تھے، رعایا کی ضروریات کا خیال فرماتے، اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے ان کی سادگی، ذاتی واجتماعی زندگی میں احتیاط، تنہائیوں میں اللہ سے معاملہ بنانا چاہئے، عملہ کی قدردانی کے بغیر تعلیمی استحکام نہیں ہوتا، دھوکہ کھائے بھی نہیں، دھوکہ دے بھی نہیں، اصول کی تنفیذ ترغیب واخلاق کے ساتھ ہوتی رہے۔

اپنے عملہ کے ساتھ نوکروں کی طرح نہیں ، وارثین انبیاء ، خدام دین کی ساری عظمتوں کو مستحضر رکھتے ہوئے کریں خود کو اپنے مرشد واصول صحیحہ کا پابند بنائے ، اپنے ماتحتوں کی اصلاح وتنقید کو فراخ دلی کے ساتھ قبول کرے ، بھری محفلوں میں ٹوکنے کے بجائے تنہائیوں میں خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ نصیحت کرے ، ہم مزاج ، موافق طبیعت اور فرشتہ صفت نہ بیوی ہوتی ہے، نہ اولاد، نہ ہم ہیں نہ ہمارا عملہ، یہ ناممکن کی تلاش ہے، کام کرتے کراتے عملہ تیار ہوتا ہے، کہیں آسمان سے یا کسی کمپنی سے منجھا ہوا سلجھا ہوا اسٹاف نہیں ملا کرتا، موجود کی قدر کر کے ہی مطلوب تک پہنچا جا سکتا ہے، ہر آدمی اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق ہی کام کرتا ہے، اجتماعی مفاد کے لئے ذاتی رائے، اپنا خاص مزاج، شخصی اختلاف سے صرف نظر کرلے، پیر میں کانٹا لگ جائے تو سر پریشان ہو کر جھکتا ہے، دیکھتا ہے، ہاتھ بڑھ کر، اس تکلیف دہ چیز کو نکالتا ہے، اسی طرح ناظم کا اپنے ادنی خادم مدرسہ سے تعلق ہو، کسی استاذ یا ملازم کو نکالنے میں تفصیلی مشورہ، طویل تدبر، بار بار اصلاح کی کوشش کرلے، علاحدہ کرنے میں بھی "تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" دلجوئی ، ایمانی وانسانی اقدار کی رعایت ، نیز قدیم رفاقت کا لحاظ کیا جائے ، نبوت مظلوم رہتی ہے، ظالم نہیں، حکومت کفر سے چل سکتی ہے، ظلم سے نہیں، ہمیشہ کسی ایک کام، یا شعبہ کے عملے کو ردوبدل کرتے رہیں گے تو آگے کب بڑھیں گے۔ تجربہ کار وفادار ملازم کو کھودینا عقلمندی نہیں ہوسکتی، ان کی غلطیوں اور خامیوں کے وقت ان کی خوبیوں کو یاد کر لینے سے تسلی ہوتی ہے، آنے والے جانے والوں سے (حدیث شریف کے مطابق) زیادہ بہتر نہیں ہوں گے، نئے سو فیصد ہم مزاج ہوں گے، اس کی پیشن گوئی کون کرسکتا ہے، صاحبِ فن میں استغناء ہوتا ہی ہے، کہنہ مشق مدرس کو کھودینا نظام تعلیم کو نقصان پہنچانا ہے، رجال کار تیار ہونے میں اور ایک دوسرے کا مزاج سمجھنے میں کتنا وقت لگ جاتا ہے، نئے عملہ کا تجربہ کرنے میں وقت گذرتا گیا تو آخر نظام تعلیم میں بہتری اور نت نئے تجربہ کا کام کب کیا جائے، حلم ووسعت نظری کے بغیر قیادت نہیں ملتی، اہل دل نظماء اکابر ہمیشہ یہ ہی سمجھتے تھے کہ ہم طلبہ، اساتذہ اور عملہ کے طفیل چل رہے ہیں، نہ کہ وہ ہماری بدولت، حضرت

ہردوئی فرماتے تھے: یہ طلبہ ہمارے لئے ذریعہ معاد بھی ہیں، ذریعۂ معاش بھی، قاری صدیق احمد باندوی رحمہ اللہ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ مل کر بنائی گئی دیوار بارش کی وجہ سے گرنے لگی تو دعا کررہے تھے، اے اللہ! صدیق کے گناہوں کی وجہ سے بچوں کی محنت کو ضائع نہ فرمایئے، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، مجھے آنے والوں کی جوتیوں کے طفیل اپنی مغفرت کی امید ہے جیسے ہم اہل دنیا سے کہتے ہیں، یہ مہمانِ رسول ہیں، اسی طرح کیا کبھی ہم نے خود اس نظر سے انہیں دیکھا ہے، یا اس کا برتاؤ کیا ہے!!

نائب مہتمم اور جانشین مہتمم کی خدمت

اجتماعیت میں مجاہدہ اور برکت ہے، اجتماعیت کو باقی رکھنے کے لئے انفرادیت، خود رائی، اصرار کو چھوڑ کر ایثار، شورائی نظام کو جاری کرنا پڑتا ہے، مشورہ کو جتنی توسیع دی جائے، اتنی ہی بہترین رائے سامنے ظاہر ہوتی ہے، رائے لینے کے بعد کام لینے میں سہولت ہوتی ہے۔

ہمارے دینی کاموں میں اختلاف رائے حرام وحلال میں کم ہوتا ہے، انفع اور نافع، افضل اور غیر افضل کے انتخاب میں ہوتا ہے، مدمقابل کوئی یزید تو نہیں کہ حسینی عزم کی ضرورت ہو حسنی کردار سے بھی عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام فتوحات کا ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے، جان ومال کی قربانیاں آسان ہوتی ہیں مگر رائے، جذبات، اور مزاجی رخ کی قربانی بہت کم کو نصیب ہوتی ہے، کامیاب قائد خود مشکل راستہ چل کر بتلاتا ہے، قافلہ کو لے کر چلنے والے کو کچھ دیر ٹھہرنا پڑتا ہے، تاکہ قافلہ کے تیز رفتار، کم رفتار، صحت مند ومریض ساتھ ہوجائے، ورنہ قافلہ بچھڑنے کے بعد امیر کس کا؟؟ اگر مقتدی نہ ہوں تو امام کیسے کہا جائے گا، عرصہ دراز لگ جاتا ہے، ماتحت قدیم عملہ کو اعتماد میں لینے کے لئے، صرف نسب سے مقام نہیں ملتا جب تک کہ خاندانی اوصاف وکمالات حاصل نہ ہوجائیں، فطری اصول ہے کہ انقلاب وتبدیلی بتدریج آتی ہے، جلد بازی ترقی میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

صبر کا امتحان مخالف مزاجوں کے ساتھ کام کرنے میں ہوتا ہے، صرف حمایتوں کو جمع کرنا اجتماعیت نہیں ہے، حامی ومخالف کی پناہ گاہ بننے سے وحدت پیدا ہوتی ہے، بدگمانیوں،

افواہوں پر ہرگز اعتماد نہ کرلے، جرائم پیشہ لوگوں کے سارے کام زبانی طور ہونے کے باوجود شیطان ان کا ایک دوسرے سے حسن ظن رکھتا ہے؛ لیکن خدام دین میں لکھنے پڑھنے کے باوجود بدگمانی کے جراثیم جلدی پیدا کرتا ہے، اس لئے ہرایک سے معاملہ براہِ راست رکھیں، اگر داخلی مسائل پر ہی صلاحیتیں صرف ہوں تو خارجی محاذ کے لئے توانائی کہاں باقی رہے گی، کام کرنے والوں کی قدر ہو کان بھرنے والوں کی نہیں، بقول مولانا عمر صاحب پالنپوری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تقوی کے ساتھ قبول کی جائے گی، ذمہ داری کا احساس بڑی چیز ہے، مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ یہاں نظام الدین والے کی جان ومال الیاس کے گردن پر ہے، اگر ان کا میں نے صحیح استعمال نہیں کیا، حضرت ہردوئی فرمایا کرتے تھے: کوئی طالب سردی کی وجہ سے ٹھٹر کر اٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ابرار الحق سے پوچھے گا، ہرایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لینا کمال ہے، صلاحیت قوت برابر نہیں ہوا کرتی، جیسا کہ پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوا کرتی، بار بار اصول اور اسلاف کی زندگیوں کا مذاکرہ اس انداز میں ہوا کہ کسی پر طعن وتشنیع بھی نہ ہو، بے آبروئی بھی نہ ہو، جس بزرگ یا شخصیت سے مجمع سن سکتا ہے، بات لے سکتا ہے، انہیں سے سنایا جائے "وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا"، ماتحت عملہ کی شہرت ومقبولیت سے خوش ہو نہ کہ حسد کریں، استثنائی اوصاف والے سے استثنائی معاملہ کیا جائے۔

حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ الہ آبادی فرماتے ہیں: حسن انتظام کے ساتھ حسن اخلاق بھی چاہئے، بنیادی طور پر اسلام نے ایمان اور فکر آخرت کے ماحول میں ہی سارے قانون ضوابط نافذ کئے ہیں، ضابطہ اور غیر رسمی رابطہ بھی چاہئے، اصول کے ڈھانچہ میں خلوص ومحبت، باہمی اعتماد واحترام تعاون وتناصر کی روح پھونکتے رہیں۔

☆ مہتمم نیک صالح عالم باعمل اور بااختیار ہونا چاہئے؛ تاکہ ہرشعبہ کے ذمہ دار سے باز پرس کرسکے، اس کی ہدایات پر ہر شخص کو عمل کرنا ضروری ہو، اس کا حکم ہو، مشورہ نہ ہو۔

☆ مہتمم کی تحویل میں ایک رقم دینی چاہئے جس کو وہ اپنی صوابدید سے جہاں چاہے

صرف کر سکے، البتہ اس کا حساب محاسبی میں جمع کرتا رہے اور خرچ ہو جانے والی رقم کے بدلہ میں دوسری رقم خزانچی سے وصول کرلیا کرے۔(۱)

مہتمم کے لئے ضروری ہدایات

اس وقت دنیا میں لاکھوں ادارے قائم ہیں اور مزید اداروں کے قیام کی ضرورت ہے، اداروں کے قیام سے پہلے اپنے مختصر مقاصد طئے کر لئے جائیں۔

☆ بہت زیادہ کام اپنے سر پر نہ اوڑھ لیں۔

☆ دین کے کام میں معین و مددگار کے طور پر اپنے حقیقی بھائیوں کو شامل کریں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنے کام میں دعا مانگ کر شریک کرلیا۔

☆ کام کے شروع میں کسی فرد کو اپنے ادارے کا ممبر نہ بنائیں۔

☆ ہر ادارہ و مدرسہ میں ایک مشورہ و شکایت کا صندوق ہو، جس کی کنجی سکریٹری کے پاس ہو۔

☆ اپنے ادارہ میں کم از کم افراد کو ممبر بنائے اور بہت سوچ کر استخارہ کے بعد بنائے۔

☆ ہم عصری اکثر انسان کو حسد میں مبتلا کرتی ہے، لہٰذا ہم عصروں کے شر سے بچنے کے لئے ہمیشہ ہم عصروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، انفرادی یا اجتماعی طور پر ان کی خوبیوں کی تعریف کریں، ان کے کاموں کا ساتھ دیں اور حتی الامکان ان کے اداروں کا تعاون کریں اور ذاتی طور پر ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کریں، نیز ان کو انعام و اکرام سے نوازیں۔

☆ ہمیشہ اپنے عزائم بلند رکھیں۔

☆ اپنے ادارہ کے لئے سخت جان توڑ محنت کریں۔

☆ ادارہ قائم ہونے سے پہلے عوام میں اپنی امانت و کفایت شعاری کا سکہ بٹھا دیں۔

☆ ادارہ قائم کرنے کے بعد کسی کے ساتھ کوئی دشمنی یا مخالفت نہ ہو۔

☆ اگر ادارہ قائم کرنے کے بعد ارا کین ادارہ سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہو اور ان سے

---

(۱) مدارس دینیہ کے لئے رہنما۔ ۲۰، مولانا ذوالفقار احمد صاحب، مکتبہ اندور

ادارہ کی ترقی میں رکاوٹ معلوم ہورہی ہوتو اس ادارہ کو جوں کا توں رکھ کر اپنا ایک نیا ٹرسٹ قائم کریں، جس میں کم از کم افراد ہوں اور افراد کو سوچ سمجھ کر لیں۔

☆ ادارہ قائم کرنے کے بعد اور پہلے مختلف ادارہ چلانے والے احباب سے ملاقات کریں اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔

☆ ادارہ کے ذمہ داروں کے لئے کھانے، پینے، لباس، سواری، مکان میں سادگی انتہائی ضروری ہے اور یہ صفات آدمی کے بڑے ہونے کی علامات ہیں اور ان صفات سے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

☆ کسی بھی کام کے لئے رقم طلب کرنا ہوتو کم سے کم رقم طلب کریں، تجربہ یہ ہے کہ رقم مانگنے سے رقم مل جاتی ہے، زیادہ رقم طلب کرنے سے کچھ نہیں ملتا۔

☆ اپنے اداروں کیساتھ تمام اداروں کی بھلائی دل میں ہو اور سب کے لئے دعائیں جاری ہو۔

☆ اپنے ادارہ کو کسی بزرگ واہل اللہ کی سرپرستی میں دیں اور ان کو حالات سے مطلع کرتے رہیں اور مشورہ اور دعائیں لیتے رہیں۔

☆ ادارہ میں کام کے کرنے والے احباب آپس میں کسی قسم کے اختلاف کو جنم نہ دیں، ایک دوسرے کی اختلافِ رائے کو برداشت کریں اور ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کرتے ہوئے ایک دوسرے کو اچھے انداز میں تنبیہ کرتے رہیں۔

☆ ہمیشہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کریں، ان کو ڈانٹنا، تحقیر آمیز سلوک کرنا اور آقا جیسا سلوک کرنا درست نہیں؛ بلکہ دوست جیسا سلوک کریں؛ لیکن غلطیوں پر اکرام کے ساتھ تنبیہ کرتے رہنا ضروری ہے۔

☆ ادارہ میں ہر آمد کی رسید اور ہر خرچ کا حساب ہونا ضروری ہے۔

☆ ادارہ کے لئے بیرونی ممالک سے رقم منگانا ہوتو فیرا (IFERAI) حکومت سے حاصل کریں۔(۱)

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک، مولانا ایوب صاحب، ۱۰۶۔۱۰۸

ناظم مدرسہ کی ذمہ داریاں

۱- صبح اور شام تمام شعبوں کی نگرانی کریں اور حاضری رجسٹر دیکھیں۔
۲- تمام ملازمین کو کام دیں اور چل پھر کر کاموں کی نگرانی کریں۔
۳- تمام غیر تدریسی شعبوں کی نگرانی کریں اور کوتاہی پر تنبیہ کریں۔
۴- ماہانہ تعلیمی شعبوں کی سرسری جانچ لیں اور اس کا ریکارڈ رکھیں۔
۵- پندرہ دن پر غیر تدریسی شعبوں کی جانچ لیں اور اس کا ریکارڈ رکھیں۔
۶- مدرسہ کی تمام چابیاں سنبھالیں۔
۷- اہم امور میں مجلس شوریٰ سے مشورہ کریں۔
۸- ہر نماز کے بعد اساتذہ کی حاضری لیں اور اساتذہ کی غیر حاضری کاپی میں نوٹ کر لیں، مہینہ بھر میں پانچ سے زائد غیر حاضری ہے تو ماہانہ مشورہ میں رکھیں، نیز اساتذہ سے متعلق کوئی بات ہے، تو اس کو بیان کریں کوئی اہم مشورہ اساتذہ سے کرنا ہو تو اسی مجلس میں کریں۔
۹- ماہانہ، سہ ماہی مشورہ کے امور تیار کر کے رکھیں اور مشورہ کے دن نظم کی فکر کریں۔
۱۰- طلبہ واساتذہ کو سخت ضرورت پر چھٹی دیں۔
۱۱- آنے والے مہمان یا سرپرست سے خندہ پیشانی سے پیش آئیں اور ان سے بات چیت کریں۔
۱۲- دن بھر میں تمام مدرسہ کی صفائی کی فکر کریں۔
۱۳- تمام درختوں کو پانی پلایا گیا یا نہیں اس کی فکر کریں۔
۱۴- شاخوں کی فکر کریں، ماہانہ جانچ کے لئے ذمہ دار اساتذہ کو بھیجیں اور ان کی ضروریات وتقاضوں کو پورا کریں۔
۱۵- شاخوں کے اساتذہ کو نہج تعلیم سمجھائیں اور سکھائیں۔
۱۶- ہر بلڈنگ کے اطراف کچرے کے ڈبوں کا نظم کریں اسی طرح میدان میں جگہ جگہ پر۔

۱۷- فرار طلبہ کا علم رکھیں، فرار ہونے پر ان کے گھروں کو فون کر کے ذمہ دار کے ذریعہ اطلاع دیں اور ان کے آنے پر ان سے بات کریں اور معافی نامہ لکھ کر لیں، تنبیہ کے طور پر کچھ جرمانہ وصول کریں۔

۱۸- ضرورت کی چیزیں بازار لانے والے ذمہ دار کے ذریعہ منگوائیں۔

۱۹- اطراف گاؤں کے جمعہ وگشت کے تقاضے بستی والوں کے مشورے سے پورے کریں۔

۲۰- نکاح وجنازہ کے تقاضے پر بڑے پرانے طلبہ اور ائمہ طلبہ کو استعمال کریں۔

۲۱- تمام فارغین (علماء وحفاظ کرام) کا ریکارڈ رکھیں۔

۲۲- ذمہ دار اسناد کو اسناد کی فکر دلائیں۔

۲۳- ہر دو ماہ پر کسی بزرگ شخصیت کو بلانے کی فکر کریں۔

۲۴- ذمہ دار دستاویز کو دستاویزات کی ترمیم کروانے کی فکر دلائیں۔

۲۵- طلبہ کی ہر پندرہ دن یا ایک ماہ پر اصلاحی مجلس کروائیں اور اساتذہ کو بدل بدل کر ذمہ داری دیں۔

۲۶- روشنی کا انتظام کریں۔

۲۷- ادھورے کاموں کی فائل بار بار دیکھیں۔

۲۸- سالانہ جلسہ کی دو ماہ پہلے تیاری کروائیں۔

۲۹- تراویح کے دو ذمہ دار طئے کر کے اطراف کی بستیوں کے تقاضے پورے کریں۔

۳۰- بقر عید اور رمضان کے کاموں کی فہرست بنا کر رکھیں۔

۳۱- مدرسہ کی عمارتوں کے نقشے سنبھال کر رکھیں۔

۳۲- ہر عمارت کی ضروریات کی فکر کریں، مثلاً لائٹ، کڑی اور کنڈی وغیرہ۔

۳۳- طلبہ کی وضع قطع کی فکر کریں۔

۳۴- تقرر کاپی میں ہر نئے استاذ و ملازم کا تقرر لکھ دیں۔(۱)

(۱) معین المدارس:۱۸۰

اساتذہ کے ناظم کے ساتھ تعلقات

اساتذہ اور ناظم، مہتمم کا آپس میں وہی تعلق ہے جو ٹرین کا اس کے ڈبوں کے ساتھ میں ہوتا ہے، لہٰذا ناظم یا مہتمم اور اساتذہ کرام کی سرپرستی میں طلباء کو منزل مقصود تک لے کر جایا جاسکتا ہے۔

الف۔ مہتمم کا اساتذہ کے ساتھ رویہ

۱۔ ہر مہتمم کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آئے، اساتذہ کی تربیت کے لئے صبر وتحمل، محبت اور شفقت والا رویہ اختیار کریں، یہی سنت نبوی ہے، ہمارے پیارے آقا ﷺ غلطی کی اصلاح انتہائی پرشفقت انداز میں فرماتے تھے۔

۲۔ کسی بھی ادارے کے ناظم اور مہتمم صاحب کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کرام کو اخلاص وللّٰہیت کی تعلیم دیتے رہے اور اسی کے ذریعے ان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرتے رہیں، کیوں کہ اگر اساتذہ کرام میں اخلاص اور خوفِ خدا ہوگا تو وہ طلباء وطالبات کی صحیح طرح سے تربیت کرسکیں گے، ورنہ مہتمم صاحب کے ڈر سے ہی کریں گے، اور اگر مہتمم صاحب مدرسہ یا اسکول میں موجود نہ ہوں تو اپنی من مرضی کریں گے۔

۳۔ ناظم، مہتمم کو چاہئے کہ اساتذہ کرام کی استعداد کے مطابق انہیں مضمون دے، جس سبق کو پڑھانے کی استاد میں استعداد نہیں وہ مضمون اس کے حوالے کردینا یہ طلباء پر ظلم ہے۔

۴۔ ہر مدرسہ اور ادارہ میں درس وتدریس کے علاوہ مختلف خدمات اساتذہ کرام کے ذمہ ہوتی ہیں، اس میں ناظم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کسی استاذ کو اس کی ہمت سے زیادہ امور کا مکلف (ذمہ دار) نہ بنائے، بعض اوقات دیکھا گیا کہ جو استاذ ماننے والا ہو سارے کام اسی کے ذمہ لگادیئے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں یا تو وہ تمام امور بخوبی سرانجام نہیں دے پاتے یا استاذ بددل ہوکر چھوڑ دیتے ہیں، خدمات

میں اساتذہ کے اوقات اور ہمت کا خیال رکھنا چاہئے ؛ تاکہ تمام امور بخوبی انجام پاتے رہیں۔

۵- وقتاً فوقتاً اساتذہ کے لئے تربیتی پروگرامز کی تشکیل دیتے رہیں ؛ تاکہ ان کا ایمان ویقین بنتا رہے، اساتذہ کا ایمان ویقین بنتا رہے گا تو طلباء کے اندر بھی ایمان میں پختگی آئے گی، جس کے لئے حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی نے فرمایا: ''ٹرینگ کرنے والوں کی ٹرینگ کردیں''۔ اسکول کالجز میں دیکھا گیا کہ وہ ''ٹرینگ کورسز'' کرواتے ہیں، تربیتی کورسس کروانے سے اساتذہ میں آجانے والی غفلت اور سستی دور ہوجائے گی، اگر ٹرینگ نہیں کرواتے تو کم ازکم تدریس سے متعلق اصلاحی وتربیتی بیانات ضرور ہوتے رہنا چاہئے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ اس حوالہ سے فرماتے ہیں:

''عرصہ دراز سے میری طبیعت میں ایک بات ہے وہ یہ کہ آج کل مدرس نہیں ملتے ، استعدادیں ناقص ہیں جس کی وجہ سے بہت سی پریشانی لاحق ہوتی ہے، جی چاہتا ہے کہ اسکا مستقل نظم کیا جائے اوراس طرح کہ جو طلبہ فارغ ہوں ان میں سے انتخاب کرکے مدرسہ میں رکھا جائے اور چھوٹے اسباق ان کے سپرد کئے جائیں، پڑھانے کے لئے اوران کے کھانے کا نظم مدرسہ سے کیا جائے، اساتذہ کی مانگ آتی رہتی ہے جس کو جہاں مناسب سمجھا جائے وہاں بھیج دیا جائے ، جس کو مناسب سمجھیں اپنے مدرسہ میں ہی مستقل مدرس بنادیں''۔(۱)

٦- مہتمم یا ناظم کو چاہئے کہ وہ مدرسہ کے تمام اساتذہ کی ہفتہ یا پندرہ دن کے بعد ضرور میٹنگ رکھیں؛ تاکہ ان کی کارکردگی سامنے آتی رہے، اگر کہیں سستی یا غفلت آرہی ہو تو اس کا مناسب حل تلاش کریں، یہ میٹنگ ہر ہفتہ یا کم ازکم پندرہ روز میں ضرور ہونی

(۱) تربیت الطالبین:۲۷۵

چاہئے۔مشورہ سنت بھی ہے، باعث برکت بھی ہے،قرآن مجید میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

۷- اساتذہ کرام کی مجبوریوں کا خیال رکھیں: منتظمین جامعہ کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کرام کی ضروریات اور مجبوریوں کا لحاظ رکھیں، اگر کوئی استاذ مالی اعتبار سے کمزور ہو یا کسی مجبوری کی بناء پر کم وقت دے سکتا ہو تو اس کے ساتھ تعاون کریں اور اس کے ذاتی مسائل حل کرنے میں اس کی مدد کریں؛ تاکہ وہ ذہنی طور پر پرسکون ہو کر درس وتدریس کا کام بخوبی انجام دے سکے۔

۸- اساتذہ کرام کی حوصلہ افزائی کریں: مہتمم جامعہ کو چاہئے کہ مخلص اور محنتی اساتذہ کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی کرتے رہیں، تاکہ ان میں مزید کام کا ذوق وشوق پیدا ہو اور دوسرے اساتذہ بھی ان کو دیکھ کر آگے بڑھیں، ہر وقت طعن وتشنیع کرنا اساتذہ کو بدظن کرتا ہے، اس لئے حوصلہ افزائی بھی تاکہ اساتذہ پر رعب رہے اور وہ مہتمم یا ناظم کے بارے میں اپنے دل میں عزت واحترام بھی رکھیں۔

۹- اساتذہ کرام کے شب وروز کا جائزہ لے: ناظم اور مہتمم مدرسہ کو چاہئے کہ اساتذہ کرام کے شب وروز کا جائزہ لیتے رہے؛ تاکہ مدرسہ کے ماحول میں بہتری آئے، اگر اساتذہ بگڑ جائیں تو طلباء کا بگڑنا لازمی ہے، اگر کسی استاذ میں اخلاق کمزوری دیکھے تو اسے الگ بلا کر محبت وپیار سے سمجھائے، اگر بار بار سمجھانے کے باوجود نہ سمجھے تو انہیں بے عزت کرنے کے بجائے خاموشی سے مدرسہ سے خارج کردیں؛ تاکہ اس استاذ کی طلباء کے دلوں میں بے وقعتی نہ ہو اور آپ کے مدرسہ کا ماحول بھی خراب نہ ہو، بلکہ استخارہ کے بعد اس کا اخراج کرے۔

بیش قیمت تنخواہیں

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تنخواہیں ملازمین کی صلاحیت کے اعتبار سے دیا

کرتے تھے،(۱) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حسبِ ضرورت دینے لگے، خود حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ کو اپنے ملازم کے یہاں بچے کے تولد ہونے کی اطلاع ہوتی تو 500/ روپیئے کا اضافہ کردیتے، مدرسہ اصل تو استاذ وطالب علم سے مکمل ہوجاتا ہے، شاندار، فلک بوس عمارتوں کے بغیر نظام مدرسہ چل سکتا ہے، لیکن اگر کھانا صحیح نہ ہو، تنخواہ وقت پر نہ دی جائے، واجبی ضروریات زندگی بھی مدرس کی پوری نہ ہو تو نظام تعلیم کبھی بہتر نہیں ہوسکتا، پڑھانے اور پڑھنے والوں کی علمی سطح بلند نہیں ہوسکتی، معاشی تنگی کا انسانی فطرت پر غیر معمولی اثر ہوا کرتا ہے، عام اہل دنیا کی طرح خوب سے خوب تر نہ بھی دیا جائے، ہوش ربا مہنگائی کا مکمل لحاظ نہ ہو، لیکن کبھی مکان کا کرایہ، غذائی اجناس (دودھ، تیل، چاول، ہفتہ میں ایک بار گوشت) بعض علاقوں میں گیاس وغیرہ کے لئے بھی تنخواہیں عام طور پر ناکافی ہوتی ہیں)۔

چہ جائے کہ بیماریاں، حالات، مریض والدین، بن بیاہ بہنیں، بے روزگار بھائی، کم عمر بھائیوں کے تعلیمی اخراجات وغیرہ کا انتظام ان آمدنیوں میں سوچا بھی نہیں جاسکتا، یہ حقیقت ہے کہ مدارس اور دینی اداروں کو باغیرت صلاحیت مند عملہ نہیں مل پارہا ہے، اور پڑھنے کے لئے اَشرافِ قوم کی اولاد نہیں متوجہ ہورہی ہے، اکابر متقدمین کے زہد وقناعت کے تمام واقعات مسلّم، اجور آخرت یقینی، لیکن ہمتیں پست ہوگئیں، طبیعتیں کمزور واقع ہوئی ہیں، زیادہ مجاہدات اور جفاکشی کے ہم متحمل نہیں ہے، یہ حال رکھ کر اساتذۂ مدارس پر زیادتی، قانونی شکنجہ کسنا، ناقدری، برسر محفل ذلیل کرنا اسلامی مزاج اور انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

حضرت علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مایہ ناز فخر زمانہ تصنیف الفاروق کے حصہ دوم میں خلیفہ ثانی کے طرز جہاں بانی اور جہاں داری کی تفصیلات رقم کرتے ہوئے تنخواہ کے باب میں صراحت کی ہے کہ حضرت الفاروق اپنے گورنروں کو بھاری تنخواہ پر مقرر کرتے تھے، اور اگر کوئی عامل حق الخدمت لینے سے منع کرتا تو آپ بہ اصرار دلواتے اور لینے پر مجبور کرتے۔اسی سلسلے میں لکھتے ہیں:

---

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام: ۲۸۷

''ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا''(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر بیش اور زیادہ تنخواہ مقرر کرنے کی حکمت کیا تھی؟ خود مصنف کتاب کی تبصراتی اور تجزیاتی تحریر ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں: "عمال کی دیانت داری اور راست بازی کے قائم رکھنے کیلئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا۔ کہ تنخواہیں بیش مقرر کی تھیں، یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد اصول سیکھا ہے۔ اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں، جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا۔ تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی"(۲)

یہ ریکارڈ تاریخ نے ان لوگوں کے بارے میں محفوظ کیا ہے کہ سورج رہتی دنیا تک اس سے زیادہ پاکباز اور پاک نفس لوگوں پر طلوع نہیں ہوگا، جنہیں دنیا چھو کر بھی نہیں گذری تھی، جنہوں نے دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال کی طرف نظر غلط بھی ڈالنا گوارانہ کیا۔ قیصر وکسری کے خزانے کے حاکم اور مالک ہو کر بھی ان پاک نفسوں نے فقر کو ہی گلے لگائے رکھا اور شان امارت میں بھی الفقر فخری کا سماں پیش کرتے رہے۔ جن کی نظروں میں دنیا کی حیثیت کچھ نہیں کے برابر بھی نہ تھی۔ ان قدسی صفات جماعت کے بارےمیں یہ تصور کرنا بھی جرم اور گناہ ہے کہ انہوں نے کبھی دنیا کے عارضی نفع کو کسی لمحے میں دل میں جگہ دی ہوگی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر زبان نبوت نے اس زمانے کو خیر القرون کا سرٹیفکیٹ عطا کیا تھا،

---

(۱) الفاروق: ۳۰۰، مرید بک ڈپو، چتلی قبر، دہلی

(۲) الفاروق: ۳۰۰، مرید بک ڈپو، چتلی قبر، دہلی

اوراس مقدس جماعت کے صدق واخلاص کی شہادت دی تھی۔

ان اہل خیرالقرون اور پاک نفس لوگوں نے دنیاوی امور و معاملات میں غبن اوردھوکے کے دروازے کو بند کرنے کیلئے ،اخلاص اور دیانت داری کو برقرار رکھنے کیلئے اس قدر احتیاط اور دوراندیشی سے کام لیا تھا،تو آج جبکہ شر اور فریب والوں کا دور دورہ ہے، خیر اوراخلاص والے کمیاب اور نایاب ہو گئے ہیں۔

تو اب اس گئے گذرے دور میں کام کرنے والوں میں غبن اور دھوکے کے دروازے کو بند کرنے کیلئے اور اخلاص دیانت داری پیدا کرنے کیلئے اس سنت عمری کو عمل میں لانا کس قدر ضروری ہو گیا ہے، ایک اعتبار سے اس پر عمل درآمد ایک شرعی حکم بھی بن جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ اوراس صورت میں اس سے بے اعتنائی برتنا اور اسے اہمیت نہ دینا جرم اور گناہ شمار نہیں ہوگا؟

آہ یہ کس قدر افسوس ناک معاملہ ہیکہ ہم عبادات میں توصحابہ کرام کے طرز عبادت کو اپنانے کا خوب اہتمام کرتے ہیں، مگر معاملات میں اس سے بالکل پہلوتہی اختیار کیے ہوئے ہیں، جبکہ رسول ﷺ اور صحابہ رسول ﷺ کے عمل کا یہ پہلو بھی اسی قدر اہمیت کا حامل ہے اوراس پر عمل درآمد بھی اسی قدر ضروری ہے۔

ب: اساتذہ کرام کے لئے چند رہنما اصول

۱- مہتمم صاحب کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔

اساتذہ کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہتمم مدرسہ کا ہر حال میں ادب واحترام ملحوظ رکھیں، حدیث مبارکہ میں ہے جو شخص ہمارے بڑوں کا ادب نہیں کرتا اور ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

یادرکھیں! بچے ہمیشہ اساتذہ کی تقلید کرتے ہیں، اگر اساتذہ اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتے تو طلباء بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اساتذہ کا ادب نہیں کریں گے۔

۲- اگر مہتمم صاحب استاذ کو اس کی کسی غلطی پر سمجھائے یا ڈانٹ ڈپٹ کرے تو اس کو دل

میں بالکل برا مت جانے، ہمارے حضرت پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: ہمارے شیخ سے ہمیں جس دن ڈانٹ پڑتی تھی، ہمیں اس دن اپنے اخلاص پر شبہ ہونے لگتا، یاد رکھیں! کسی کا آپ سے کوئی تعلق ہے تو وہ آپ کی فکر کرتا ہے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے آپ کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے، اگر کوئی تعلق اور فکر ہی نہ ہو تو کسی کو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ ڈانٹنے کی اور فکر اور غم کرنے کی۔

۳- بعض اساتذہ کی عادت ہوتی ہے کہ مدرسہ کے اصول وضوابط میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور یہ من مرضی جامعہ کے ماحول کو بری طرح متاثر کر دیتی ہے، مدرسہ کا کوئی کام بھی ہو ناظم کے مشورہ کے بغیر ہرگز نہ کرنا چاہئے، ہاں اگر کسی امر میں ان کی طرف سے اجازت ہو تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ ہمیشہ مشورہ کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح اساتذہ کو چاہئے کہ اوقات مدرسہ میں خصوصا فون اور واٹسپ کا بے جا اور بے موقع و بے محل استعمال نہ کریں۔

۴- استاذ کو چاہئے کہ وہ مدرسہ کے اندر ہونے والے تمام امور سے ناظم کو باخبر رکھیں اور اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں، بعض اساتذہ دوسرے اساتذہ کے سامنے یا طلباء کے سامنے اپنی عزت بنانے کی چکر میں رہتے ہیں اور ناظم مدرسہ کے اندر ہونے والی غیر اخلاقی سرگرمیوں سے بے خبر رکھتے ہیں۔

۵- درس وتدریس میں اساتذہ کو چاہئے کہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہم اللہ رب العزت کی رضا کی خاطر پڑھا رہے ہیں، اس لئے بلاوجہ ناغہ یا چھٹی علم کی ناقدری ہے، اور گویا اللہ کی رضا سے دوری کا ذریعہ ہے، لہٰذا اساتذہ کرام کو چاہئے کہ بلاوجہ بہانے بنا کر مہتمم صاحب سے چھٹی نہ لیں، ناظم تو اس کی مجبوری سمجھتے ہوئے چھٹی دے دے گا، لیکن یہ استاذ خود اپنے کاموں میں مجرم ہوگا اور اللہ کے یہاں بھی مجرم شمار ہوگا کہ اس نے بلاوجہ اتنے بچوں کا وقت برباد کیا۔

۶- اگر کسی مجبوری سے چھٹی کرنی ہو تو مہتمم یا ناظم کو اس کی اطلاع ضرور کر دے بغیر اطلاع کے ہرگز چھٹی نہ کرے؛ تاکہ ناظم اس کا سبق کسی دوسرے استاذ کے ذمہ لگا دے یا خود ہی کسی دوسرے استاذ کے ذمہ لگا کر جائے؛ تاکہ طلباء کا وقت ضائع نہ ہو، درس کی پابندی طلباء اور اساتذہ دونوں کے لئے ضروری ہے، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دامت برکاتہم کے حالات میں لکھا ہے کہ سردی ہو یا گرمی، جاڑہ ہو یا موسم برسات، بیماری ہو یا تندرستی، شادی ہو یا غمی ہر حال میں حضرت مولانا کا اصول تھا کہ سبق ہونا چاہئے، کمرہ میں گھڑی موجود تھی وقت سے کم از کم دس منٹ قبل بغل میں کتاب دبائی، کمرہ مقفل کیا اور گھنٹہ بجانے والا ابھی گھنٹہ بجانے سے فارغ نہیں ہوا کہ آپ درسگاہ میں پہنچ گئے اور سبق شروع ہو گیا اور ادھر گھنٹہ بجا اور مولانا کی کتاب بند ہو گئی، جب اساتذہ اس طرح فکر و درد سے محنت کریں گے تو طلباء بھی متقی اور دیندار بنیں گے۔

۷- بعض اساتذہ کو دیکھا گیا کہ اگر ان کو ناظم کسی غلطی پر سرزنش کر دیں تو دوسرے اساتذہ کے سامنے ان کی برائی کرتے ہیں اور اس میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں، اگر یہ اپنے دل سے ''عزت والا'' ورقہ پھاڑ دیں اور عاجزی اختیار کریں تو عزت و منزلت کے مراتب خود اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائیں گے، چونکہ حدیث میں ہے: جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں''۔

۸- اساتذہ کرام کو چاہئے کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو سیدھے منہ آ کر مہتمم یا ناظم سے معافی مانگیں، اپنی غلطی کے عذر پیش نہ کریں، معافی کو ہتک عزت نہ سمجھیں۔

۹- اساتذہ کرام کو چاہئے کہ مہتمم مدرسہ جو کام بھی جس استاذ کے ذمہ لگائے وہ خوش دلی سے اس کام کو سرانجام دے، دوسروں کے ساتھ موازنہ یا مقابلہ نہ کرے؛ بلکہ پوری محنت اور تندہی سے اس کام کو سرانجام دے اور منظور صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو، کام کر کے بھی تعریف کا خواہاں نہ رہے، کبھی یہ نہ سوچیں کہ مجھے مشکل کام دیا

اور دوسرے کو آسان دیا ہے، بلکہ اسی کام میں اپنے لئے بہتری خیال کرے۔

۱۰- اساتذہ کرام کو چاہئے کہ ہمیشہ ادارے کے منتظمین کے ساتھ خیر خواہی والا معاملہ رکھیں، بعض اساتذہ مدرسہ میں رہتے ہوئے اپنے بڑوں کے خلاف بھی پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں، یہ حدیث کے خلاف عمل ہے ''دین خیر خواہی کا نام ہے''(۱)

حضرات اساتذۂ کرام کے لیے چند اہم مشورے

سرکارِ دوعالم ﷺ بحیثیت معلم مبعوث کیے گئے، آپ ﷺ کی پوری عملی زندگی میں منجملہ دیگر عالی اوصاف کے دو خصوصیتیں حضرات معلمین کے حق میں خاص طور سے بہترین اسوہ ہیں۔

☆ آں حضرت ﷺ کی سب سے پہلی خصوصیت شفقت ورحم دلی، دل سوزی اور خیر خواہی کا پہلو ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپ کے حریفوں نے آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، مصائب وآلام پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی؛ لیکن کبھی آپ ﷺ کے قلبِ اطہر میں جذبہ انتقام نہ ابھرا؛ بلکہ ہمیشہ ایسے لوگوں پر ترس کھایا اور ان کے حق میں توفیقِ ہدایت کے لیے دعا مانگتے رہے اور تڑپتے رہے۔

☆ آپ ﷺ کی دوسری اہم خصوصیت جو اندازِ تربیت کی سب سے موثر خصوصیت ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں اور مطیع لوگوں کو جس بات کا حکم فرمایا پہلے بذاتِ خود اس کا عملی نمونہ دکھلایا؛ حالانکہ بہت سے معاملات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رخصت وسہولت دی تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو عام مسلمانوں کی صف میں کھڑا کرنے کو پسند فرمایا، اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں کے لیے قول سے زیادہ عمل موثر ہوتا ہے۔

☆ طبیعت میں سادگی تواضع اور منکسر المزاجی ہمیشہ خاصانِ خدا کا شیوہ رہا ہے، اساتذۂ کرام

(۱) مثالی تربیتِ اساتذہ کورس: ۱۲-۱۷

کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر بہ تکلف ہی سہی یہ وصف اپنانے کی سعی فرمائیں کہ جس کو معمول میں لانے سے عمومی مقبولیت ہی نہیں؛ بلکہ اللہ کے یہاں بھی رفعت وبلندی حاصل ہوگی۔ من تواضع لِلہِ رفعہ اللہ (حدیث) اورحقیقت میں آپسی اعتماد و اتفاق پیدا کرنے کا بنیادی نکتہ تواضع ہی ہے، جیسا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں اور یہی تواضع جڑ ہے آج کل لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں؛ مگر اتفاق کی جو جڑ ہے اس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں؛ کیوں کہ اتفاق ہمیشہ اس سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کم سمجھے، اس سے کبھی اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آ ہی نہیں سکتی، افسوس آج اس پاکیزہ خصلت کو بالکل چھوڑ دیا گیا، بالکل اس کے خلاف غرور اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا سبق دیا جاتا ہے اورلباس میں ہمیشہ ایسی وضع پسند کرتے ہیں جس سے تمام مجمع بھر میں ہمیں کو بڑا سمجھا جائے اور غضب یہ کہ اپنی اولاد کو بھی شروع سے اس وضع کی عادت ڈلواتے ہیں، غرض ہر بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو فرعون کے برابر سمجھتے ہیں، پھر فرمایئے اتفاق کہاں سے آئے؟ صاحبو! اگر اتفاق کا واقع میں شوق ہے تو صوفیوں کے طرز پر چلنے کی کوشش کرو، ان حضرات کے قدموں پر جاگرو پھر دیکھو کیسا اتفاق پیدا ہوتا ہے۔(۱)

☆ ایک اہم اور حساس معاملہ اس وقت طلبہ کی پٹائی کا بنتا جارہا ہے، تجربہ یہ ہے کہ بچوں سے تعلیمی کام لینے میں تشویق وتشکیل اور ذہن سازی کا طریق زیادہ موثر ہوتا ہے آئے دن اس قسم کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ استاذ کی پٹائی سے متوحش ہوکر بچہ مفرور ہوگیا، اب اس کی تلاش جاری ہے، کہیں سراغ نہیں ملتا، جس کی وجہ سے اہل خانہ بھی پریشان ہیں اور استاذ کے ساتھ بھی گستاخانہ طرز اپنا کر دھمکیاں دینے سے گریز نہیں کرتے، اور بعض مرتبہ اس قسم کا ایک واقعہ ہی پورے ادارہ کی تعلیمی

---

(۱) تسہیل المواعظ جلد اول حصہ دوم، ص: ۴۵

ترقیوں، تربیتی کوششوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ پٹائی کا دوسرا اہم پہلو جوعموما استاذوں سے نظر انداز ہوجاتا ہے، وہ یہ کہ شرعا استاذ کوکس قدرضرب کی اجازت ہے،جس پٹائی سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے یا نشان پڑ جائے یا مرہم پٹی اوردوا کی ضرورت پیش آئے ایسی پٹائی کرنا جائزنہیں۔

”کما لو ضرب المعلِم الصبِی ضربا فاحِشا فانه یعزِره ویضمِنه لومات قوله ضربا فاحشا وہو الذی یکسِر العظم ویخرِق الجِلدویسوده کمافِی التاتارخانیه“(۱)

حضرت حکیم الامت تھانوی فرماتے ہیں ایک کوتاہی تعزیر کے متعلق یہ ہے کہ جفاکاروں کے نزدیک اس کی کوئی حدہی نہیں، جب تک اپنے غصہ کوسکون نہ ہوجائے سزادیتے ہی چلے جاتے ہیں،ایک جگہ فرمایا میں نے اپنے مدرسہ کے معلموں کوبچوں کو مارنے کے سے منع کر دیا ہے؛ کیوں کہ یہ لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اورشفاء غیظ کے لیے مارتے ہیں،ایسے زدوکوب کی اگر ولی اجازت بھی دےتوبھی درست نہیں، میں نے دوسزائیں مقرر کر رکھی ہیں، ایک کان پکڑوانا جس کومرادآباد والے بطخ بنوانا کہتے ہیں، دوسرے اٹھنا بیٹھنا، اس میں دونوں اصلاحیں ہوجاتی ہیں جسمانی بھی کہ ورزش ہے،نفسانی بھی یعنی اخلاقی بھی کہ زجر ہوجاتا ہے۔(۲)

☆ اساتذۂ کرام اپنے مفوضہ امورکوپیش نظر رکھیں،اپنی ذمہ داری کے دائرہ سے باہر نہ جائیں اپنے تعلیمی کاموں اورمدرسہ کے قیام کے دوران جن باتوں کالحاظ رکھنا ایک مخلص معلم ومربی کے لیےضروری ہے،اس کے متعلق چنداصلاحی رہنمانمبرات ہم یہاں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی کے افادات سے نقل کرتے ہیں:

(۱) شامی زکریا:۱۳۱/۶

(۲) کلمۃ الحق ص/بحوالہ تعلیم وتربیت کس طرح: جدیدایڈیشن:۱۳۷

۱- تعلیمی خدمت اپنا فرض منصبی خیال کرنا اور وظیفہ کو انعامِ خداوندی سمجھنا، انتظامِ وظیفہ وانتظامِ تعلیم کرنے والوں کو اپنا محسن سمجھنا اور اس کے لیے دعا خیر کرتے رہنا۔ طلبہ کو اپنا محسن خیال کرنا کہ ان کی وجہ سے علمی وعملی ترقی کا موقعہ ملتا ہے، نیز ان کو اللہ نے سببِ روزی بنایا ہے، طلبہ کی عظمت بوجہ مجاہد فی سبیل اللہ وضیفِ رسول اللہ ﷺ ہونے کے کرنا، ان پر مثل اولاد کے شفقت کرنا۔

۲- ایسے معاملات سے احتیاط فرمانا کہ طلبہ یا منتظمین یا معاونین کی تحقیر ظاہر ہو یا عامۃ المسلمین کے سامنے شکایت و بے وقعتی ہو۔

۳- غصہ کی حالت میں تادیب سے احتیاط کرنا، تادیب ضربی سے حتی الوسع احتیاط فرمانا اور بشرطِ ضرورت تادیب حدود کے اندر کرنا، طلبہ کی غلطی و بے ادبی پر اولا فہمائش پھر تادیب حسبِ مصالح وموقع کرنا۔

۴- امارد (بے ریش طلبہ) کو خلوت میں آنے سے سختی سے روکنا۔

۵- بڑے طلبہ سے خدمت بعد اجازت منتظم لینا، امارد سے سخت احتیاط اس بارے میں رکھی جائے۔

۶- طلبہ کی عیادت اور ضروری اعانت کا خاص خیال رکھنا۔

۷- مطالعہ کی تاکید کرنا، ناغہ سبق کے نقصانات گاہ بہ گاہ بیان کرنا۔

۸- قرآن شریف میں ہر ایک کا سبق خود سننا، دیگر جماعتوں میں باری باری سبق پڑھانا۔

۹- طلبہ کی شرارت و بے ادبی پر صبر وتحمل کا اہتمام چاہیے اور اس وقت کفار کے حالات کو سامنے رکھ کر اسوۂ نبی اکرم ﷺ کو سوچا جاوے، بعد شفا غیظ مناسب طریقہ اصلاح کا تجویز کیا جائے۔

۱۰- کسی کے توجہ دلانے پر اپنی غلطی علمی یا عملی ظاہر ہو تو اس کا ممنون ہونا چاہیے، ظہور غلطی پر اس غلطی کی تلافی کی فکر کرنا چاہیے، اس سے عظمت بڑھتی ہے۔ نماز باجماعت

بلکہ تکبیرِ اولی، تعدیلِ ارکان اوراوقاتِ مقررہ کی پابندی کی تلقین فرماتے رہنا، گاہ بہ گاہ نگرانی ازخود کرنا۔

۱۱- تعلیم المتعلم یا رحم المتعلمین یا اشرف التفہیم کا مطالعہ رکھانا۔(۱)

الغرض مدارسِ اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے طبقہ کو گاہ بہ گاہ اپنا محاسبہ کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہے اور علمِ محض کی سطح سے بلند ہوکر عملی میدان میں سبقت کو اختیار کرنا بھی لازم ہے، ہم لوگ امتِ مسلمہ کی حالت زار پر ترس کھائیں، اپنے مقام ومنصب کو ملحوظ رکھ کر خلوص کے ساتھ خدمت سمجھ کر اپنی ذمہ داری کو انجام دیں، جمود وتعطل کو یکسر ختم کریں، ملتِ اسلامیہ کو جو امیدیں اور توقعات ہم سے لگی ہوئی ہیں، ان کو باحسنِ وجوہ پورا کرنے کے لیے ہم خدام اپنی راتوں کو زندہ کریں، اور اپنے بزرگانِ دین سے وابستگی قائم رکھیں، اس طریق سے ہم اپنی علمی مسافت طے کریں گے تو انشا اللہ منزل پر پہنچنا اور کامیاب وبامراد ہونا آسان ہوگا۔(۲)

اساتذہ کے دوسرے اساتذہ کے ساتھ تعلقات

جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے، اسی طرح اساتذہ کرام کا باہمی تعلق مدرسہ کے ماحول کو انتشار سے بچاتا ہے، اساتذہ کرام کی تربیت کے ضمن میں یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ اساتذہ ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعلقات رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے تمام اساتذہ بھائی بھائی ہیں، ''تمام مومن ایک آدمی کی طرح ہیں، اگر اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورے بدن میں تکلیف پہنچتی ہے اور اگر اسکے سر میں تکلیف ہوتی ہے تو پورے بدن میں تکلیف ہوتی ہے''۔

اساتذہ کرام کو بھی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے اور درد محسوس کرنے والا ہونا چاہئے۔

---

(۱) مجالس ابرابر، ص:۲۰۱، ج:۱

(۲) مدارس کا نظامِ تعلیم وتربیت اور چند معروضات از: مولانا میرزاہد مکھیالوی قاسمی، جامعہ فلاح دارین اسلامیہ بلاسپور، ماہنامہ دارالعلوم، رمضان ذی القعدہ، اگست رستمبر ۲۰۱۲ء

ایک مدرسہ یا ادارہ میں رہتے ہوئے باہم تضاد یا مخالفت ہوسکتی ہے، ہمعصری بھی فطری طور پر منافرت کا باعث بنتی ہے، ایک دوسرے کا برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کی رعایت ضروری ہے، اگر اساتذہ کرام ایک دوسرے کی تائید نہیں کریں گے تو کام نہیں چل سکتا۔

۱- ایک دوسرے کی علمی حیثیت کو تسلیم کریں

تمام اساتذہ و معلمین کو چاہئے کہ ایک دوسرے کی علمی حیثیت کو تسلیم کریں؛ اس لئے کہ علمی تفاوت ضرور موجود ہوتا ہے، ارشاد باری عزوجل ہے: ''والذین اوتوا العلم درجات'' (۱) جب یہ چیز موجود ہے تو اس کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔

۲۔ ایک دوسرے کی تائید کریں

اساتذہ و معلمین ایک دوسرے کی تائید کریں، کیوں کہ دونوں حق کی تعلیم و تربیت دیتے ہیں، دونوں حق پر ہیں، اگر ایک دوسرے کی تردید کی تو گویا یہ حق کی تردید ہے، حالانکہ علماء حق کبھی حق کی تردید نہیں کرتے، پھر تو وہ علماء حق نہیں؛ بلکہ علماء سوء بن جائیں گے۔

۳۔ ایک دوسرے کی قدر کریں

ایک دوسرے کی قدر کریں، اگرچہ ایک دوسرے سے دور اور غائب ہوں، کیوں کہ غائبانہ قدر بھی ممکن ہے، مثلا ایک دوسرے کا تذکرہ اچھے طریقہ سے کرنا، ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا خوب ادب کرنا، بڑے لوگوں کے کام بھی بڑے ہوتے ہیں، اس لئے یہ معزز طبقہ ہے، ان کی معمولی غلطی بہت بڑی ہوتی ہے، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ: ۷۰ سال کی عمر تک علماء کی مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھا۔

۴۔ ایک دوسرے کی غیبت سے بچیں

ایک دوسرے کی غیبت سے بہت زیادہ بچنا ضروری ہے، غیبت تو ویسے ہی بہت بری

---

(۱) المجادلۃ:۱۱

بلا ہے، لیکن علماء کی آپس میں غیبت بڑا خطرناک معاملہ ہے، بعض اساتذہ دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں کہ غیبت سے بہت زیادہ پرہیز کرتے ہیں، کسی کے بارے میں اول تو کچھ کہتے ہی نہیں، اگر کہیں بھی تو بڑے محتاط ہوتے ہیں، نہ ان کے سامنے کسی کے بارے میں کچھ کہا جاسکتا ہے، استاذ محترم حضرت مولانا فضل الٰہی شاہ منصوری کی مجلس بہت مختصر اور خاموش ہوتی تھی، تھوڑی دیر بعد خود ہی مجلس دعا کے ساتھ ختم کر کے رخصت ہوجاتے، اگر کوئی مجلس میں ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتا تو فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر مجلس ختم کر دیتے اور کہنے والے کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کو کسی کی غیبت کرتے نہیں دیکھا گیا، حالانکہ آپ کے سیاسی مخالفین بھی زیادہ تھے، حضرت مولانا فضل الٰہی شاہ منصوری اپنے استاذ حضرت مولانا حبیب اللہ رودبوی رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت الاستاذ کی مجلس میں جب کوئی کسی کی تعریف کرتا تو فوراً اس کو خاموش کر دیتے کہ کچھ بھی نہ کہنا، لوگ پوچھتے کہ حضرت یہ تو تعریف ہے، فرماتے کہ یہ غیبت کی پہلی سیڑھی ہے، تعریف ختم ہوتے ہی بعض اوقات منفی پہلو پر گفتگو ہوجاتی ہے تو وہ ذریعے کو روکنے کے لئے مجلس میں تعریف سے بھی روکتے تھے۔

۵۔شاگردوں کے سامنے معلم کا تذکرہ کرنے سے بچیں

حتی الوسع شاگردوں کے سامنے کسی معلم کے بارے میں تذکرہ کرنے سے گریز کرنا چاہئے، کیوں کہ بعض اوقات ان ہی باتوں کی دوسرے معلم کی مجلس میں غلط ترجمانی ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں، پھر ایک دوسرے کے دل میں کدورت پیدا ہوجاتی ہے۔

٦۔گھنٹہ کی پابندی کریں

ایک ہی ادارہ میں پڑھانے والے معلمین اپنی اپنی پڑھائی کے گھنٹوں کی پابندی کریں، کسی دوسرے معلم کے سبق سے پہلے وقت نہ لے، خواہ وہ دوسرا معلم اپنے سبق میں دیر سے آئے یا وقت پر آئے۔

۷۔استاذ کی صراحۃ یا اشارۃ کردار کشی نہ کریں

حتی الوسع کوشش رہے کہ کسی استاذ کی صراحۃ یا اشارۃ کردار کشی نہ ہو،عموماً ایسا ہوتا ہے کہ فطری حسد کے تقاضے سے بچنے کی کوشش تو کی جاتی ہے،لیکن کبھی اشارات و کنایات میں کوئی بات کسی دوسرے معلم کے بارے میں کہی جاتی ہے جس کے اثرات بہت برے ہوتے ہیں اور گناہ بھی ہے۔

۸۔جوابی کاروائی سے گریز کریں

اگر کوئی شاگرد کسی معلم کے بارے میں کسی دوسرے معلم تک کوئی بات پہنچا دے تو اول اس شاگرد کو ٹوکنا چاہئے کہ پھر ایسا ہرگز نہ کرنا اور خود برداشت کرے،کسی قسم کی جوابی کاروائی سے حتی الوسع پرہیز ضروری ہے۔

۹۔دوسرے استاذ کی رائے کا احترام کریں

اختلافِ رائے بھی ہوسکتا ہے،دلائل کی بنیاد پر اختلاف رائے کے وقت دوسروں کی آراء کا احترام ضروری ہے،بعض اوقات علمی اختلاف ذاتی اختلاف تک پہنچ جاتا ہے، حالانکہ ہمارے اسلاف کے بے شمار واقعات ہیں کہ زبردست علمی،سیاسی اختلافات کے باوجود ان کے آپس کے تعلقات عقیدت ومحبت والے تھے،دلائل پر مبنی اختلافات کو برداشت نہ کرنا علمی تکبر ہے۔

۱۰۔دوسرے استاذ سے پوچھنے میں جھجک محسوس نہ کریں

اگر کسی معلم کو کسی کتاب یا فن میں کوئی علمی اشکال پیش آئے تو دوسرے معلم سے حل کرانے میں جھجک محسوس نہ کرے،کیوں کہ دونوں کے علم میں نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے،جس معلم سے اشکال حل کروائے وہ کسی اور کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کرے،بعض علماء بڑے بے نیاز ہوتے ہیں،وہ سب کے سامنے پوچھنے پر جھجک محسوس کرتے ہیں،علم کلی کسی کو حاصل نہیں،یہ تو باری تعالی کا خاصہ ہے،ہر عالم پر اس کا جہل محیط ہوتا ہے۔

۱۱۔طلباء کے سامنے ایک دوسرے کا خوب احترام کریں

مدرسہ یا جامعہ کے طلباء وشاگردوں کے سامنے تمام معلمین ایک دوسرے کا خوب احترام کریں، آپس میں خوب گپ شپ اور بے تکلفی ہونی چاہئے؛ تاکہ طلباء کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ شاید ان کی آپس میں کوئی چشمک رہی ہے۔

۱۲۔مدرسے کے کاموں کو سب اساتذہ اپنی ذمہ داری سمجھیں

معلم خود کو ادارہ کا ملازم نہ سمجھے بلکہ پورے مدرسے کے سب کاموں کو اپنی ذمہ داری سمجھے اور ہر کام کو اپنا کام سمجھ کر کرے، کیوں کہ دین اور مدرسہ مہتمم کا نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ تو ایک منتظم اور متولی ہوتا ہے، ہر جگہ سربراہ ایک ہی ہوتا ہے، سب سربراہ اور ذمہ دار نہیں بن سکتے تو لازماً کسی کا تابع بن کر رہنا ہوگا؛ لیکن تابعداری کا یہ مطلب نہیں کہ مہتمم کا ذاتی ملازم ہے، بلکہ وفادار اور تابعدار کارکن ہے۔

۱۳۔کسی کی شکایت یا برائی کا تذکرہ کلاس میں نہ کریں

بعض معلمین کو ادارہ کے منتظم یا مہتمم سے شکایت ہوتی ہے تو اس کا تذکرہ کبھی کبھار درس میں کرتے ہیں یا مہتمم و پرنسپل کی کمزوریاں درس اور کلاس میں بیان کرتے ہیں، جس کا بڑا اثر ہوتا ہے، یہ اصلاح وشکایت کا کوئی طریقہ نہیں کیوں کہ انسان کمزور ہے، مہتمم بھی انسان ہے، ان سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو تدارک کا طریقہ یہ نہیں کہ درس میں صراحتہً یا کنایۃً یا اشارۃً اس کی کمزوریاں بیان ہوں؛ بلکہ معلم کا فرض بنتا ہے کہ ادارہ کے سربراہ کی خیر خواہی کی بنیاد پر اصلاح کرے۔مومن مومن کا آئینہ کے مصداق ہے۔

۱۴۔ایک دوسرے کی حیثیت کا خیال رکھیں

بالفرض اگر دو معلمین میں کچھ اختلافات پیدا ہو جائیں تو ہر معلم کو چاہئے کہ اپنی اپنی حیثیت کا خیال رکھے، کیوں کہ دونوں عام آدمی نہیں ہیں، اسی طرح دوسرے معلم کی حیثیت کا بھی خیال رکھے؛ کیوں کہ عوام اور خواص کے اختلاف اور جنگ میں بڑا فرق ہوتا ہے، اول تو کوشش ہو کہ ایک دوسرے کی حیثیت مجروح نہ کریں، اگر بات بالکل بگڑ جائے تو شرعی دائرہ

سے نکلنے کی کوشش نہ کرے، بڑے لوگوں کی جنگ توپ ٹینک کے ساتھ نہیں ہوتی وہ زیادہ تر منہ اور باتوں کی حد تک ہوتی ہے، اور یہ بڑی خطرناک بھی ہوتی ہے، منہ سے کوئی بات نکالتے وقت بہت سوچ سے کام لینا چاہئے؛ کیوں کہ ایک دن صلح ضرور ہوگی؛ لیکن منہ سے نکلی ہوئی بات کا تدارک مشکل ہوتا ہے اوراس کے اثرات بڑے دیر پا ہوتے ہیں۔

۱۵۔دوسرے استاذ سے پوچھ کران کا ٹائم لے

اگر کسی معلم کو اپنے کلاس سے زیادہ وقت کی ضرورت ہوتو متعلقہ استاد سے کہہ دے کہ اتنے منٹ چاہئے، بالفرض اگر استاذ عذر کردے تو خوشی کے ساتھ اس کے عذر کو قبول کرلے، کیوں کہ اس کی بھی مجبوری ہوتی اور اگر وقت دے تو شکریہ کے ساتھ اتنا وقت لیا جائے۔

۱۶۔وقت ختم ہوجائے تو کلاس سے باہر آجائے

بعض اساتذہ جب اپنی کلاس کی طرف جاتے ہیں تو اگر دوسرا استاذ کلاس میں موجود ہواوراس کے کلاس کا وقت ختم ہو چکا ہوتو باہر والا استاذ شرماتا ہے؛ اس لئے کلاس کے اندر موجود استاذ کے سامنے نہیں آتا، لیکن اس میں شرمانے کی بات نہیں؛ کیوں کہ اپنی ایک ذمہ داری اچھی طرح نبھانا ہے، یا کلاس میں موجود استاذ کو خود اس بات کا احساس ہونا ضروری ہے تاکہ بعد والے کلاس کے استاذ کو کسی جھجک کا سامنا کرنا نہ پڑے، کیوں کہ بعض اوقات بعد میں آنے والے کلاس میں موجود استاذ کا شاگرد ہوتا ہے۔

اساتذہ کے باہمی نزاع کی وجوہات اور ان کا حل

۱۔دلوں میں حسد ہونا

اساتذہ کرام میں اکثر لڑائی جھگڑوں کا سبب حسد ہے، ایک دوسرے کو آگے بڑھتا ہوا دیکھ نہیں سکتے، یہ سوچنا چاہئے کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے اضافی خصوصیات سے نوازا ہے تو مالک کی مرضی ہے جسے چاہے جتنا دے ہم کون ہوتے ہیں حسد کرنے والے؟ یاد رکھیں! حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے ''اب آپ محنت کر کے نیکیاں جمع کریں اور پھر حسد کی آگ میں جلا دیں یہ کہاں عقلمندی ہے؟۔

۲۔ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہنا

اکثر اساتذہ میں دیکھا گیا ہے کہ جس کے بارے میں دل میں کوئی بات آگئی یا ذرا آپس میں اونچ نیچ ہوگئی تو اب اس کے بارے میں ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور اس کی خامیاں تلاش کرتے ہیں، یاد رکھیں! وہی آدمی کامیاب ہوتا ہے جو اپنی خامیوں پر نظر رکھے، دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھے، اگر کوئی استاذ کسی دوسرے کی اصلاح کی غرض سے یا جامعہ کی خیر خواہی کے نقطہ نظر سے کوئی بات مہتمم تک پہنچادے تو بس! اب آپس میں وہ فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے خدا کی پناہ! جتنی محنت اس شخص کی تلاش اور فتنہ وفساد برپا کرنے میں صرف کرتا ہے اپنی اصلاح پر خرچ کرتا تو عند اللہ ماجور اور مغفور ہوتا۔

۳۔قوت برداشت کی کمی

لڑائی جھگڑے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ قوتِ برداشت کی کمی ہوتی ہے، کسی

دوسرے کی بات برداشت نہیں کر سکتے، اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو تحمل و بردباری سے اسے برداشت کرنا چاہیئے، تحمل مزاجی کی وجہ سے آدمی خوش رہتا ہے، کیوں کہ وہ دوسرے کو معاف کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہے، اگر اساتذہ کرام علم سیکھنے کے باوجود اپنے اندر قوتِ برداشت اور تحمل پیدا نہ کر سکیں تو ان کا علم ادھورا رہ جاتا ہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''علم کی زینت حلم کے ساتھ ہوتی ہے''

مزہ تو یہ ہے کہ استاد کے اندر یہ دونوں صفتیں ہوں، علم بھی ہو اور حلم بھی، آج کل علم کی صفت تو اکثر مل جاتی ہے، لیکن حلم والی صفت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے، بزرگوں نے اپنا تجربہ لکھا ہے جو بندہ اپنے علم پر عمل کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے علم میں سے علم دیتے ہیں اور اپنے حلم میں سے حلم دیتے ہیں۔

''اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔''

اساتذہ کرام کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین کریں اور علم کے ساتھ ساتھ اپنے اندر حلم اور قوتِ برداشت پیدا کریں تو وہ مثالی اساتذہ میں شمار ہوں گے۔

۴۔ اساتذہ میں باہمی کدورت

اساتذہ میں باہمی کدورت کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا کہ مدرسہ کی خدمت اور انتظام یہ میری ذمہ داری نہیں، مجھے صرف پڑھانا ہے، مدرسہ میں ہر کام استاذ کی ذمہ داری ہوتی ہے، اخلاص تو یہ ہے کہ اپنے ذمہ لگائے گئے کاموں کو بھی پوری ذمہ داری اور اخلاص کے ساتھ مکمل کرے اور مدرسہ میں جہاں ضرورت محسوس کرے اپنی خدمات کو بے غرض ہو کر پیش کرے، مدرسہ ناظم یا مہتمم کی ذمہ داری نہیں ہوتی؛ بلکہ اساتذہ کرام پر بھی مدرسہ کے تمام امور کی ذمہ داری ایسے ہی ہوتی ہے جیسے مہتمم پر ہوتی ہے، کیوں کہ کسی کی ذاتی ملکیت تو ہے نہیں یہ تو اللہ کا گھر ہے، یہاں اللہ کا دین سیکھنے سکھانے کا کام کر رہے ہیں، مہتمم بھی ذمہ داری نبھا رہا ہے، وہ بھی اللہ کے یہاں جوابدہ ہے، اور اساتذہ

اپنی ذمہ داری نبھانے میں اللہ کے یہاں جوابدہ ہیں۔

۵۔اپنی عزت چاہنا

ہراستاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو مدرسہ کا خادم سمجھے اور دوسرے کو استاذ سمجھے، اس کا ادب کرے اور اس کے ساتھ ادب سے پیش آئے ،لیکن آج کل یہ دیکھا گیا ہے کہ جو استاذ بنتا ہے وہ خود چاہتا ہے کہ میری عزت کی جائے ، دوسروں کو ایک استاذ کی عزت کرنی چاہئے ، لیکن استاذ کو خود اپنی عزت کروانے کا شوق نہیں ہونا چاہئے ، یہ بات بھی لڑائی جھگڑے کا باعث بنتی ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ فلاں استاذ نے میری بے عزتی کردی، یادرکھیں کہ ذلت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے،کوئی کسی کو بے عزت نہیں کرسکتا، اس لئے عزت چاہنا بھی چھوڑ دیں؛ بلکہ عاجزی انکساری کو مطمح نظر بنائیں،یہی اصل عزت ہے، کیوں کہ اس سے اللہ کے یہاں عزت نصیب ہوتی ہے، یہ بھی یادرکھیں کہ آپ دوسروں کی عزت کریں گےتو اللہ تعالیٰ آپ کو خود بخود عزتوں سے نوازیں گے۔(۱)

مدارس کے منتظمین ومعلمین کی خدمت میں چند گذارشات

آئندہ سطور میں اپنے محدود تجربہ کی روشنی میں مدارس کے منتظمین ومعلمین کے لیے چند گذارشات پیش کی ہیں، اس صالح جذبہ، حسن نیت اور توقع کے ساتھ کہ یہ اصلاحی مشورے جو دراصل اپنے حضرات اکابر کے افادات سے ماخوذ ہیں، ہمارے ہم مشرب رفیقوں کے لیے نفع کا ذریعہ ثابت ہوں گے

سرپرست حضرات سے مخلصانہ وابستگی ہونا ضروری ہے

کسی بھی دینی ادارہ اور تعلیم گاہ کو صحیح معیاری نہج پر چلانے کے لیے ذمہ داری کا احساس کرنے والے تجربہ کار ماہر تعلیم سے مخلصانہ تعلق قائم کیا جائے پھر موقع بموقع اسے ادارہ کے حالات سے مطلع کرکے اس کی سربراہی میں ادارہ کا تعلیمی وتربیتی سفر طے کیا جائے۔

(۱) مثالی تربیت اساتذہ کورس:۱۸۔۲۴

انحطاط وتنزلی کے اس دور میں بہت سے اہل مدارس اس سلسلہ میں بے توجہی اورغفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے یہاں سرپرستان کی حیثیت مدرسہ کے تعارفی کتابچہ یا کسی کے سامنے زبانی تذکرہ سے زیادہ نہیں ہوتی، وہ اہل انتظام اپنے اکابر سے نہ تو کبھی مدرسہ کے کسی تعلیمی معاملہ کو لے کر ملاقات فرماتے ہیں اور نہ دورانِ تعلیم کبھی ان کو مدرسہ میں مدعو کرنے اور نظام کو ان کی اصلاحی نظروں سے گذارنے کی حاجت سمجھتے ہیں، ایسی صورتِ حال میں جو نتیجہ نکلے گا ظاہر ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر ہم لوگ اپنے کام میں مخلص ہیں، اور ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ادارہ کو معیاری اور مثالی ادارہ بنائیں، ہمارے یہاں تعلیمی وتربیتی اور روحانی ماحول قائم ہو تو ہمیں اپنے موجودہ اکابر سے سچی وابستگی اور مخلصانہ تعلق قائم کرنا ہوگا، خاص طور سے ان حضرات کے ساتھ اپنے مراسم مستحکم کرنے ہوں گے جو ادارہ کے ضابطہ کی رو سے ہمارے سرپرست ہیں۔

ہم اپنی محنتوں کا محور تعلیم وتربیت کو بنائیں

ایک مدرسہ کے منتظم اور سربراہ کے لیے بحیثیت منتظم جس طرح اخلاص وتواضع اور دیانت داری جیسے اہم اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے اس کے ساتھ اس کا علمی ذوق ومزاج ہونا بھی لازم ہے؛ چونکہ ”الناس علی دینِ ملوکِہِم“ قائد ورہنما جس مذاق کا حامل ہوگا اس کے مطابق ادارے کے مدرسین و متعلمین میں عموماً وہ چیز منتقل ہوگی۔

آج ہم لوگوں میں یہ بات کمیاب نہیں؛ بلکہ نایاب ہوتی جارہی ہے کہ ہم نے اپنی منزل کا نشان چھوڑ دیا اور اپنی محنتوں اور کوششوں کا تمام تر محور ومقصد معیار تعلیم کی جگہ حصول زر اور تعمیرات کو بنالیا، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ تعمیری واقتصادی حیثیت سے ترقی کرتا نظر آتا ہے اور اصل مقصد یعنی تعلیم وتربیت میں نتیجہ بعض مدرسوں میں صفر کے برابر ہوتا ہے؛ تاہم اپنے اسلاف کی روشن تاریخ سے یکسر غافل ہو چکے ہیں کہ جنھوں نے ہمیشہ انسانوں پر محنتیں کیں، ان کی صلاحیتوں کو سنوارنے اور بنانے میں ہر طرح کی قربانی دینے سے دریغ نہیں فرمایا، ان حضرات کے زمانہ میں تعمیرات بہت کم، نہ کے برابر ہوتی تھیں؛ لیکن ان کی نظریں

ہمیشہ مقصود پر ٹکی رہتی تھیں۔

حضرت بڑوتی علیہ الرحمہ ایسے مدرسوں کے منتظمین سے (جو خالصتاً تعمیری ذہن والے ہوتے) فرمایا کرتے تھے کہ بڑا مدرسہ وہ نہیں جہاں اینٹ پتھر زیادہ لگے ہوئے ہوں طلبہ کی کثرت ہو، عمارات خوب ہوں، بڑا نظام ہو، اس سلسلہ میں ہم لوگوں کو حکیم الامت حضرت تھانوی کا وعظ (ذم المکروہات) مطالعہ کرنا چاہیے، آج کل اینٹ پتھروں کی طرف خصوصی توجہ ہم لوگوں کی ہوگئی ہے، اللہ تعالی حفاظت فرمائے؛ بلکہ بڑا مدرسہ وہ ہے جہاں بڑے (اللہ تعالی) کی حسب منشا کام ہو اور وہ بڑے کو پسند آجائے، تعمیر برائے تعلیم ہو اور تعلیم برائے تعمیل ہو پھر اس میں رضا الہی پیش نظر ہونا چاہئے جو کہ اصل مقصود اور مطلوب ہے۔(۱)

ایک صاحب کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: مدرسہ کا بڑا چھوٹا ہونا تعمیر کے بڑا چھوٹا ہونے پر موقوف نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو دھوکا ہوا ہے، طلبہ کی بھیڑ پر بھی اس کا مدار نہیں، تعلیمی نصاب بلند کردینے پر بھی یہ مبنی نہیں، جو بڑے یعنی اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے وہ بڑا ہے، جو پسند نہ آئے وہ چھوٹا بھی نہیں خواہ دیکھنے میں کتنا ہی بڑا نظر آتا رہے۔(۲)

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے جسمِ مدرسہ کی تعمیر وتزئین کے مقابلہ میں عمدگی تعلیم کو ترجیح دینا، جسم مدرسہ میں اولاً ضروری باتوں کو مقدم رکھا جائے پھر عمدگی تعلیم کے بعد مناسب تزئین کی جانب توجہ فرمائی جاوے۔(۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سب سے پہلے بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب جاری کر کے اس میں معلم مقرر کیے محلی ابن حزم اور کنز العمال میں وضین بن عطا کی روایت ہے: ”کان بالمدینة ثلاث معلِمین یعلمون الصبیان فکان عمر یرزق کل واحد منھم خمس عشر کل شھر“

(۱) اصلاحی کلمات: ص: ۴۲ (۲) امداد السالک ص: ۱۳۴، ج:۱

(۳) مجالس ابرار، ص: ۱۶۷، ج:۱

مدینہ میں تین معلم بچوں کو تعلیم دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو ماہوار پندرہ درہم برائے خورد ونوش دیا کرتے تھے۔

کنز العمال کی روایت میں خمس عشر درھما کی تصریح ہے، اس روایت میں یہ جو (اجرت دیتے تھے) کے بجائے یرزق کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قرآن اور دین کی تعلیم دینے والے معلمین بقدر کفایت کچھ رقم لے لیتے تھے، عامر بن عبداللہ خزاعی کے متعلق الفواکہ الدوانی علی رسائل ابن ابی زید القیروانی میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حکم جاری کر کے عامر بن عبداللہ خزاعی کو بچوں کی تعلیم کا حکم دیا، اور بیت المال سے ان کے لیے اجرت نہیں؛ بلکہ وظیفہ جاری کیا اور حکم دیا کہ کند ذہن بچہ کے لیے تختی پر لکھیں اور ذہین بچہ کو زبانی تعلیم دیں، اس حکم کے مطابق عامر بن عبداللہ صبح سے شام تک مکتب میں بیٹھے رہتے، لوگوں نے حضرت عمر سے اس کڑی پابندی کے بارے میں بات کر کے تخفیف کرائی کہ نماز فجر کے بعد دس گیارہ بجے تک اور ظہر کے بعد عصر تک تعلیم دیں، باقی وقت آرام کریں۔

ابوسفیان کی معلمی کا ذکر ایک المیہ میں یوں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان نامی ایک شخص کو بادیہ اور صحرا کے باشندوں کی تعلیم کے لیے بھیجا، جو طالب علم نہیں پڑھتا تھا، ابوسفیان اس کو مارتے تھے؛ چنانچہ انھوں نے اسی بات پر ایک بچہ اوس بن خالد طائی کو کئی کوڑے مارے اور اس کا انتقال ہوگیا، اس کی ماں نے رونا پیٹنا شروع کیا اور حادثہ کی اطلاع ریث بن زید الخیل طائی کو کردی، جس نے ابوسفیان کو قتل کردیا۔(۱)

اس مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خیر القرون میں مکاتب کا اجراء، نیز بادیہ وصحرا میں تعلیمی بندوبست سب کچھ کیا گیا، معلمین کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے وظائف مقرر فرمائے، نظام تعلیم کے سلسلہ میں مدرسین کو مختلف ہدایات فرمائیں؛ لیکن عمارت پر مستقل نہ محنت کی گئی اور نہ تعمیر وتزئین کو مقصود بنایا گیا۔ آج ہم لوگ اپنے دینی

---

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ص، مولفہ: قاضی اطہر مبارکپوری بحوالہ امداد السالک، ج:۱، ص:۱۴۲

مدرسوں میں معیار تعلیم وتربیت پر پوری توجہ کی جگہ اگر نصف حصہ بھی دھیان دیں اور طلبہ پر محنت کریں تو نظام میں نمایاں تبدیلی اور بہتری آسکتی ہے اور مدارس میں زیر تعلیم طلبہ پر عوام الناس کی شکایتوں کا سلسلہ بہت حد تک قابو میں آسکتا ہے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی

باصلاحیت اور سلیم المزاج اساتذہ کا انتخاب ہو

کسی بھی ادارہ کی بنیادی ترقی اور تعلیمی استحکام محنتی جفاکش اور مخلص اساتذہ پر موقوف ہوتا ہے وہ اگر باذوق سلیم الطبع اور باحوصلہ ہوتے ہیں تو یقینا مدرسہ روز بروز ترقی کے منازل طے کرتا ہے، نظام تعلیم کی مضبوطی میں حضرات معلمین کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی سے کم نہیں، ان پر صرف تعلیمی ذمہ داری نہیں ہوتی؛ بلکہ نونہالان امت کی تربیت کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر ہوتا ہے، معلم تمام بچوں کے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہوتا ہے، اس کی فکر وسوچ رفتار وگفتار، رہن سہن اور تمام حرکات طلبہ میں غیر محسوس طریقہ پر منتقل ہوتی ہیں، بہر حال اساتذۂ کرام اگر شریعت وسنت کے پابند اور اپنے منصب کے قدردان ہوں اور ان میں شفقت ورحم دلی اور خیر خواہی کا پہلو غالب ہو تو بلاشبہ ان کے ہاتھوں تیار ہونے والی نئ نسل بھی انھیں صفات کی حامل ہوگی۔

ایک دینی ادارہ کے ذمہ دار اور منتظمہ کمیٹی پر یہ سب سے اہم فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے معلم اور لائق مدرس کا انتخاب کرے جو باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ دینی فکر ومزاج کا حامل سلیم الطبع ہو؛ اس لیے کہ دورِ حاضر میں تجربہ یہ ہے کہ مدرس کی لیاقت طبیعت کی سلامتی کے بغیر اکثر وبیشتر ادارہ کے لیے مضر بن جاتی ہے اور اس کے ضرر سے بچنے کے لیے اہل انتظام کو بڑی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اساتذہ وملازمین کے ساتھ منتظمین کا سلوک

کسی ادارہ کا منتظم ومہتمم بننا جس طرح ایک طرح خوش نصیبی اور نیک بختی کی بات ہے، اسی طرح ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے ادارہ کے سربراہ کا عالی حوصلہ، فراخ چشم، متحمل المزاج، شریف النفس ہونا لازم ہے، اس کے اندر بزرگانہ شفقت بھی ہو اور عزیزانہ محبت

بھی، اپنے ماتحتوں اور خوردوں کے ساتھ اس کا سلوک و برتاؤ ایسا مساویانہ ومتوازن ہو کہ جس میں نفسیات وجذبات کی رعایت بھی ہو اور کسی کی حق تلفی اور دل آزاری کا پہلو بھی نہ ہو، مدرسہ کے ملازمین ومعلمین کو ادارہ کے سچے خیر خواہ اور معمار تصور کرے کہ ان مخلص معماروں کی پر خلوص تعلیمی وتربیتی کوششوں اور محنتوں سے ہی ادارہ کا وجود قائم ہے، ورنہ محض اچھی بلڈنگوں، مزین ہوسٹلوں اور خوشنما پارکوں کا نام مدرسہ نہیں ہوسکتا؛ لہذا اسی نظریہ کے ساتھ ان کے اکرام واعزاز میں اور حوصلہ افزائیوں میں کوتاہی نہ کرے۔

یہ نظام الٰہی ہے اور اسی کی جانب سے یہ تقسیم امور ہے کہ وہ کسی فرد کو معلمی کی خدمت کے لیے منتخب کرلے اور کسی انسان کو اہتمام وانتظام کی پر خطر ذمہ داری پر فائز کردے، لہٰذا مہتمم کسی مدرس کو بھی حقیر نہ سمجھے، ان کے ساتھ نوکروں کی طرح برتاؤ نہ ہو۔ حضرت محی السنہ ہردوئی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اراکین ومنتظمین کو چاہیے کہ دوسرے معاونین اور بالخصوص اساتذۂ کرام کے ساتھ حسن سلوک رکھیں۔)(۱)

اس زمانہ میں بعض ایسے کم ظرف نظما کے واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ وہ اپنے مدرسہ کے معلموں کو اپنے نوکر ہونے سے تعبیر کرتے ہیں اور فخریہ بیان کرتے ہیں، اس سطحی ذہنیت کے نتیجہ میں جو بگاڑ ایسے مدرسوں کا سامنے آتا ہے، ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین۔

اہل انتظام کے لیے ہماری ناقص رائے اور تجربہ یہ ہے کہ وہ حضرات اس سلسلہ کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمانے کے لیے حضرت اقدس مفتی مہربان علی شاہ بڑوتی قدس سرہ کی تالیف تعلیم وتربیت کس طرح کا نیا ایڈیشن اور مثالی استاذ مولفہ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہ مسلسل مطالعہ میں رکھیں۔ محی السنہ حضرت اقدس شاہ ابرارالحق صاحب قدس سرہ کی مجالس ابرار بھی اس باب میں اپنی منفردانہ حیثیت رکھتی ہے۔

ناظم مدرسہ اور مدرسین کی ذمہ داریاں

☆ وہ ایسا منصف مزاج ہو کہ جب بھی مدرسے کے کسی قانون کی مخالفت کی جائے تو وہ

---

(۱) مجالس ابرار، ص: ۱۴۷

حتمی طور پر اس کی حمایت کرے۔

☆ اپنے اوامر و ذمہ داریوں میں خوب باریکیوں سے کام لینے والا ہو۔

☆ عقل و تدبیر کا ایسا ماہر ہو کہ جب کوئی ہنگامی پریشانی یا الجھن پیش آئے تو بغیر ٹکراؤ کے اپنے فوری طور پر درست محل کی طرف پھیر دے۔

☆ تمام احوال و حوادث کا مدبر و منتظم ہو جس کا شعار (ہر شیء کو اس کی جگہ قائم کرنا اور رکھنا) ہو۔

☆ ناظم مدرسہ کے لئے سب سے مقدم اور اہم کام مدرسہ کے نظام پر پوری توجہ رکھ کر اسے مستحکم اور مضبوط بنانا ہے۔لہٰذا اسے اس کے علاوہ دیگر کسی کام کی طرف توجہ ہرگز نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ اسے چاہئے کہ وہ ہمیشہ نظام مدرسہ کے پہلو پر سوچتا رہے۔

☆ اور جب نظام میں پختگی کے کچھ آثار ظاہر ہوں تو اب وہ درمیانی بالا دستی سے مدرسین کو اچھی خاصی جدوجہد پر ڈالے؛ تاکہ وہ اپنے قیمتی اوقات افراد سازی میں صرف کریں اور انہیں ضائع نہ کریں؛ البتہ وہ حضرات اگر افراد سازی میں کوئی دشواری محسوس کریں تو ان جیسے اہم امور میں ناظم مدرسہ کی طرف رجوع کریں۔

☆ بڑے مدارس میں ناظم مدرسہ کے لئے تدریسی و تعلیمی کام عام مدرسین کی طرح مکمل انجام دینا مشکل ہے، کیوں کہ منصب اہتمام، منصبِ تدریس سے بھی بڑھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہمہ وقت تدریس میں رہے، یہ ناممکن سا ہے تو ایک دو گھنٹہ تدریس کے بعد وہ اپنا مکمل زور اور اپنی پوری توانائی، دانائی مخصوص نظامی کاموں میں صرف کرے اور انہیں عمدہ اور مضبوط بنانے میں صرف کرے۔

☆ اگر ناظم مدرسہ سارے امور کو از خود انجام نہ دے سکتے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کچھ امور اپنے ماتحت مدرسین وغیرہ سے انجام دلائے جب کہ وہ اس کام کے اہل ہوں؛ لیکن بعض اہم امور تو از خود انجام دے مثلاً: طلبہ کی سستی، ان کی تاخیر اور ان کی تعطیل پر گرفت کرنا، اسی طرح ضرورت پڑنے پر ان کے والدین

سے خط وکتابت اور فون کرنا وغیرہ۔

☆ ناظم مدرسہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام مدرسین وطلبہ کے اعمال وکردار سے واقفیت رکھے۔

☆ طلبہ کی غیر موجودگی میں اساتذہ کے طریقہ تعلیم میں بقدر ضرورت اصلاح جب کہ اس کی ضرورت ہو۔

☆ طلبہ کا از خود امتحان لینا؛ تاکہ طلبہ بھی سیکھنے پر متوجہ رہیں اور اساتذہ بھی تدریس میں توجہ سے کام لیتے رہیں۔

☆ ناظم مدرسہ اس پر توجہ دے کہ کون مدرس کس صلاحیت کا مالک ہے اور اس کی نفسیات کیا ہیں؟ انہیں معلوم کر کے اس کے مطابق روش اختیار کرے، ان کے علاوہ بھی اس کے کام ہوتے ہیں، مثلاً: طلبہ اور اساتذہ کے اعمال واخلاق، مدرسہ کے سامان کی ترتیب، داخل مدرسہ وخارج مدرسہ دونوں میں نظافت، مدرسہ کے اوقات، طلبہ کی دلچسپی، سکون ووقار وغیرہ پر نظر رکھنا؛ لیکن ان میں اہم فالأہم کی ترتیب ملحوظ رکھے۔

☆ اصلاح میں ادب واحترام اور حکمت ودانائی سے کام لے۔(۱)

۱- طلبہ کی تعلیمی تربیتی، اخلاقی ترقی ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور نیک ومحنتی طلبہ کی ہمت افزائی کے لئے وظائف کا خیال رکھیں۔

۲- انتظامیہ مدارس برسر عام اساتذہ پر تنقید نہ کریں، ان کی توقیر وتکریم کا خاص لحاظ رکھیں۔

۳- یاد رکھیں کہ لائق اساتذہ مدرسہ کے حق میں مزدور محض نہیں؛ بلکہ وہ بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں اور تعلیمی جد وجہد کے اصل روحِ رواں ہیں۔

۴- اساتذہ کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کا ایسا کوئی خاص طریقہ اختیار نہ کریے کہ اس سے تدریسی ماحول تباہ ہوجائے گا اور وہ حضرات بے اعتمادی کا شکار ہوں گے۔

۵- تعلیمی ترقی کے لئے ضروری اشیاء، طلباء اور اساتذہ کے قیام وطعام کی بہتری کو

(۱) فن تدریس کے اصول، شیخ علی عمر صاحب: ۳۵ تا ۳۷

مصارف میں پہلے نمبر پر رکھیں۔

اصول ہشت گانہ برائے دارالعلوم ودیگر مدارس اسلامیہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے تحریر فرمودہ ان اصولِ ہشت گانہ پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے، جو دارالعلوم دیوبند ہی نہیں؛ تمام اسلامی مدارس کے لئے رہنما اصول یا دستور کی حیثیت رکھتے ہیں:

۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشان کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

۲) بقاءِ طعام؛ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ مدرسہ ساعی رہیں۔

۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مدرسہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اوروں کی رائے کی موافق ہو، ناگوار ہو تو پھر اس مدرسے کی بنا میں تزلزل آجائے گا، القصہ تہ دل سے ہر وقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، بہ دل وجان قبول کریں گے، اور نیز اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد صادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتے ہیں۔

۴) یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ مدرسین یا مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خودرہیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسے کی خیر نہیں۔

۵) خواندگی کی مقررہ مقدار اس انداز سے ہو جو پہلے تجویز ہوچکی ہے، یا بعد میں کوئی اورانداز مشورہ سے تجویز ہو، ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر آباد ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

٦) اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرطِ توجہ اِلی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسے یقینی حاصل ہوجائے کہ یہ خوف ورجاء، جو سرمایہ رجوع اِلی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

اصولِ ہشت گانہ کی تشریح

دار العلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے مذکورہ اصول ہشت گانہ کی تشریح حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی اپنے الفاظ میں یوں فرماتے ہیں:

''ان اصولوں کی بناء پر آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ دار العلوم اور اس کے ہم صنف دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) آزادی ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ اللہ الحق کا اعلان ہو، کوئی سنہری طمع، مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہوسکے۔(۱)

(۱) مندرجہ بالا الف وب کے لئے ملاحظہ ہو اصول ہشت گانہ کی دفعہ ٦، ۷، ۸

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہوتا کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کردے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لئے ورنہ کم ازکم اس وقت تک کے لئے محفوظ ہو جائے، جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے، نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف سے احتیاج خود کارکنانِ مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبداد یا ریاست کا ٹھاٹ ان میں قطعاً پیدا نہ ہو؛ بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو، جو ایک دوسرے کا محتاج بنائے رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(ج) کارکنانِ، خدام اور مستفیضین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللہی مسلک پر شدت سے عمل پیرا رہے جس کے متعلق تمام عالم اسلامی کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویمہ ہے، مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے، افراط وتفریط سے پاک، صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔(۱)

(د) خودداری اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بربادی مسلم کا واحد ذمہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی اور جمہوری حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔(۲)

صفائی معاملات پر خاص توجہ دینے کی ضرورت

اسلامی تعلیمات میں اہل ایمان کو جس طرح اخلاقیات وعبادات اور معاشرت کا مکلف بنایا گیا ہے، وہیں معاملات کی درستگی اور صفائی رکھنے کی واضح ہدایات بھی دی گئی ہیں، قرآن کی آیات اور احادیث نبویہ ﷺ اس پر شاہد عدل ہیں، عصر حاضر میں جو بنیادی

---

(۱) ملاحظہ اصل: ۴

(۲) اس کے متعلق اصل: ۳، میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (علماء حق: ۱/ص: ۵۴ تا ۵۶، بحوالہ: ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴

کمزوریاں اسلامی معاشرہ کی علامت بن چکی ہیں، ان میں صفائی معاملات نہ رکھنے کی عادت بھی شامل ہے، عوام الناس کا کیا ذکر خواص سمجھے جانے والے، لکھے پڑھے طبقہ کے لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں؛ بلکہ اس سے بھی ایک قدم بڑھ کر یہ کہ بعض مدارس ومکاتب کے ذمہ داران اور سربراہ حضرات بھی اس مہلک بیماری میں مبتلا ہیں کہ مدرسہ کے مدرسین اپنی تنخواہوں کے لیے ان کے پیچھے چکر لگاتے ہیں، مدرسہ میں تعمیری کام کرنے والے معمار ومزدوران کے پیچھے گھومتے نظر آتے ہیں، کسی اللہ کے بندے سے ان کا کوئی معاملہ خرید وفروخت کا ہوجائے وہ بھی ان کی بدمعاملگی سے محفوظ نہیں رہ پاتا، ایسے لوگوں کا معاملہ ادارہ کے داخلی امور میں بھی شفاف نہیں ہوتا، آمد وخرچ کا حساب لکھنے اور محفوظ رکھنے میں بھی وہ غیر محتاط ہوتے ہیں، یقیناً یہ ایک تکلیف دہ صورت حال ہے جو ایک مسلمان کے اور خاص طور پر کسی دینی ادارہ کے منتظم عالم دین کے شایانِ شان نہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اس قسم کے سطحی طرزِ عمل سے اپنے آپ کو اوپر اٹھائیں، اور اپنے روشن مستقبل بنانے کی محنت کریں۔

قدیم فضلاء سے رابطہ

ایک طالب علم چار پانچ سال ہماری زیرِ تربیت رہتا ہے، اگر عالمیت وغیرہ کی تکمیل بھی ہمارے ادارہ میں کیا ہے اور گویا گیارہ بارہ سال اس کی تراش خراش، ذہنی نشو ونما، علمی عملی ترقی کی فکر کی گئی، انتظامیہ، اساتذہ اور قوم نے شب وروز اپنی توانائیوں کو جھونکا، مدارس کی حقیقی کمائی، حاصل شدہ سرمایہ، تمام کی محنتوں کا نتیجہ یہ ہی فضلاء وفرزندان ہیں، چہار دیواری سے باہر کا پرفتن ماحول، ناپختہ طبیعت، بچکانہ مزاج، گھروں کے نامساعد حالات، قوم کی لاپرواہی وغیرہ کے تھپیڑے ایک حافظ قرآن اور عالم دین کو خدمت دین پر جمنے نہیں دیتے، نفس وشیطان کے پے در پے حملے، معاشی حوصلہ مندیاں، : کاروبار کی مشغولیت، بیوی بچوں کے مسائل رواج وسماج کا اثر آدمی کو راہ استقامت سے ہٹاتا ہے،

اسی لئے سال میں ایک مرتبہ یا چھ ماہ میں ایک مرتبہ کم ازکم سالانہ جلسوں میں ان کو مدعو کیا جائے ، رسمی جلسے کے بجائے ان کے احوال سنے جائیں، گرتوں کو سنبھالا جائے ، تزکیہ صاحب دل سے تعلق قائم کرے ، دعوت وتبلیغ کی محنت سے وابستہ ہونے یا مکاتبِ قرآنیہ سے کسی نہ کسی درجہ پر جمنے اور مرنے کے عزائم پیدا کئے جائیں، ان کے ذوق ومیلان کے مطابق خدمتِ دین کے میدان میں چلایا جائے ، کچھ مالی تعاون کرنا پڑے تو دریغ نہ کرے اگر معاشرتی جھگڑے ہوں تو گھر پہنچ کر سلجھائے ، کہیں کمیٹی یا کسی ادارہ سے اس کا تنازعہ کھڑا ہو چکا ہو (چاہے اس کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہو یا ذمہ داروں کی بے اصولی سے) تو اس کو قدمے، سخنے حل کروایا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس اپنی چالیس، پچاس یا سو سال میں جتنے طلبہ کو تیار کرتے ہیں انہیں کو کارآمد ومتحرک کرلیا جائے تو خدمتِ دین کے بڑے بڑے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔

اطراف واکناف سے رابطہ

مدارس میں کالجوں اور اسکولوں کے بالمقابل میں اخلاقی قدریں، جذبہ ہمدردی، حیاء وپاکدامنی، مالِ حلال کی اہمیت، ملک وملت کے لئے کچھ کرنے کے ارادے تازہ اور زندہ ہیں، کم بجٹ، کسمپرسی کے عالم میں، حکومتوں پر کوئی بوجھ ڈالے بغیر قوم کے بچوں کو ضروری عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ انہیں حافظ عالم بنایا جائے ، دوستوں کے ساتھ ریگنگ، اساتذہ کے ساتھ بدتمیزی، زناکاری وبے حیائی، انتظامی دفاتر میں توڑ پھوڑ، خدام وعملہ سے ناروا سلوک، ہر کام میں رشوت، تعلیم برائے تجارت، استاذ وشاگرد کا صرف ملازمین والا تعلق، یہ سب وہ جراثیم ہیں جس سے بحمد اللہ مدارس کافی حد تک اس زمانہ تنزل میں بھی محفوظ ہیں، لیکن یہ خوبیاں نہ مسلمان جانتے ہیں، نہ غیر مسلم، نہ اہل سیاست جانتے ہیں نہ اہل ثروت، پھر اس پر میڈیا کا پیروپیگنڈہ ، اخبار بازی، دہشت گردی کا الزام ، اسلام دشمن طاقتوں کی چڑھائی وبہتان تراشیوں کا ایک تسلسل سب کو بدگمان کرتا رہا ہے، کم ازکم ان اداروں کو بے وزن بنایا

دیا جائے، اس لئے اہلِ مدارس کو چاہئے کہ وہ وقتاً فوقتاً سرکاری عہدہ داروں، اطراف واکناف کے اہل دیہات واہل محلہ کو اپنی خدمات سے متعارف کروائیں، اعتماد جیتیں، یوم آزادی، رمضان وبقرعید یا سالانہ جلسوں میں خاص طور پر انہیں مدعو کیا جائے، ہو سکے تو رفاہی وفلاحی کاموں کو زندہ کریں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اہل مکہ کے ساتھ کیا کرتے تھے، گرما میں ٹھنڈا پانی، سردی میں کمبل، غیر مسلم بیواؤں کا وظیفہ، ان کے یتیم بچوں کی تعلیمی کفالت، کھانوں کی تقسیم، انہیں اپنے تعمیری یا مناسب سمجھیں تو انگریزی وغیرہ پڑھانے میں استعمال کریں، اڑوس پڑوس کے لوگوں سے کھچاؤ، تناؤ کی فضاء نہ ہو، ان سے کٹ کر جزیرہ بن کر نہ رہیں، انسانیت کی بنیاد پر جو خدمت کی جا سکتی ہو کریں، اس نیت سے کہ یہ مادی تعاون شاید انہیں اسلام کی دولت سے قریب کرے گا۔

یوم والدین

نظام تعلیم کے تین پائے اور تین ارکان ہیں، استاذ، طالب علم اور والدین، ان میں فکر کی یکسانیت، طالبانہ رنگ، دینداری کا شوق، اپنی متعلقہ ذمہ داریوں کا احساس ہو تو کام نتیجہ خیز ہوتا ہے، ورنہ صرف اگر استاذ فکر مند مگر طالب علم اور والدین تعاون نہ کریں یا والدین اور استاذ تو محنت کریں مگر طالب علم لاپرواہ، بے حس قسم کا ہو ابھی تک اس نے پڑھنے کا ارادہ ہی نہیں کیا، یا استاذ اور طالب علم تو علم دین اور عمل پر پُرعزم ہوں؛ مگر والدین ناجائز تقاریب، گھریلو بے دین ماحول، غیر شرعی لباس، نامحرموں سے بے تکلفی، حرام سے احتیاط نہ کرتے ہوں، اور بچہ کو اپنے حافظانہ وقار، عالمانہ آداب پر جمنے میں حوصلہ شکنی کرتے ہوں، تو ظاہر ہے کہ یہ طالب علم خادم دین نہیں بن سکتا۔

آئے دین ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹا حافظ یا عالم بن چکا، مگر والدین اذکارِ نماز نہیں جانتے، وہ احکام اسلام کے اسرار ورموز، اور فقہ، حدیث وتفسیر پڑھ لیتا ہے، مگر افراد خاندان مبادیات اسلام سے واقف نہیں ہوتے، عالم وحافظ کی صحیح قدر، دنیوی اخروی مقام، طرزِ

زندگی، ذریعہ معاش سے واقف نہیں ہوتے، پھر آئندہ میدانِ عمل کا انتخاب، لڑکی کی پسند بھی اسی رواجی زندگی کے مطابق کرلی جاتی ہے، اس سے وہی امید وامنگیں وابستہ کرتے ہیں جو اہل دنیا اپنے ڈگری یافتہ اولاد سے کرتے ہیں، ایسی مصروفیات میں اسے الجھا دیا جاتا ہے جس سے وہ خدمتِ دین سے کوسوں دور ہی نہیں فرائض اور اسلامی لباس کو بھی وہ چھوڑ دیتا ہے بجائے وہ خاندان پر اثر انداز ہونے کے بے دین خاندان کے مطالبات واحکامات کے پورا کرنے میں اپنی پونجی لٹا دیتا ہے۔

"یوم والدین" ان بعض مضرات سے بچنے کے لئے پیش بندی کے لئے ہے، نظامِ عالم بالغوں کے عمل سے چلتا ہے، نہ کہ نابالغوں کے، اپنی آخرت بتانے کے لئے، خود علم دین حاصل کرنا ہے، آئندہ زندگی کے مسائل میں اساتذۂ مدرسہ سے ربط وتعلق رکھنے کی ضرورت سمجھائی جاتی ہے، اپنا مال فضول رسموں پر لگانے کے بجائے مدرسہ کی فیس، اور بچہ کی علمی ضروریات پر لگانے کے لئے فوائد سمجھائے جائیں، انہیں پتہ ہو کہ بچہ کیا پا رہا ہے، اکابر کا بچپن، ان کا اندازِ پرورش کیسا تھا، ان کے سرپرستوں اور والدین کی زندگیاں کیسی تھیں، طالب علم کی کسی خاص علمی، عملی کمزوریوں کے ختم کرنے میں ان سے مدد حاصل کی جاتی، سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ اس طرح والدین سرپرستوں کو بلانا یا صرف والدین کو بلانا بہت مفید معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے بھی ایسا کیا ہے۔

نظام تربیت

طلبہ کی تعلیم وتربیت ہر استاذ کا اہم فریضہ ہے، تعلیم وتربیت میں اہم ترین فریضہ تربیت ہے، لہٰذا اس کی طرف تعلیم سے زیادہ توجہ دینی ہے، اس لئے کہ آج کل صرف تعلیم طلبہ میں اخلاق پیدا کرنے سے قاصر ہے۔

☆ تربیت کی بنیاد تین باتوں پر ہے:

(۱) استاذ خود اپنے آپ کو ایک نمونہ بنا کر پیش کرے۔

(۲) استاذ ہر بچہ کی چھوٹی سی چھوٹی خامی پر حکمت کے ساتھ روک ٹوک کرتا ہو۔

(۳) اور ہر چھوٹی سی چھوٹی خوبی کو سراہتا ہو اور تعریفی کلمات کے ذریعہ طلبہ کی ہمت افزائی کرتا ہو۔

☆ تربیت کے لئے ہر مدرسہ واسکول میں عمومی طور پر ہر ایک استاذ مربی کے عہدے پر ہونا بہتر ہے۔

☆ ہر درجہ کے کلاس ٹیچر کو اس درجہ کا مربی قرار دے کر اپنے درجہ کی تربیت اس کے ذمہ کردی جائے؛ تاکہ کبھی کبھی بچوں کو دس پندرہ منٹ کے لئے پاس بلا کر ان کو نصیحت اور ان کی تربیت کی جاسکے۔

☆ کبھی کبھی کوئی استاذ اجتماعی طور پر طلبہ کا جائزہ لے مثلاً آج صبح اٹھنے کی دعا کس نے پڑھی، آج کپڑا پہننے کی دعا، وضو کے دوران وبعد کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کی دعا، اعتکاف کی نیت، قرآن مجید کی تلاوت، سورہ یس، ملک؟ اس کا جائزہ لیتے رہنا

بھی تربیت کے لئے بہت مفید ہے۔

☆ تربیت کے موقع پر بچوں سے جو بات کہی جائے وہ مع دلیل کہی جائے۔

☆ بچوں کی تربیت کے لئے بہتر یہ ہے کہ اساتذہ ''تبلیغ دین'' ریاض الصالحین، زادسفر، کے ایک ایک باب کا خلاصہ پیش کریں طلبہ کے سامنے۔

☆ تربیت میں سب سے پہلے اساتذہ کا کسی بزرگ سے تربیت لینا ضروری ہے؛ اس لئے کہ جب آدمی خود تربیت حاصل نہ کیا ہو وہ دوسرے کی تربیت کیسے کرے گا؟

☆ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت کس طرح کی ہے اسی انداز کو اختیار کرنے کی فکر کرے۔

☆ طلبہ اکثر کپڑے، برتن وغیرہ گندے رکھتے ہیں، دھوکر نہیں رکھتے، نگران اس بات کی تاکید کرے کہ کسی بچے کے پاس کوئی کپڑا گندہ نہ ہو۔

☆ چادر، بستر، تکیہ کے غلاف کو ہر ہفتہ یا ہر مہینہ دھونے کی فکر کرے۔

☆ کبھی کبھی کپڑے حمام میں پڑے سڑتے رہتے ہیں، اس کے مالک طالب علم کا پتہ تک نہیں چلتا، لہذا نگراں روزانہ حمام کا چکر لگاتا رہے۔

☆ کھیل کے لئے الگ سے رنگین کپڑے رکھنا بہتر ہے۔

☆ عام طور پر سال کے شروع میں بچہ چار چھ جوڑے کپڑے لے کر آتا ہے پھر گھر جاتے وقت اس کے پاس بدن کے کپڑے کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں ہوتا؛ لہذا کپڑوں کی نگرانی کرتے رہیں۔

☆ طلبہ کو ضروری کپڑوں کے علاوہ اپنے تمام کپڑے اپنے صندوق میں رکھنے کی تاکید کریں۔

☆ طلبہ اور اساتذہ کے لے مہینہ میں ایک بار چوبیس گھنٹہ کے لئے کم از کم جمعرات کی ظہر سے جمعہ کی صبح تک کے لئے اور سال میں چلہ یا کم از کم عشرہ کے لئے جماعت میں نکلنا انتہائی ضروری ہے۔

☆ بچوں سے سنتوں کا اہتمام کروائے اوران سے عملی مشق کروائے۔

☆ طلبہ سے کوئی نہ کوئی جرم اور غلطی سرزد ہوتی رہتی ہے؛ لہٰذا طلبہ کو انفرادی یا اجتماعی طور پر تنبیہ کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔

☆ بروقت تنبیہ سے بہت فائدہ ہوتا ہے، مثلاً کسی طالب علم نے نماز پڑھائی یا اذان واقامت کہی اوراس میں غلطی ہو تو نماز کے بعد محبت کے ساتھ وضاحت کرے۔

☆ کبھی کبھی بچوں کو لے کر ڈاک خانہ، ریلوے اسٹیشن، پولیس اسٹیشن یا کسی آفس میں ساتھ لے جا کر وہاں کی معلومات فراہم کرے۔

☆ اگر کسی مکتب یا اسکول میں تعلیم کے دوران یا آخر میں نماز کا وقت آجائے تو تمام طلبہ کے لئے یا اسکول میں تعلیم کے دوران یا آخر میں نماز کا وقت آجائے تو تمام طلبہ کے لئے باجماعت اور طالبات کے لئے انفرادی یا اجتماعی نماز کا نظم ہونا ضروری ہے؛ تاکہ وہ نماز پڑھ کر گھر جائیں۔

☆ طلبہ کی تربیت صرف وعظ وتقریر کے ذریعہ نہ ہو؛ بلکہ عملی مشق کے ذریعہ ہو۔

☆ تمام طلبہ سے اذان، اقامت، تقریر اور بالغ طلبہ سے امامت کرائی جائے۔

☆ بچوں کو اخلاقی کہانیوں اور نظموں کا بہت شوق ہوتا ہے: لہٰذا بچوں کے پاس نظموں اور اشعار کی کاپی ہونی چاہئے۔

☆ اساتذہ میں جس کی آواز اچھی ہو وہ طلبہ کو ضرور سکھائے نظمیں نعتیں، تقریر وغیرہ۔

☆ طلبہ دار الاقامہ میں مستقل نگراں ومربی کے ساتھ رہتے ہیں، درجہ میں طلبہ اپنے استاذ کے سلوک کو دیکھتے ہیں اور غیر شعوری طور پر استاذ ومربی کے عادات واطوار، زبان لہجہ اوراس کی تمام اچھائیاں اور برائیوں کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں؛ اس لئے کہ ہر انسان میں تقلید کا مادہ ہے، لہٰذا استاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے افعال وکردار، اپنی سیرت وصورت اپنے لباس، چال، ڈھال اوراپنی آواز کو مثالی اور سنت کے مطابق بنائے۔

☆ سال میں ایک سب سے بااخلاق طالب علم کومثالی طالب علم قرار دیا جائے۔

☆ ہر بچہ کواپنے نام کے معنی اوراپنی تاریخ پیدائش معلوم ہونی چاہئے۔

☆ طلبہ کے قلم اکثر گم ہوتے رہتے ھیں؛ لہٰذا چھوٹے سے پرچے پر نام لکھ کر قلم کے اندر رکھ دینے سے قلم کی حفاظت ہوتی ہے۔

☆ داخلہ کے موقع پراورسال کی ابتداء میں طلبہ کی اخلاقی باتوں پر کڑی نظر ہونی چاہئے۔

☆ سال کے شروع میں جب تک تعلیم شروع نہ ہومختلف اساتذہ کے ذریعہ طلبہ کی خوب تربیت کی جائے، دعائیں، حدیثیں، نماز، عبادات کی مشق اور پورے مدرسے کی مکمل صفائی کروالی جائے۔

☆ چھٹی سے پہلے اس بات کا بار بار عہد لیا جائے کہ وہ وقت پر آئیں گے۔

☆ ضرورت پڑنے پر بڑی تعطیلات کے بعد ایک دن پہلے شام تک حاضر ہونے پر سو روپیہ، پہلے دن شام تک حاضری پر پچاس روپیہ اور دوسرے دن شام تک حاضری ہونے والوں کو پچیس روپیہ انعام مقرر کیا جائے، جلسہ کر کے نقد انعام دیا جائے۔ مناسب ہوتو دیر سے آنے والوں سے جرمانہ لیا جائے، اساتذہ کی تاخیر سے آنے کا علاج یہ ہے کہ پہلے دن کی حاضری لازمی کر دی جائے، طلبہ کی طرح ان کو بھی انعام دیا جائے، اور بلا رخصت دیر سے حاضری پر تنخواہ کاٹ لی جائے؛ بلکہ تاخیر سے آنے والے پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ عائد کیا جائے۔

☆ سال کے شروع میں مدرسہ کے قوانین وضوابط نوٹس بورڈ پر لکھ کر لگادیں مثلاً طلبہ اپنے سامان کی خود حفاظت کریں، صندوق کو تالا لگا کر رکھیں، کوئی طالب علم اپنے پاس دس روپیہ سے زیادہ نہ رکھے، بلکہ فلاں استاذ کے پاس جمع کرے اور روزانہ عصر کے بعد پانچ تا چھ بجے تک اپنی رقم نکال سکتے ہیں، طالب علم کو تمام چیزیں داخلہ کے موقع پر دلادیں مثلاً کتابیں، کاپیاں، قلم، بستہ، کورے کاغذ، اس کی جیب خرچ کے لئے رقم اور گھر واپسی کا سفر کا کرایہ دفتر میں جمع کردیں، تاکہ آئندہ شکایت کا موقع نہ ملے۔

☆ سوتے ہوئے طلبہ کو اٹھاتے وقت مار کر نہ اٹھائیں؛ بلکہ پیار و محبت سے بیٹا کہہ کر جگائیں اور صبح نیند سے بیدار ہوتے ہی فوراً بستر چھوڑنے پر مجبور نہ کریں، اس کے لئے ان کو پانچ تا دس منٹ کا وقفہ دینا چاہئے۔

☆ طلبہ وطالبات کے لباس پر خاص توجہ دے، طلبہ وطالبات شرعی لباس پہنیں، لڑکوں کے پاجامہ ٹخنے سے تین انچ اونچے ہوں، آستین گٹہ تک ہو، اس کے آگے نہ ہو، لڑکیاں پاجامہ پہنیں، اور فل آستین کا لباس پہنیں، جو ٹخنہ سے نیچے تک ہو، طالبات کو اسکارف کا عادی بنائے، بڑی اور بالغ لڑکیاں برقع پہنیں، اس کا اوپری حصہ اتنا لمبا ہو کہ اس میں ہاتھ چھپ جائے۔

☆ طلبہ کو نماز تکبیر اولی کے ساتھ اور طالبات کو اول وقت پڑھنے کی فکر دلائے۔

☆ طلبہ کو اپنے ساتھیوں کو پڑھانے اور فارغ ہونے کے بعد استاذ بننے کی ترغیب دیتا رہے۔

☆ بال، ناخن، غسل اور کپڑوں کی صفائی پر خاص توجہ دے، استاذ کے پاس ناخن تراش ہو تا کہ اگر کسی بچے کے ناخن بڑے نظر آئیں تو فوراً کٹوادے، اگر کسی طالب علم کے ناخن بڑے ہوں تو ناخن کاٹنے سے پہلے اس کا سبق نہ سنے، تمام بری عادات سے بچوں کو بچاتا رہے، مثلاً گھٹکھا، پان، سپاری، بیڑی، سگریٹ، لواطت، استمناء بالید وغیرہ۔

☆ اچھی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دے اور رہنمائی کرے اور غلط ناولوں اور فحش لٹریچر سے طلبہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

☆ خود سلام میں پہل کرے، بچوں کو سلام کا عادی بنائے، بچوں کو ظلم و تعدی، مار پیٹ سے بچائے، غلطی کرنے پر معافی مانگنے کا عادی بنائے، دوسروں کو معاف کرنا سکھائے، دوسروں کی خامیوں کے پیچھے پڑنے کے بجائے دوسروں کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور اسے اپنانا سکھائے، اچھی باتوں کو قبول کرنے کی عادت ڈالے۔

☆ طلبہ کو تقریر، خطبہ نکاح مع ایجاب وقبول اور طلبہ وطالبات کو مرغی، گائے بیل وغیرہ

ذبح کرنے کی مشق کرائے۔تاکہ ذبیحہ مطابق سنت ہو۔

☆ عموماً چھوٹے طلبہ بہت زور سے بہت جلد تقریر کرتے ہیں، ان کو ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے تقریر کرنا سکھائیں۔

☆ طلباء کو مسنون دعاؤں کا عادی بنائیں، بری صحبت سے اور اپنے سے بڑی عمر کے بچوں کے ساتھ دوستی کرنے سے محفوظ رکھیں۔

☆ بڑے طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے کرایہ دے کر اطراف کے دیہاتوں میں نماز جمعہ اور تقریر کے لئے روانہ کرتے رہیں، اس سے مدرسہ کا تعارف ہوگا اور طلبہ تقریر کرنے کے عادی بنیں گے۔

☆ تمام طلبہ واساتذہ فجر کے بعد سورہ یٰس اور مغرب کے بعد سورہ ملک اور سورہ واقعہ کا معمول بنائیں۔

☆ طلبہ اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ کر تحیۃ المسجد وتحیہ الوضوء پڑھ کر تلاوت کا معمول بنائیں، اور جماعت سے پانچ منٹ پہلے سنتیں ایک ساتھ پڑھنے کا معمول بنائیں۔

☆ طلبہ کو اساتذہ کی نگرانی میں تکرار اور یاد کرنے میں رات گذارنا چاہئے، اس میں ایک گھنٹہ تلاوت میں صرف کریں اور امتحان کے زمانہ میں دس یا گیارہ گھنٹے اور تمام دنوں میں بھی اختیاری طور پر طلبہ دس یا گیارہ گھنٹے پڑھ سکتے ہیں۔

☆ درجہ حفظ کے طلبہ کو سال میں ایک ماہ اور دارالاقامہ کے بقیہ تمام طلبہ کو سال میں دو ماہ اور ہفتہ میں ایک دن چھٹی ہونی چاہئے، مکاتب قرآنیہ، شبینہ وصباحی مکاتب میں عیدین اور جمعہ کے علاوہ کبھی چھٹی نہیں ہونی چاہئے۔

☆ جس مدرسے میں بڑے طلبہ رہتے ہوں، وہاں جداری پرچے نکالنا بہت مفید اور ضروری ہے، جس کا ایک مدیر ہو اور طلبہ اساتذہ کی نگرانی میں مضامین لکھیں، ہر درجہ والے مل کر اپنا آٹھ یا چھ یا چار صفحہ کا جداری پرچہ نکالنا چاہئے۔

☆ طلبہ کے دلوں میں مدرسہ کی عظمت اور اس کی ایک ایک چیز کی محبت بٹھادے؛ تاکہ

توڑ پھوڑ سے مدرسہ کی کسی چیز کو ضائع نہ کرے۔(۱)

☆ طلبہ کی شرعی وضع قطع، شرعی لباس، نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام، صاف ستھرے رہنے اور اپنے بستر اور کمرہ کو صاف رکھنے کی طرف سخت توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔

☆ سپروائزر کے علاوہ مہتمم اور استاذ جس وقت بھی ان امور میں کوتاہی دیکھے اس پر تنبیہ کرنا اپنا فریضہ سمجھیں۔

☆ خلاف ورزی پر تنبیہ کی جائے اس سلسلہ میں بہترین طریقہ: فجر اور عصر بعد اور جمعہ سے پہلے اس سلسلہ میں کوتاہی کرنے والے طلبہ کو اسی موضوع پر تقریر کرنا ضروری قرار دیا جائے، وہ باری باری انہیں عناوین پر بیان کریں، خود جب بیان کریں گے تو خلاف کرنے پر جراءت نہ ہوگی۔

☆ رات کو مطالعہ، تکرار، سونے اٹھنے، قیلولہ وغیرہ کا نیز فجر بعد تلاوت، عصر کے بعد تعلیم یا دعاؤں کا ورد پابندی سے ہونا چاہئے۔

☆ طلبہ کے اولیاء کو نتائج سے مطلع کرنے کا نظام کیا جائے۔

☆ دارالاقامہ میں چھوٹے اور بڑے بچوں کو الگ الگ کمروں میں رکھا جائے۔(۲)

بعض امور تربیت

☆ اس بچہ کو یہ عادت ڈالے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کا اقرار کرلیا کرے... اور اگر وہ غلطی متعدی ہو تو صاحب حق سے معاف کرایا کرے، اس کی عادت ڈالنا بہت سخت ضروری ہے کہ اس میں اسکے دین کی سلامتی اور اس دنیا میں موجب عزت وراحت ہے اور اس میں پس وپیش کرنا تکبر اور ہمیشہ کے لئے موجبِ نفرت وذلت ہے۔

☆ اس کی بھی عادت ڈالے کہ سخن پروری کبھی نہ کرے، حق واضح ہوجانے کے بعد گو اپنے سے کم تر درجہ کا آدمی اس پر مطلع کرے فوراً اس کا اتباع کرے اور ہر امر میں

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک: ۱/ ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰

(۲) مدارس دینیہ کے لئے۔۔۔ ۲۱، مولانا ذوالفقار احمد صاحب

اس کوتواضع وخاکساری کی عادت ڈالے۔

☆ ہنسی، دل لگی کی عادت اس میں نہ پیدا ہونے دے کہ اس سے بیبا کی کا مادہ پیدا ہوگا۔

☆ اس کا اہتمام رکھیں کہ بچوں میں دوستی نہ پیدا ہونے پائے کہ اس کے مفاسد بے شمار ہیں۔

☆ اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو، زبان سے چال سے، برتاؤ سے شیخی نہ بگھارنے پاوے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب وقلم ودوات تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

☆ (یہ بات ذہن میں جمادیں) تہذیب کی بات یہ ہے کہ جو کام خود کر سکے اس کی فرمائش دوسرے سے نہ کرے، بس ایسے کام کو دوسرے سے کہے جو بغیر اس کے ممکن ہی نہ ہو اور وہ بھی بشرط اپنی ضرورت اور اس کی سہولت ہو۔(۱)

☆ ''طلبہ میں'' جس کے اخلاق خراب ہوں اول اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے، بات بات پر اس کو ٹوکا جائے، اگر اصلاح کی امید نہ رہے تو مدرسے سے علاحدہ کیا جائے۔

☆ طلبہ کے تمام افعال کی نگہداشت کرو، لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو، ان کو اہل علم کے لباس کی ہدایت کرو، ورنہ مدرسے سے الگ کرو، صاف کہدو کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں کی سی صورت بناؤ، ورنہ رخصت ہوجاؤ۔

☆ اہلِ مدارس دینیہ تو سادہ ہی وضع میں رہیں، یہی ان کی خوبی ہے، ان کی رفتار سے، گفتار سے، نشست سے، برخاست سے، ان کے لباس سے اسلامی شان کی جھلک معلوم ہوتی ہو۔

☆ جس کو اپنی بات کی پچ کرنے کا مرض ہو وہ ہرگز پڑھانے کے قابل نہیں۔

☆ طلبہ کے لئے اخبار بینی سم قاتل ہے، اخبار دیکھنے والوں کو تو مدرسہ سے نکال دیتا ہوں۔

☆ میں ایسے شخص کو مدرسے میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو ایذاء پہنچے۔

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح؟ ۳۸، ۳۹

☆ طالب علم کے لئے میل جول ''غیر ضروری فضول خلط ملط'' اور تعلقات ''سم قاتل'' اور ''مہلک زہر'' ہے۔

☆ ہم تو علوم درسیہ مروجہ مدارس عربیہ کو بھی جب کہ وہ صرف الفاظ کے درجہ میں ہوں اور عمل کے ساتھ نہ ہوں علم نہیں کہتے۔

☆ بہت سی کتابیں پڑھ لینے'' پڑھا لینے'' کا نام دین نہیں ہے، دین میں اصلاح عادات بھی داخل ہے اسی کو تہذیب کہتے ہیں، افعال، حرکات، وسکنات، معاملات، بول چال سب کا نگراں رہنا چاہئے، اعمال کی اصلاح اخلاق کی اصلاح فرض ہے۔

☆ بعض کہتے ہیں کہ لکھ پڑھ کر سب درست ہو جائیں گے، (اس لئے زمانہ طالب علمی میں اصلاح ودرستی کی فکر کی ضرورت نہیں) اے نادانو! اس وقت تو اور بگڑ جائیں گے (چونکہ مخلی بالطبع اور آزاد رہو گے) اس وقت (طالبعلمی میں) تو دوسروں کے ماتحت ہیں جب ابھی ٹھیک نہ ہوئے تو آئندہ مختار ہو کر کیا امید ہو سکتی ہے، اس وقت تو کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے گا کہ مولانا آپ سے یہ کوتاہی ہوئی یا آپ نے مسئلہ کے خلاف کیا، درست ہونے کا تو یہ (طالب علمی کا) اسی وقت ہے۔

☆ تربیت سے قطع نظر کرنے کی اور ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں، یہ کوتاہی ہے کہ بعض لوگ تعلیم کو تو ضروری سمجھتے ہیں؛ مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے، حالانکہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی ''زیادہ اور'' اہم ہے.... **مطلق** تعلیم سے اس لئے کہ مقصود تعلیم سے تربیت ہی ہوتی ہے، کیوں کہ تعلیم علم دینا ہے اور تربیت عمل کرانا ہے اور علم سے مقصود عمل ہی ہے اور مقصود کا اہم ہونا ظاہر ہے....۔

اساتذہ کے ذمہ کچھ تربیتی کام

☆ ہر طالب علم کو سورہ یاسین اور سورہ ملک حفظ کرائیں۔

☆ ہر ایک کا تلفظ اردو زبان میں صحیح ہو۔

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح: ۴۶، ۴۷، ۴۸

☆ کم ازکم ہرآدمی پرآدھے پارے کی تلاوت لازم سمجھیں۔

☆ ہرآدمی کے اندر اللہ تعالی نے اتنی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ معلم بن سکتا ہے، لہٰذا کوشش کرے۔

☆ طلبہ سے محبت سے پیش آئے۔

☆ اصول زریں، حضور ﷺ کا طریقہ تعلیم وتربیت اور مثالی استاذ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ رکھیں۔

☆ ہمارے ہر کمرے میں بورڈ ہو اور بورڈ ہمیشہ لکھا ہوا ہونا چاہئے، گھر ہی کیوں نہ، وہاں بھی بورڈ ہو اور نماز کے اوقات کا بھی بورڈ ہو۔

☆ اساتذہ مہتمم صاحب کو اچھی رائے ضرور دیں۔

☆ مہتمم صاحب کو یہ حق ہے وہ استاذ کو ٹوکیں اور ٹوکنے والے کو برا نہ سمجھا جائے، اگر استاذ کو نہ ٹوکیں اور برائی کو ہوتا ہوا دیکھتے رہیں اور عین وقت میں پھر استاذ کو نکال دیں تو یہ ظلم ہے۔

☆ جس عمر کے طلباء ہوں ان کو ان کے مطابق ہدایات دیں۔

☆ کوئی استاذ کسی طالب کو تنہائی میں سزا دے تو بہتر اور محتاط یہ ہے کہ کسی دوسرے استاذ کو گواہ رکھ لے۔

☆ چھوٹے طلباء کو یہ سمجھا دیں کہ وہ بڑے طلبہ کے ساتھ نہ رہیں۔(۱)

مربی کی تربیت

☆ سب سے پہلے نگراں ومربی کی تربیت کا باقاعدہ نظام بنایا جائے؛ کیوں کہ ذاتی زندگی کے کسی معاملہ میں ناتجربہ کار افراد پر بھروسہ نہیں کیا جاتا، نوآموز ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنا پسند نہیں کیا جاتا، ناتجربہ کار درزی کا سلا ہوا، کپڑا پسند نہیں کیا جاتا، مگر ایک نسل کی تربیت کے لئے ناتجربہ کار مربی یا اتالیق کے حوالہ کردیا جائے، یہ بالکل مناسب نہیں!(۲)

۱) استاذ کے لئے ضروری ہے کہ خود پاک وصاف رہے؛ تاکہ طلبہ میں نظافت وصفائی

(۱) معین المدارس، مفتی شاکر خان: ۱۵۴ (۲) معاصر دینی تعلیم مشکلات واحوال: ۱۰۶

پیدا ہو؛ مگر اس سے تکلف وتصنع مراد نہیں۔

۲) تمام دین کی اور خصوصا نماز ودیگر فرائض کی سخت تاکید رکھے۔

۳) طلبہ میں یہ بات پیدا کرے کہ حق بات مان لیں، ہٹ دھرمی نہ کریں۔

۴) خلاف حیا کام طلبہ کے سامنے نہ کریں اور نہ زبان سے اس کے سامنے خلاف حیا کلام نکالے۔

۵) اخلاق رذیلہ وجمیلہ کے امثال قرآن وحدیث سے چھوٹے چھوٹے جملہ کر کے لیں اور اس میں معرب مبنی اعراب عامل وغیرہ معلوم کرنے کی مشق کرادیں، تاکہ قواعد کی بھی مشق ہوجائے اور ادب بھی آجائے اور حدیث کا علم بھی حاصل ہوجائے اور حدیث ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔(۱)

۱) مشاہدہ ہے کہ اگر کتابی علم کامل اور تربیت نہ ہوتو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے۔

۲) علم بدوں تربیت مُورث عیاری ہے۔

۳) نرے پڑھنے اور پڑھانے سے کیا ہوتا ہے۔

۴) نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا ہے۔

۵) درخت خودرو کہیں ٹھیک نہیں ہوتا، ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ رہتا ہے، جب تک اسے باغباں درست نہ کرے، کاٹ چھانٹ نہ کرے، قلم نہ لگاوے، ایسے ہی وہ شخص جو محض کتابوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھ بیٹھے اس کی مثال بعینہ درخت خودرو کی سی ہے، جب تک اسے کوئی مربی درست نہ کرے تب تک ٹھیک نہیں ہوتا؛ بلکہ بددین اور بدعقائد یا بداخلاق ہوجاتا ہے۔

اساتذہ کی خدمت میں چند تربیتی امور

۱- نمازوں کی پابندی کریں۔

۲- مدرسہ کے ذمہ دار کا حکم بلا چوں وچرا قبول کریں۔

---

(۱) تعلیم وتعلیم اور دعوت کے اسلامی اصول وآداب: ۱۱۶، عظیم بکڈپو، دیوبند

٣- ٢٤ گھنٹے مدرسہ کے لئے فارغ کریں۔

٤- تدریس کے علاوہ نگرانی وغیرہ جیسے کام میں خندہ پیشانی سے تعاون کریں۔

٥- اپنی غیر تدریسی ذمہ داری (نگرانی وغیرہ) کی فکر کریں، غیر تدریسی ذمہ داری کی تنخواہ چونکہ علاحدہ ملتی ہے۔

٦- تعطیلات کے بعد بروقت حاضر ہوں ورنہ ایک دن کی تاخیر پر دو دن کی غیر حاضری شمار کی جائے گی۔

٧- شرعی لباس پہنیں۔

٨- صرف ذمہ داروں سے تعلق رکھیں۔

٩- اپنے کام سے کام رکھیں۔

١٠- بال شرعی رکھیں۔

١١- داڑھی کم از کم ایک مشت رکھیں۔

١٢- دوسروں کی تنخواہ سے قطع نظر صرف اپنی تنخواہ جو کفایت کرے وہ طئے کرے۔

١٣- طلبہ کی صرف تعلیم نہیں؛ بلکہ تربیت کی بھی ہر ممکن کوشش کریں، کیوں کہ پوری تنخواہ تعلیم وتربیت کی ہے، تربیت کی کمی پر بڑی رقم کٹ سکتی ہے۔

١٤- مدرسہ سے نکلنے والی ماہانہ جماعتوں میں نکلیں۔

١٥- رمضان کی چھٹیوں میں آپ کے ذمہ مدرسہ کا چندہ کرنا نہ ہوگا؛ لہٰذا چلہ کی جماعتوں میں نکلیں۔

١٥- اپنی شادی یا گھر کی کوئی شادی وغیرہ تعطیلات ہی میں رکھیں۔

١٦- مقدار خواندگی جو بھی طئے ہو پوری کریں۔

١٧- نورانی قاعدہ سیکھیں

١٨- عصبیت وعلاقائیت اور رنگ ونسل کے تمام امتیازات سے پاک ہو کر رہیں۔

١٩- سیاسی وسماجی واسلامی ونیم اسلامی ونیم سیاسی تحریکوں سے قولاً وعملاً ہر اعتبار سے لاتعلق ہوں۔

قابل احتیاط امور

☆ طلباء سے جسمانی خدمت نہ لیں۔

☆ طلبہ کی چیزیں استعمال نہ کریں

☆ طلبہ کو بے تحاشا نہ ماریں

☆ طلبہ کے سامنے کسی استاذ کی برائی نہ کریں

☆ کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار نہ کریں

☆ کف والے آستین اور بڑے کالر والے کرتے نہ پہنیں، نیز شلوار قمیص پہنیں، پینٹ بالکل نہ پہنیں۔

☆ کسی کی رفع ونزول میں دلچسپی نہ لیں۔

☆ تعطیلات کے علاوہ بلاضرورت چھٹی نہ لیں۔

☆ مدرسہ کی کسی چیز یا اساتذہ یا ذمہ داروں پر نکتہ چینی نہ کریں۔

☆ تعویذ گنڈے کا کاروبار نہ کریں۔

☆ گانے، موسیقی، ناول، فلمی رسائل، بیڑی، سگریٹ، تمباکو وغیرہ سے پرہیز کریں۔

☆ کوئی امر خلاف شریعت یا نامناسب دیکھ کر اصلاح کا صحیح طرز اختیار کرنا ہوگا، برملا بھونڈے انداز میں روک ٹوک کرنے کی بالکل اجازت نہ ہوگی۔(۱)

بے ریش لڑکوں کی صحبت سے احتیاط

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

”لا تجالسوا أبناء الملوک؛ فإن الأنفس تشتاق إلیھم ما لا تشتاق إلی الجواری العواتق“(۲)

ترجمہ: تم شہزادوں اور (امیرزادوں) کے پاس نہ بیٹھا کرو، کیوں کہ

---

(۱) معین المدارس، ۱۵۵

(۲) تلبیس ابلیس، ذکر تلبیس ابلیس علی کثیر من الصوفیۃ فی صحبۃ الأحداث: ۱/ ۲۴۴، دارالفکر، بیروت۔

نفس ان کے دیکھنے کی اتنی خواہش رکھتے ہیں کہ اتنی خوبصورت لونڈیوں کے دیکھنے کی بھی نہیں رکھتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يحد الرجل النظر إلى الغلام الأمرد (١)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ انسان کسی بے ریش لڑکے کی طرف بغور نگاہ ڈالے۔

☆ حضرت حسن بن ذکوان فرماتے ہیں کہ تم امیروں کی اولاد کے ساتھ مت بیٹھا کرو ان کی اولاد کی شکلیں عورتوں کی شکلوں کی طرح خوبصورت ہوتی ہیں، یہ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں (کیوں کہ ان کے پاس بیٹھنے) کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے، اس لئے گناہ میں مبتلا ہونے کے خطرات زیادہ ہیں۔

☆ امام احمد بن صالح کی مجلس درس میں کوئی بے ریش لڑکا داخل نہیں ہوسکتا تھا، جب امام ابوداؤد سجستانی اپنا بیٹا ان کے پاس لے گئے تا کہ وہ ان سے حدیث سماعت کرے تو وہ ابھی بے ریش تھے تو حضرت امام احمد بن صالح نے امام ابوداؤد کے سامنے ان کے بیٹے کو اپنی مجلس میں بٹھانے سے انکار کردیا۔

لیکن یہ کہنے پر مجلس میں بٹھایا کہ یہ باریش لڑکوں سے زیادہ حافظ حدیث ہے، (یہ بے ریش لڑکوں کو احادیث نہ سنانا خود کو بے ریش لڑکوں کے فتنہ سے بچانے کے لئے تھا)۔

☆ امام مالک رحمہ اللہ سماع حدیث کے لئے بے ریش لڑکوں کو اپنی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے تھے، ہشام بن عمارہ حیلہ کر کے لوگوں کے مجمع میں چھپ کر بیٹھ گئے اس وقت وہ بے ریش تھے، اور امام مالک سے سولہ حدیثیں سن لیں، امام مالک کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ان کو بلایا اور سولہ درے مارے، حضرت ہشام فرماتے

(١) السنن الكبرى للبيهقي، باب ما جاء في النظر إلى الغلام الأمرد بالشهوة، حديث: ١٣٥٦٧

ہیں کہ کاش کہ میں سو حدیثیں سنتا اور وہ مجھے سو درے مارتے۔

☆ حضرت امام یحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بے ریش نے میرے پاس آنے کی طمع نہیں کی اور نہ امام احمد بن حنبل کے سامنے راستے میں آنے کی طمع کی (یعنی یہ دونوں اکابر حدیث بھی بے ریش کو اپنی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے)۔

☆ حضرت شیخ فتح موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں ایسے تیس شیوخ کے پاس رہا ہو، جن کو ابدال (کے درجے کا ولی) کہا جاتا تھا، ان سب نے مجھے اپنے سے رخصت ہوتے وقت نصیحت کی کہ تم بے ریش لڑکوں کی صحبت وغیرہ سے بچتے رہنا۔(۱)

☆ بعض تابعین کا قول ہے کہ: "ما أنا أخوف علی الشاب الناسک من سبُعٍ ضار من الغلام الأمرد یقعد إلیہ" (حاشیہ تبیان: ۹۴) مجھے کسی چیر پھاڑ دینے والے پرندے سے اتنا خطرہ نہیں جتنا خطرہ کسی بے ریش نوجوان بچے سے ہے جو اس کے پاس (تخلیہ وغیرہ میں) بیٹھا ہو۔

☆ صاحب ملتقط کہتے ہیں کہ "جب بچہ بالغ ہو جائے اور صبیح و خوبصورت ہو تو اس کا حکم عورتوں جیسا ہے کہ وہ سر کی چوٹی سے لے کر قدم تک پورے کا پورا ستر اور محل پردہ ہے، لہٰذا شہوت کے ساتھ اس کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

☆ ابو عبد اللہ زرداد کو کسی نے خواب میں دیکھا اور ان سے حال پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، تو جواب دیا کہ دنیا میں میں نے جتنے بھی گناہ کئے، اور ان کا میں نے اقرار کر لیا تھا (اور انہیں گناہ سمجھا تھا) اللہ تعالیٰ نے وہ سب مجھے بخش دیئے، صرف ایک گناہ ایسا تھا جس کے اقرار کرنے سے میں نے دنیا میں شرم محسوس کی تھی (اور اسے کوئی خاص اہمیت نہ دی تھی) اس کی سزا میں مجھے پسینہ میں کھڑا فرمایا، جس کی وجہ سے میرے چہرے کا سارا گوشت گر گیا، خواب دیکھنے

---

(۱) عشق مجازی کی تباہ کاریاں: ۸۹۔ ۹۳، مولانا امداد اللہ انور، دار المعارف، ملتان

(۲) حاشیہ تبیان: ۹۴

والے نے پوچھا: وہ کون سا گناہ ہے؟ کہا: میں نے ایک مرتبہ ایک خوبصورت آدمی کی طرف نظر کی تھی۔(۱)

☆ حاشیہ ابن عابدین ۱/ ۲۷۳ میں ہے کہ ''حسن و جمال کی خوبیوں سے لطف اندوز ہونے اور چسکے لینے کی نیت سے بے ریش بچے کو دیکھنے کے حرام ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے البتہ لذت ومزے کی نیت کے بغیر دیکھنا بالاتفاق جائز ہے؛ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ دیکھنے والے کو اپنے متعلق کسی قسم کا فتنہ کا قطعی خطرہ نہ ہو (ورنہ بغیر شہوت کے بھی دیکھنا حرام ہے)۔

☆ تمام علماء کا صحیح اور پسندیدہ مذہب ہے کہ بغیر داڑھی والے خوبصورت بچے کو کسی تعلیمی ضرورت وغیرہ کے علاوہ دیکھنا حرام ہے، شہوت کے ساتھ ہو خواہ بغیر شہوت کے، فتنہ کا ڈر ہو خواہ نہ ہو، نظر کرنے والا نیک وصالح ہو خواہ غیر صالح، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ بے شمار علماء نے اس کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے، اور اس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''قُل لِّلۡمُؤۡمِنِينَ يَغُضُّوا مِنۡ أَبۡصَٰرِهِمۡ''(۲) آپ مسلمان مردوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

☆ تخلیہ: امردوں کے ساتھ تخلیہ، بدنظری سے بھی زیادہ سنگین وخطرناک ہے؛ کیوں کہ اس میں بدکاری واقع ہونے کا بہت زیاہ امکان ہے، تخلیہ کرنے والا صالح ہو خواہ غیر صالح، دونوں کا حکم برابر ہے۔(۳)

☆ مصافحہ: بے ریش بچے کے ساتھ شہوت کے ساتھ مصافحہ کرنا حرام ہے، کیوں کہ وہ فتنے کے لحاظ سے عورتوں سے زیادہ سخت تر ہے۔(۴)

---

(۱) تلبیس ابلیس لابن الجوزی، بحوالہ تبیان: ۹۵

(۲) النور: ۳۰

(۳) فتاوی نوویہ بحوالہ حاشیہ تبیان: ۹۳

(۴) حاشیہ تبیان: ۹۵۔ فضائل حفاظ القرآن: ۴۲۰

طلبہ کو یاد کرانے کے لئے پچاس گناہ کبیرہ

نیز ارشاد فرمایا کہ طلباء کو پچاس گناہوں کی فہرست بھی زبانی یاد کرائی جائیں:

۱) حقارت سے کسی پر ہنسنا۔

۲) طعن کرنا۔

۳) کسی کو برے لقب سے پکارنا۔

۴) بدگمانی کرنا۔

۵) کسی کا عیب تلاش کرنا۔

۶) غیبت کرنا۔

۷) کسی کو بلا وجہ برا بھلا کہنا۔

۸) چغلی کھانا۔

۸) تہمت لگانا۔

۹) دھوکہ دینا۔

۱۱) عار دلانا۔

۱۲) کسی کے نقصان پر خوش ہونا۔

۱۳) تکبر کرنا۔

۱۴) فخر کرنا۔

۱۵) ضرورت کے وقت باوجود قدرت کے مدد نہ کرنا۔

۱۶) کسی کے مال کا نقصان کرنا۔

۱۷) کسی کی آبرو کو صدمہ پہنچانا۔

۱۸) چھوٹوں پر رحم نہ کرنا۔

۱۹) بڑوں کی عزت نہ کرنا۔

۲۰) بھوکوں اور ننگوں کی حیثیت کے موافق مدد نہ کرنا۔

۲۱) کسی دنیاوی رنج سے نہ بولنا۔

۲۲) کسی جاندار کی تصویر بنانا۔

۲۳) کسی کی زمین پر موروثی کا دعوی کرنا۔

۲۴) کسی ہٹے کٹے کا بھیک مانگنا۔

۲۵) داڑھی منڈانا یا یکشمت سے کم کاٹنا۔

۲۶) کافروں اور فاسقوں کا لباس پہننا۔

۲۷) مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا۔

۲۸) عورتوں کو مردوں کا سا لباس پہننا۔

۲۹) بدکاری کرنا۔

۳۰) چوری کرنا۔

۳۱) ڈاکہ مارنا۔

۳۲) جھوٹی گواہی دینا۔

۳۳) یتیموں کا مال کھانا۔

۳۴) ماں باپ کی نافرمانی کرنا اوران کو دکھ دینا یعنی ستانا۔

۳۵) بے خطا جان کو قتل کرنا۔

۳۶) جھوٹی قسم کھانا۔

۳۷) رشوت لینا۔

۳۸) رشوت دینا۔

۳۹) رشوت کے معاملہ میں پڑنا۔

۴۰) شراب پینا۔

۴۱) جوا کھیلنا۔

۴۲) ظلم کرنا۔

۴۳) کسی کا مال بغیر پوچھے لے لینا۔

۴۴) سود لینا۔

۴۵) سود دینا۔

۴۶) سود لکھنا۔

۴۷) سود کا گواہ بننا۔

۴۸) جھوٹ بولنا۔

۴۹) امانت میں خیانت کرنا۔

۵۰) وعدہ خلافی کرنا۔(۱)

رات کی نگرانی

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ نے بار بار یہاں دینی مدارس میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ دار الاقامہ جہاں طلباء کی قیام گاہ ہو، وہاں ایک استاذ اور نگراں مقرر ہو جو رات کو دو اچانک معائنہ کرلے کہ طلبہ کس حالت میں ہیں، اس سے طلبہ پر خوف ہوگا اور آپس میں غلط میل جول سے محتاط رہیں گے، تعمیر دار الاقامہ میں بھی اس کا خیال رہے کہ طلبہ کی قیام گاہ کا استاذ معائنہ کرسکے، اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی رہائش کا الگ انتظام ہو، بڑے طلباء کا ان سے الگ انتظام ہو، نیز طلباء کے کمروں کی ایک ایک کنجی مہتمم کے پاس بھی ہوتا کہ جب ضرورت ہو اچانک ان کے کمروں کا معائنہ کیا جاسکے، اس سے ان کی صفائی اور آداب معاشرت کا امتحان کیا جاسکتا ہیں نیز کسی مہمان کو دکھانا ہے تو طلباء سے کنجی مانگنے کی زحمت نہ ہوگی اور مناسب یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کے لئے بڑے بڑے کمرے تعمیر ہوں اور ان کی اخلاقی نگرانی کا نہایت اہتمام کیا جائے اور کوئی استاذ ہرگز ہرگز کسی امرد کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، خلوت مع الامارد سے سخت احتیاط رکھے؛ کیوں کہ بہت آہستہ آہستہ اپنا اثر کرتا ہے اور جب پورا اثر ہوجاتا ہے پھر اس سے نجات بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔(۲)

(۱) مجالس ابرار، تحفہ مدارس: ۲/ ۱۳۴=۱۳۵ (۲) مجالس ابرار، تحفہ المدارس: ۲/ ۱۰۹، مدرس اور مدارس

تربیت طلبہ کا خاص اہتمام

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں حضرت والاقدس سرہ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کرام کی تربیت کا خاص اہتمام فرمایا تھا، اوراس کے لئے ایسے جامع اصول تجویز فرمائے تھے کہ تربیت خودبخودہورہی تھی۔

اولاتوطلبہ کے لئے چوبیس گھنٹہ کے معمولات اس طرح مقرر کئے جاتے تھے کہ طلبہ کا پورا وقت اس میں مشغول ہوجاتا تھا، کسی طالب علم کو اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ جس میں خرافات کی سوچ سکے، اورمعمولات میں بھی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا تھا، تمام معمولات تجویز فرما کر اس کا نقشہ بنا کر آویزاں کردیا جاتا تھااورطلباء کوہدایت کردی جاتی تھی کہ اس نقشہ کے مطابق اپنے اوقات عزیز کوگزاریں:

معمولات یومیہ طلباء کرام

بعدفجر:

۱) شرکت معمول مسجد۔

۲) روزانہ سورہ فاتحہ پڑھ کر پانی پردم کرکے پینا۔

۳) تفریح بطورمشی (چلنا)۔

۴) مسجد سے نکلنے پرسلام وسنن کی رعایت کرنا۔

۵) تلاوت اس کے بعدنمازاشراق۔

۶) اس کے بعدناشتہ۔

۷) مشغولی تعلیم بمدرسہ حسب نظام۔

۸) ختم تعلیم پرکھانا۔

۹) اس کے بعداستراحت اورمشغولی مطالعہ۔

۱۰) اذان کے بعدنمازظہر کی تیاری۔

۱۱) شرکت ختم خواجگان (حسب تجویز ناظم صاحب)۔

۱۲) مشغولی تعلیم بمدرسہ۔

۱۳) اذان کے بعد نماز عصر کی تیاری۔

۱۴) بعد عصر معمولات مسجد میں شرکت۔

۱۵) تفریح وتکمیل ضروریات۔

۱۶) نماز عصر کے پانچ منٹ بعد حاضری۔

۱۷) نماز مغرب۔

۱۸) بعد مغرب اوابین۔

۱۹) تعلیم میں ایک گھنٹہ مشغولی۔

۲۰) طعام سے فراغت۔

۲۱) عشاء کی اذان کے بعد نماز کی تیاری۔

۲۲) بعد عشاء سنن وقیام لیل۔

۲۳) تعلیم میں تقریباً ۴۵ یا ۶۰ منٹ مشغولی سنن نوم کے تذکرہ کے ساتھ

۲۴) تیاری نوم

۲۵) قبل اذان فجر بیداری۔(۱)

معمولات یومیہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طلباء کرام کا تمام وقت کس طرح مشغول کیا گیا ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا کس طرح خیال رکھا گیا ہے، کہ اس کے مطابق عمل کرنے سے طالب علم، طالب علمی ہی کے زمانہ سے سنن وآداب اور مستحبات نیز اشراق واوابین، قیام لیل (تہجد) اور ہمہ وقت کی سنتوں کا عادی ہوجائے گا، اور زمانہ طالب علمی ہی میں انضباط وقت کی عادت ہوجائے گی۔

بچوں کی خاص ترتیب

بچوں کی عمر کے اعتبار سے تقسیم کی جاتی ہے (۱) کبار (۲) متوسطین (۳) صغار اسی

(۱) حیات ابرار: ۱۴۲

اعتبار سے ان کی ترتیب قائم کی جاتی ہے۔

مثلا رہائش میں بھی اس کا لحاظ ہوتا اور بچوں کی عمر کے اعتبار سے ہی ان کو جگہ دی جاتی، مثلا ایک کمرہ میں کبار، ایک میں متوسطین، ایک میں صغار کا انتظام ہوتا اور ایک درجہ والوں کا دوسرے درجہ میں جانا یا ان سے ملنا جرم شمار ہوتا۔

اسی طرح درسگاہوں میں بھی ان کو عمر کے اعتبار سے ہی رکھا جاتا۔

کبار الگ، متوسطین الگ، صغار الگ، ہر ایک کی درسگاہ الگ ہوتی۔

نماز میں بھی اس کا لحاظ رکھا جاتا، صغار بالکل الگ اوپر کی منزل میں رکھا جاتا؛ تاکہ کبار سے اختلاط کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہی ترتیب، کھانے پینے میں بھی ہوتی کہ حلقہ کے اعتبار سے کھانا تقسیم کیا جاتا کہ فلاں گھنٹی پر فلاں حلقہ والے، فلاں گھنٹہ پر فلاں حلقہ والے کھانا لیں گے۔

ترتیب کے خلاف کسی کو کھانا نہیں دیا جاسکتا تھا، رخصت کے اوقات میں جب کھیلنے کا موقع دیا جاتا اس میں بھی یہ ترتیب ملحوظ ہوتی حلقہ وار کھیلنے کی اجازت ہوتی، ایک حلقہ کے بچے دوسرے حلقہ کے بچوں کے ساتھ کھیلنا جرم تھا اور منشا یہی تھا کہ آپس میں اختلاط ہوکر مفاسد پیدا نہ ہوں جس کی طرف عموما مدارس میں توجہ نہیں دی جاتی اور باہمی اختلاط کی وجہ سے بڑے مفاسد پیدا ہوجاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کے تدارک اور تلافی کی شکل بھی ممکن نہیں رہتی۔

ہر نقل وحرکت پر نظر

اسی طرح طلباء کرام کی ہر نقل وحرکت پر نظر رکھی جاتی تھی اور ہر ہر چیز میں تربیت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا، مثلا وضو وغسل کرنے، کپڑے دھونے میں بھی اس کی کوشش کی جاتی کہ طلباء کرام ابھی سے اس کے عادی ہوجائیں کہ فضول خرچی نہ ہو اور کسی شخص کو اس کے کسی عمل سے اذیت نہ ہو اس کے لئے ٹنکی یا نل سے وضو کرنے کی ممانعت تھی کہ اس سے اسراف کا اندیشہ ہے، لوٹے میں پانی لے کر وضو کریں کہ اس میں اسراف سے حفاظت ہے۔

نیز غسل خانہ میں کپڑے دھونے کی ممانعت تھی کہ کوئی غسل کرنا چاہے نہیں کرسکتا، اس

سے اس کو اذیت ہوگی، اس سلسلہ میں ایک اعلان ملاحظہ ہو

اطلاع

غسل خانہ میں وضو نہ کریں؛ بلکہ لوٹے میں پانی لے کر وضو کریں اور فراغت کے بعد اپنے کپڑے اندر نہ چھوڑیں۔ نیز غسل خانہ میں کوئی کپڑے نہ دھوئے (۱)

طلبہ پر ماحول کا اثر

انسان پر ماحول کا اثر ہونا اور انسان کا ماحول کے اثرات کو قبول کرنا اور اس سے متأثر ہونا ایک کھلی حقیقت ہے، جس سے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں، بڑے بڑے گنہ گار اور فاسق وفاجر اچھے اور صالح ماحول میں چند دن گذارتے ہیں اور ان کی حالت تبدیل ہونا شروع ہوجاتی ہے، تبلیغی جماعت میں اور بزرگوں کی خانقاہوں میں اس کا خوب مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، کتنے ہزاروں لاکھوں گنہ گار فاسق وفاجر انسان تبلیغی جماعت کے صالح اور نورانی ماحول کی برکت سے گناہوں سے توبہ کر کے تہجد گذار اور متقی و پرہیز گار بن گئے۔

اسی طرح مشائخ کی خانقاہوں سے وابستہ ہو کر کتنی بڑی مخلوق جو خدا سے بیگانہ اور نا آشنا تھی، وہ باخدا اور صاحب معرفت و نسبت بن کر مخلوق کے لئے ہادی و مصلح بن گئے، یہ سب ماحول ہی کا اثر تھا۔

اسی طرح مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کے نورانی ماحول میں جو طالب علم پہنچ جاتا وہ متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا، چند روز ہی میں صلاح و تقوی کے اثرات اس کے چہرے..... سے ظاہر ہونا شروع ہوجاتے، ہر چھوٹے بڑے گناہ کی نفرت دلوں میں بیٹھ جاتی، فرائض کے علاوہ سنن و مستحبات اور آداب کی پابندی شروع ہوجاتی حتی کہ باضو رہنا، باوضو سبق پڑھنا، باوضو سونا، اس کی مستقل عادت ہوجاتی، اور دوسرے مدارس میں جا کر بھی وہ ان چیزوں کے پابند رہتے، بعض طلبہ نے حضرت اقدس سرہ کو لکھا کہ پورے سال میں صرف ایک یا دو حدیث چھوٹیں وہ بھی اس طرح کہ ہاتھ میں کوئی دانہ نکلا ہوا تھا، وہ پھوٹ گیا

---

(۱) حیات ابرار: ۱۶۲

جس کی وجہ سے وضو کرنے گیا، اس وقت ایک دو حدیث نکل گئی، ورنہ پورے سال میں کوئی حدیث پڑھنے سے نہیں رہی۔

ایک طالب علم نے لکھا کہ اتنی مدت سے باوضو سو رہا ہوں، ایک طالب علم نے مطبخ سے دودھ استعمال کیا، ایک عرصہ تک اس نے لکھا کہ میں اس کی قیمت جمع کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت والا قدس سرہ کا ایک ملفوظ ملاحظہ ہو:

فرمایا: جب میں نے آیت "والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما" کی تفسیر بیان کی تو ایک طالب علم آیا اور بتانے لگا ہم نے مختلف طلبہ کے بائیس سو روپیئے چرائے ہیں، اب کیا کریں؟ اس نے والد کو لکھا روپیئے آئے سترہ سو روپیئے ساتھیوں نے معاف کر دیئے، پانچ سو روپیئے ادا کئے گئے۔

غرض کہ وہاں مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں پڑھنے والے طلباء میں گناہوں کی نفرت، طاعات کی رغبت اور سنن و آداب کا ذوق و شوق پیدا ہو جاتا اور وہ اپنے گھروں میں جانے کے بعد وہاں بھی دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور خلاف شرع جو باتیں ہو رہی تھیں خوبصورتی کے ساتھ ان کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً: جن عورتوں سے شرعاً پردہ ہے، مگر ان سے پردہ نہیں کیا جاتا جو بہت بڑا فتنہ ہے، طلباء اپنے گھروں میں جا کر گھر والوں کو سمجھاتے اور پردہ کا اہتمام کرانے کی کوشش کرتے۔

مکتوب گرامی محمد وثیق قنوجی متعلم مدرسہ اشرف المدراس ہردوئی بنام عزیزہ غیر محرم

مکرمی و محترمی جناب.......صاحب/صاحبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض یہ ہے کہ شریعت نے پردے کے کچھ احکام بتلائے ہیں، یعنی کس سے پردہ کرنا چاہئے، اور کس سے پردہ نہیں کرنا چاہئے، اور جن لوگوں سے پردہ کرنا ضروری ہے تو اگر ان سے پردہ نہ کیا جائے، تو گناہ کبیرہ (یعنی بڑا گناہ ہے) اور گناہ کبیرہ کی سزا دوزخ ہے جب کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ۷۰/گناہ زیادہ ہے، مرد کو جن سے پردہ کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہیں (۱) بھائی کی بیوی (بھابھی) (۲) بیوی کی بہن (سالی) (۳) خالہ،

ماموں، پھوپھی، چچی کی لڑکیاں (۴) موممانی، چچی ان سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے،
اور عورت جن کو جن جن سے پردہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) شوہر کا بھائی (دیور) سے (۲) پھوپھا (۳) خالو (۴) ماموں، چچا، پھوپھی کے لڑکے ان سے عورت کو پردہ کرنا ضروری ہے، اس لئے ہماری عمر پردہ کرنے کی قابل ہوگئی ہے، اس لئے ہم آپ سے پردہ کرنا چاہتے ہیں؛ تاکہ آپ بھی اس گناہ سے بچیں اور ہم بھی اس گناہ بچیں اور اگر آپ پردہ نہیں کریں گی تو ہم آپ کے گھر نہیں آئیں گے اور ور ہمارے مدرسہ کا قانون بھی یہی ہے کہ طالب علم شرعی پردہ کرے گا تو ٹھیک اور جو طالب علم شرعی پردہ نہیں کرے گا اس کا مدرسہ سے نام خارج کردیا جائے گا۔(۱)

ضابطہ اخلاق

برائے مدارس متعلقہ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیو بند۔
منظور کردہ اجلاس ششم مجلسِ عاملہ رابطہ مدارس منعقدہ ۱۲/۱۱/۲۷ ۱۴۲۔

۱) مربوط مدارس اسلامیہ کے نظم ونسق کو درست اور بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر مدرسہ، رابطہ مدارس کے تجویز کردہ اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ اپنا نظام اپنے طئے شدہ دستور کے مطابق چلائے ،نظم باضابطہ اور بہتر بنانے کے لئے مدرسہ کا اپنا دستور اور لائحہ عمل ہونا ضروری ہے، جس کی دفعات کی روشنی میں نظام استوار رکھا جائے۔

۲) مربوط مدارس کے ذمہ دار حضرات باہمی تعاون وتناصر کے جذبے کو فروغ دیں، اتحاد واتفاق کی فضاء قائم کی جائے ، ہر قسم کی آپسی رسہ کشی اور مخالفت سے گریز کیا جائے کہ باہمی منافرت یوں بھی بری چیز ہے، اور موجودہ حالات میں مدارس کے مخالفین کو مدارس میں مداخلت کا موقع مل سکتا ہے۔

---

(۱) حیات ابرار، افادات حضرت شاہ ابرار الحق صاحب: ۱۸۴، مرتب محمد فاروق، جامعہ محمودیہ علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ یوپی

۳) ذمہ داران مدارس آپس میں ایک دوسرے کے متعلق منفی اظہارِ خیال سے گریز کریں۔

۴) اربابِ انتظام اور اساتذہ کرام میں اتحاد و یگانگت، باہمی رواداری اور اعتماد کی فضا قائم رکھی جائے، بدگمانی اور آپسی چپقلش سے مدرسے کا ماحول پراگندہ ہوتا ہے۔

۵) مدارس کا نظم و نسق ارباب شوری کے مشورے اور دستور کے مطابق چلانے کی کوشش کی جائے۔

۶) اختلاف کی صورت میں مدرسے کے مفاد کو پیش نظر رکھا جائے اور ہر ایسی کوشش سے اجتناب کیا جائے جس سے مدرسے کا مفاد متاثر ہوتا ہو، مدرسے کے مفادات کو مقدم رکھ کر ایثار و قربانی کے جذبے سے کام لیا جائے اور اپنی رائے اور نظریئے پر اصرار نہ کرکے خوش اسلوبی کے ساتھ نزاع کو ختم کر دیا جائے۔

۷) مدارس کے کردار کو ہر قسم کی خارجی مداخلت سے آزاد رکھنے کے لئے ہر قسم کی حکومتی امداد سے اجتناب کیا جائے۔

۸) مدارس اسلامیہ دین کی حفاظت کے قلعے اور اسلامی علوم کے سرچشمے ہیں، ان کا بنیادی مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے، جو ایک طرف اسلامی علوم کے ماہر، دینی کردار کے حامل اور فکری اعتبار سے صراط مستقیم پر گامزن ہوں، دوسری طرف وہ مسلمانوں کی دینی و اجتماعی قیادت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں، اس لئے ضروری ہے کہ مدارس اپنے نظام تعلیم کو مزید بہتر بنائیں، طلبہ کی تربیت اور استعداد سازی پر بھرپور توجہ دی جائے، اساتذہ کے انتخاب میں صلاحیت اور صالحیت اور طلبہ کے انتخاب میں کمیت سے زیادہ کیفیت کا لحاظ رکھا جائے

۹) دارالاقامہ کے نظام کو چست بنا کر طلبہ کی اخلاقی تربیت و نگرانی کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً نماز باجماعت کے اہتمام اور وضع و قطع کی درستی پر خصوصی توجہ فرمائی جائے، داخلے کے وقت سابقہ مدرسہ کا تصدیق نامہ لازم قرار دیا جائے اور اس معاملے میں

احتیاط کو عمل میں لایا جائے۔

۱۰) اساتذہ کے عزل ونصب اور طلبہ کے اخراج وداخلے کے بارے میں مدرسے کے طئے شدہ دستور کی پابندی کی جائے۔

۱۱) طلبہ واساتذہ کے مسلک صحیح (مسلکِ دیوبند) پر کار بند ہونے کا لحاظ رکھا جائے اور طلبہ سے ذمہ داران تک مدرسے سے متعلق تمام لوگ، شعائر دین کی پابندی کی جائے۔

۱۲) امتحانات کے نظام کو چست اور درست نیز اصول پر مبنی بنایا جائے۔

۱۳) معاشرے سے مربوط رہنے کی کوشش کی جائے، معاشرے میں پیدا ہونے والی عقیدہ وعمل کی خرابیوں کی اصلاح کے لئے اپنے تمام وسائل استعمال کئے جائیں، فرق باطلہ کی تردید منظم انداز میں کی جائے۔

۱۴) اسلامی مدارس اور مذہبِ اسلام کی سازشوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

۱۵) موجودہ دور میں مدارس پر لگائے جانے والے دہشت گردی وغیرہ کے بے بنیاد الزامات کے ازالے کے لئے علاقے کے غیر متعصب برادران وطن اور مقامی حکام سے رابطہ رکھا جائے، وقتاً فوقتاً ان کو مدعو کر کے مدارس کے حالات وخدمات اور مذہبِ اسلام کے امتیازات وخصوصیات سے روشناس کرایا جائے۔

۱۶) اجمالی طور پر حدیث شریف "کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ" کو پیش نظر رکھ کر نہایت دیانت وامانت، اخلاص وللّٰہیت، بیدار مغزی وحوصلہ مندی، مستعدی وجانفشانی کے ساتھ دین متین کی خدمت کے مبارک جذبے کے ساتھ مدارس کا نظام چلایا جائے۔

۱۷) مدارس میں تحریر وتصنیف کا ماحول بھی بیدار کیا جائے اور تحریر کی راہ سے بھی دین متین کی خدمت انجام دی جائے۔(۱)

---

(۱) مدارس اسلامیہ، حقیقی کردار اور نصب العین کا تحفظ، تجاویز اور مشورے: ۳۷، مولانا شوکت علی قاسمی

داڑھی کے مسئلہ میں نرمی کے لئے

حضرت شیخ زکریا صاحب نے فرمایا: من جملہ ان دس آداب کے ایک داڑھی کا مسئلہ ہے، داڑھی کا مسئلہ میرے یہاں ہمیشہ بہت تشدد کا رہا ہے، اس میں مسامحت مجھ کو بالکل گوارا نہ تھی، اگر کسی طالب علم کی داڑھی میں مجھے شک ہوتا تو پھر اس کا نام کم از کم اپنے رجسٹر سے تو کاٹ ہی دیتا تھا، مدرسہ سے اخراج ہو یا نہ ہو۔

میرا ایک طالب علم کے ساتھ اسی قسم کا قصہ ہوا، مجھے اس کی داڑھی میں شک ہوا، میں نے اس کا نام اپنے رجسٹر سے کاٹ ڈالا جس پر ظاہر ہے کہ وہ مجھ سے بہت غصہ ہوئے، لیکن پھر وہ بیچارہ بعد میں میرا معتقد ہو گیا، چنانچہ ایک عرصہ کے بعد میرے پاس اس طالب علم کا خط آیا، جس میں اس نے بیعت کی درخواست کی تھی، اور یہ بھی لکھا تھا کہ کسی دوسرے شیخ سے تو میری اصلاح نہ ہوگی، آپ ہی کر سکتے ہیں، آپ مجھ کو بیعت فرمالیں تو بڑا احسان ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو بہت ہی جزائے خیر دے۔(۱)

دینی خدام اوران کا لباس

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دینی خدام عموما کہتے ہیں کہ عوام میں ان کی عزت ووقعت نہیں ہوتی، تو بھائی بات یہ ہے کہ اپنی وضع قطع جب عوام جیسی بنائیں گے تو معاملہ بھی عوام جیسا ہوگا، اگر ایک کانسٹبل اور سپرنٹنڈنٹ سادی وردی میں ہوں تو ان کے ساتھ معاملہ بھی ویسا ہی ہوگا، وضع قطع کا بڑا اثر ہوتا ہے، ایک مرتبہ شہر سے باہر قریب ہی میں ایک جلسہ میں جانے کے لئے ایک واعظ صاحب یہاں آئے، ان کے ساتھ ماسٹر صاحب صلحاء کے لباس میں تھے تو اس کا اثر یہ ہوا کہ جہاں جانا تھا جب وہاں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے مولانا صاحب کو تو ایک عام آدمی سمجھا اور ماسٹر صاحب کو سمجھا کہ یہی مولانا صاحب ہیں، اوران سے مصافحہ وملاقات کے لئے بڑھے تو کیا بات تھی؟ یہی کہ وہ ایک عامی لباس میں تھے؛ لہٰذا ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا گیا، میرا جب بغداد جانا ہوا تھا تو

(۱) ملفوظات شیخ الحدیث: ۳۳، ترتیب مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی، ادارہ فیض شیخ، گجرات

میرا برادر نسبتی ڈاکٹر محمود شاہ صاحب مرحوم نے وہاں ایک اچھے عالم قاری صاحب تھے، ان سے ملاقات کرانے کے لئے لے گئے تو میرا تعارف کرانا شروع کیا تو قاری صاحب نے کہا کہ تعارف کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان کی وضع قطع، شکل وشباہت خود ان کا تعارف کرا رہی ہے، آج دینی خدام اور طلباء کرام کے تعارف کی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ فلاں مدرسہ کے طالب علم ہیں، یہ فلاں مدرسہ کے شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث ہیں، یہ نوبت کیوں آئی؟ اسی وجہ سے کہ صلحاء کی جو ضع قطع تھی اس کو چھوڑ دیا گیا تو ظاہر ہے کہ پھر معاملہ بھی عوام کی طرف سے ویسا ہی ہوتا ہے، اس لئے اپنی وضع قطع کو صلحاء جیسی بنانا چاہئے۔(۱)

موبائیل فون کے مضر اثرات زمانہ طالب علمی میں

ویسے تو موبائل فون کا ضرورت پر ہی استعمال ہونا چاہئے، یہ آلہ جس قدر مفید اور نافع ہے کہ منٹوں اور سکنڈوں میں اپنے اقرباء اور رشتہ دار اور متعلقین سے ربط کیا جا سکتا ہے، اس کے مضر اثرات بھی عمومی انداز میں بہت ہیں، اس کا بے محابا اور بے تحاشہ استعمال اور اس میں خصوصا نئے موبائل جو جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہیں، جس میں انٹرنیٹ، واٹ ساپ اور فیس بک اور دیگر سہولیات دستیاب ہیں، یہ خصوصا طلباء کے لئے نہایت ضرر رساں ثابت ہورہے ہیں، طلباء اپنا سارا وقت بیکار کی گپ شپ یا موبائیل کے واٹ ساپ اور فیس بک اور انٹرنیٹ وغیرہ میں صرف کررہے ہیں، اس لئے طلب علم کا زمانہ نہایت قیمتی زمانہ ہوتا ہے، صلاحیتوں کے بننے بگڑنے کا زمانہ ہوتا ہے، اس لئے زمانہ طالب علمی میں موبائیل کے رکھنے سے طلباء خود بھی احتراز اور مدارس کے ذمہ داران بھی طلباء کو موبائل رکھنے اور اس کے استعمال کے حوالہ سے پابند بنائیں کہ بے جا موبائل کا استعمال ہی نہ ہو، یا زمانہ طالب علمی میں موبائیل پر پابندی ہی رہے۔ اس لئے بھی کہ بے جا فون کے استعمال میں فضول خرچی ہے، اور فضول مال کا خرچ کرنا شرعا حرام ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل تمہاری تین چیزوں کو پسند کرتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے اس

(۱) مجالس محی السنۃ: ۱۹، ناشر انجمن احیاء السنۃ لاہور

میں فرمایا: ”کثرۃ السوال وإضاعۃ المال“ (۱)

اس کے علاوہ موبائل فون نوجوان بچے اور بچیوں کے حوالے کرنے میں احتیاط اور نگرانی سے کام لیا جائے اس کی وجہ سے وہ عشق ومعاشقہ کے تباہ کن راستے پر چل سکتے ہیں، جس سے ان کی دنیا وآخرت تباہ ہوسکتی ہے۔ (۲)

---

(۱) بخاری: باب ما ینھی عن إضاعۃ المال، حدیث: ۲۲۷۷

(۲) مسنون معاشرت: ۳۱۳، موبائیل فون آداب وأحکام: مکتبۂ فیصل دیوبند

نظام جلسہ وانعامات

سالانہ جلسہ سے ایک ماہ پہلے مشورہ کرلیا جائے، جس میں ضروری کاموں کی ایک فہرست بنالی جائے، اور بعض ہنگامی کاموں کے لئے جلسہ سے پندرہ دن پہلے ایک مشورہ ہوتا ہے اور مختلف جماعتوں پر یہ کام تقسیم ہوتے ہیں، جس میں حمد، ونعت اور تقاریر اور مکالموں اور دعاء احادیث وغیرہ کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔جس کی تیاری نہایت اچھے انداز میں ہونا چاہئے

جلسہ کی تیاری

☆ دورہ والوں کو آخری حدیث کی مشق کرائیں۔
☆ اس سال کے حفاظ کو آخری سورتوں اور دعاء ختم القرآن کی مشق کرائیں۔
☆ ترتیل، تدویر اور سبعہ کی مشق کرائیں۔
☆ حمد، نعت، نظم کی مشق کرائیں۔
☆ عربی اور اردو تقاریر کی مشق کرائیں۔
☆ مکالموں کی مشق کرائیں۔
☆ ائمہ کو خطبہ جمعہ، عیدین اور نکاح کی مشق کرائیں۔
☆ انعامات کے ذمہ دار طئے کریں۔
☆ ایام امتحان سے لے کر چھٹی تک طلبہ پر کنٹرول کریں۔
☆ جلسہ کے دن خصوصی مہمان کی خدمت کے لئے ذمہ دار طئے کریں۔

☆ نیز وقت کا خاص اہتمام ہو کہ صدر صاحب آئیں یا نہ آئیں جو وقت طئے کیا گیا ہے، اس کے مطابق شروع وختم ہو۔

☆ اس طرح جلسہ کی ابتداء وانتہا کا وقت بھی متعین ہو، اسی کے مطابق جلسہ کی کاروائی ہو، اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔

☆ عام مہمانوں اور طلبہ کو کھانا کھلائیں۔

☆ رات میں آنے والے مہمانوں کے لئے بستر کا انتظام کریں۔

☆ میدان اور بیت الخلاء کی صفائی کریں۔

☆ پانی پر ایک ذمہ دار طئے کریں۔

☆ مائک اور تخت کا نظم کریں۔

☆ ٹھنڈے پانی کا نظم کریں۔

☆ مسجد کے فرش پر بچھانے والے دریوں کا انتظام کریں۔

☆ چائے پانی کا نظم کریں۔

☆ پارکنگ جماعت بنائیں۔

☆ استقبالہ جماعت بنائیں۔

☆ معاینہ جماعت بنائیں۔

☆ بیت الخلاء ، دار الاقامۃ، مسجد ، دار الطعام، مہمان خانہ وغیرہ کی مکمل صفائیں کرائیں۔

☆ پہلے ہی دستر خوان اور بیٹھنے کی دری دھلوا کر رکھیں۔

☆ بیت الخلاء میں چپلیں رکھوائیں۔

ہدایت برائے جلسہ

☆ تقریروں میں سیاست والے مضامین نہ ہوں، جیسے بابری مسجد وغیرہ۔

☆ بدعتی نعتیں اور نظمیں نہ ہوں۔

☆ باطل عقیدے والے اشعار نہ ہوں۔

☆ لہجہ گانے اور قوالی کا نہ ہو۔

☆ الفاظ درست ہوں۔

☆ دکانیں احاطہ مدرسہ میں نہ ہوں۔

☆ جلسہ کی تیاری پہلے سے ہو۔

☆ خطابت (اناؤنسنگ) کی تیاری پہلے سے ہو، زیادہ بولنا ضروری نہیں؛ تھوڑا بولیں؛ لیکن چست بولیں۔

☆ اسٹیج کا لفظ نہ بولیں اور ہر حال میں انگریزی الفاظ سے احتراز کریں؛ بلکہ تخت بولیں۔

☆ جلسہ کا پروگرام کمپیوٹر کتابت کرواکر مخصوص مہمانوں میں تقسیم کریں۔

☆ بیٹھے ہوئے جانکار علماء غلطیوں کو نوٹ کر کے اصلاح کی فکر کریں، یہ امانت ہے۔

☆ مثبت بیانات ہوں، منفی نہ ہوں جیسے ردّ بدعت، ردّ غیر مقلدیت وغیرہ۔

☆ مکالمے وغیرہ صحیح فکر پر مشتمل ہوں۔

جلسہ کا پروگرام

رات میں آنے والے عمومی مہمانوں کے سونے کے لئے باعتبار موسم بستر کا انتظام کیا جاتا ہے اور صبح بعد نماز فجر عمومی مہمانوں کے لئے ناشتہ کا انتظام بھی ہوتا ہے اور صبح آنے والے مہمانوں کا استقبال ہوتا ہے، مختلف اساتذہ مختلف ذمہ داریوں پر مامور ہوتے ہیں، بعض پارکنگ کے لئے، بعض کھلانے کے لئے، بعض استقبال کے لئے، بعض مائک اور تخت کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

جلسہ کے دوران موسم کے اعتبار سے چائے، یا ٹھنڈے پانی کا انتظام ہوتا ہے، جلسہ میں ختم قرآن، ابتدائے بخاری، ختم بخاری، کچھ حمد، نعتیں، نظم اور عربی اردو تقریروں کے علاوہ بڑے علماء کرام کے پر جوش وعظ ونصیحت بھی ہوتے ہیں، اور تمام فارغین کی اسناد

تقسیم کی جاتی ہے، فارغین کی دستار بندی ہوتی ہے۔

انعامات کا طریقہ کار:

مدارس دینیہ میں جس طرح فیل طلبہ کو سزا دی جاتی ہے، اسی طرح جزا یعنی انعام سے بھی نوازا جاتا ہے، اور طلبہ کی ہمت افزائی کا کام کیا جاتا ہے، جس میں سالانہ انعامات کے علاوہ سال بھر چھوٹے چھوٹے امتحان مسابقے، ادبی بیت بازی اور حسن اخلاق کے عنوان سے انعامات کا سلسلہ ہو۔ اس سے طلباء کی ہمت بڑھے گی اور مدرسہ کی طرف طلباء کا رجحان بڑھے گا اور بچوں میں مسابقتی جذبہ پیدا ہوگا۔

انعامات کے بارے میں ضروری اعلان

دینیات

۱- نورانی قاعدہ، مکمل ناظرہ قرآن، عملی نماز، اردو پڑھنا اور لکھنا جو طالب علم ایک سال میں مکمل کرے گا اسے پانچ سو (۵۰۰) روپیہ انعام ملے گا۔

۲- اور جو طالب علم یہ نصاب دو سال میں مکمل کرے گا اسے دو سو (۲۰۰) روپیہ انعام میں دیا جائے گا۔ (لیکن ڈبل کلاس کی اجازت مخصوص شرائط کے ساتھ ہے عام نہیں)۔

حفظ

۱- جو طالب علم ایک مہینہ میں سوا پارہ سنائے اور سبق کا پارہ سبق تک بلا ناغہ سنائے اور آموختہ ایک پارہ بلا ناغہ سنائے اسے اس ماہ (۵۰) روپیئے انعام دیا جائے گا۔

۲- اور جو طالب علم ایک مہینہ میں ایک پارہ سبق سنائے اور سبق کا پارہ سبق تک بلا ناغہ سنائے اور آموختہ آدھا پارہ بلا ناغہ سنائے اسے اس ماہ تیس (۳۰) روپیہ انعام میں دیا جائے گا۔

معلمین (ائمہ)

۱- اس شعبہ میں جو طالب علم عملی نماز، نورانی قاعدہ، پانچ پارے ناظرہ، چار چھوٹی چار

متوسط، چار بڑی سورتیں حفظ کرے گا اور خطبہ (جمعہ) یاد کر کے اردو پڑھنا لکھنا سب سے پہلے مکمل کرے گا اس کو تین سو (۳۰۰) روپیہ انعام دیا جائے گا۔

۲- اس کے بعد جو جلد مکمل کرے تو اسے بالترتیب یہ انعامات دیئے جائیں گے۔

شعبہ تجوید کے انعام کا اعلان

تجوید کی موجودہ ترتیب کے مطابق ہر دو ماہ پر ایک امتحان ہوگا جس میں اعلی طلبہ کی ایک جماعت بنے گی اور اوسط اور ادنی کی ایک پڑھے ہوئے پاروں کا حدرا امتحان ہوگا جو طلبہ حافظ ہیں ان کی الگ جماعت بنے گی۔

ہر جماعت میں سے اول، دوم، سوم والوں کو انعام ملے گا۔

اعلی میں اول نمبر سے آنے والے کو	۳۰۰/روپیہ
اعلی میں دوم نمبر آنے والے کو	۲۵۰/روپیہ
اعلی میں سوم نمبر سے آنے والے کو	۲۰۰/روپیہ
اوسط میں اول نمبر سے آنے والے کو	۱۸۰/روپیہ
اوسط میں دوم نمبر سے آنے والے کو	۱۵۰/روپیہ
اوسط میں سوم نمبر سے آنے والے کو	۱۰۰/روپیہ
ادنی میں اول نمبر سے آنے والے کو	۸۰/روپیہ
ادنی میں دوم نمبر سے آنے والے کو	۷۰/روپیہ
ادنی میں سوم نمبر سے آنے والے کو	۵۰/روپیہ

نوٹ: جس کا اول، دوم نمبر آ گیا، ہر مرتبہ اس کا امتحان تو ہوگا؛ لیکن پہلی مرتبہ کے بعد انعام نہیں ملے گا، بلکہ نمبر ملیں گے، اور چاروں امتحانوں میں اول، دوم نمبر آنے پر اسے انشاء اللہ بڑا انعام دیا جائے۔

اساتذہ کو انعام

یہ بھی ایک المیہ ہے کہ انعام صرف طلبہ کو دیا جاتا ہے اور اساتذہ کو فراموش کر دیا جاتا

ہے، یہ بالکل غلط اور سراسر ظلم ہے، ان کی کوتاہیوں پر ان کی گرفت تو ضرور کریں، کارکردگی پر انہیں مبارک باد اور انعام نہ دیں۔

انتخابی فارم برائے انعامات اساتذہ

مورخہ.............. مطابق ....

منتخب کا نام............ مدرسہ کا نام...............

نمبر شمار حاضری تکمیل مقدار خواندگی غیر تدریسی ذمہ داری

اطمینان طلبہ مار پر کنٹرول تعلیمی جانچ خلاصے

طلبہ کو جمانا زبانی درس حفظ ناظرہ

دارالعلوم اور تقسیم انعامات

طلباء میں تعلیمی مشاغل کی نسبت ترغیب وتحریص اور باہم مسابقت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے سالانہ امتحان میں کامیابی پر طلباء کو مستحقِ انعام سمجھا جاتا ہے، جو طالب علم اعلی نمبروں سے پاس ہوتا ہے، اسے خصوصی انعام دیا جاتا ہے، انعام میں طالب علم کی استعداد کے مطابق درسی وغیر درسی کتابیں دی جاتی ہیں۔

دارالعلوم میں بعض دوسرے امور کی طرح شروع ہی سے تقسیم انعام کا بھی رواج ہے ،تقسیم انعام کے عنوان سے ہر سال جو جلسہ منعقد کیا جاتا ہے، اس میں مقامی لوگوں کے علاوہ بیرونی مقامات کے لوگوں کو بھی دعوتِ شرکت دی جاتی رہی ہے، اس اجتماع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان عموماً اور چندہ دہندگان خصوصاً اس بات کا اندازہ کرسکیں کہ انہوں نے اپنی جس نوخیز نسل کو دارالعلوم کے سپرد کیا تھا اس کے تعلیمی نتائج کیا برآمد ہوئے، نیز یہ کہ قوم نے جو روپیہ دارالعلوم کو دیا ہے، اس کے مصرف کا منظر وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔(۱)

---

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۳۰۰/۲

مدارس کے جلسے، چند اصلاح طلب امور

مدارس کے جلسے

دینی مدارس میں سال کے ختم پر جو بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں، نیز طلبہ کی انجمنوں کے جو اجلاس ہوتے ہیں، ان میں بھی بعض خرابیاں تیزی سے پھیل رہی ہیں جن پر ارباب مدارس کو سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

سجاوٹ اور روشنی

آج کل جلسوں میں ہزاروں روپیہ صرف سجاوٹ، ڈیکوریشن اور روشنی پر صرف کئے جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ نہیں؛ بلکہ کسی امیر کبیر کی شادی کی تقریب ہو رہی ہے، بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک محلہ میں تو جلسہ گاہ میں جانے والے راستوں میں بہت دور دور تک جھالریں لگادی جاتی ہیں، اور کئی روز پہلے سے سجاوٹ شروع ہو جاتی ہے، یہ سب چیزیں فضول خرچی میں داخل ہیں، ان کی اصلاح ضروری ہے اور اصلاح کی ذمہ داری ان مقررین کی ہوتی ہے جو ایسے جلسوں میں بلائے جاتے ہیں، انہیں اس صورت حال پر سختی سے نکیر کرنا چاہئے، تا کہ اس اسراف کی حوصلہ افزائی نہ ہو سکے۔

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ دینی جلسوں میں روشنی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''ایک جلسہ میں لوگوں نے روشنی زیادہ کر رکھی تھی اور چھوٹے چھوٹے کئی ایک بلب لگا رکھے تھے، اس پر ارشاد فرمایا کہ شریعت میں روشنی

کرنا منع نہیں ہے؛ لیکن چراغاں کرنا منع ہے، یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے، دیوالی سے مشابہت ہے، اگر ضرورت ہو تو ہزار پاور کا بلب جلا سکتے ہیں، البتہ اگر دور دور فاصلہ کے ساتھ سو پاور کے بلب جلائے اور چراغاں کی مشابہت نہ ہو اور ضرورت بھی ہو تو یہ جائز ہے"۔(۱)

لاؤڈ اسپیکر کا بے جا استعمال

اب جلسوں میں ضرورت سے زائد ہی نہیں؛ بلکہ بہت زیادہ لاؤڈ اسپیکر لگائے جاتے ہیں، اصل جلسہ گاہ میں چاہے سو پچاس آدمی ہوں؛ مگر دور دور تک گلی کوچوں میں اسپیکر لگا دیئے جاتے ہیں، اس میں فضول خرچی اور اسراف تو ہے ہی، دوسری طرف دینی باتوں کی توہین اور اہل محلہ کو ایذا پہنچانے کی خرابی بھی پائی جاتی ہے، محلہ میں مریض بھی ہو سکتے ہیں، ایسے ضعیف اور بوڑھے بھی ہو سکتے ہیں جن کی نیندیں بلند آواز سے اڑ جاتی ہیں، وہ اپنے گھروں میں پڑے پڑے جلسہ والوں کو کوستے رہتے ہیں۔ جلسہ کے نام پر ہم دوسروں کو اذیت نہ پہنچائیں، شریعت نے دوسرے کی عبادت میں خلل کے اندیشہ کے وقت مسجد میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے سے روکا ہے، پھر اس طرح کے شور شرابے کی اجازت کہاں سے ہو سکتی ہے جس میں دوسروں کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہو۔

ایک ہی وقت میں جلسے

ایک ہی مہینہ میں تمام مدارس کے جلسے کرنے سے افادیت کم ہوتی جا رہی ہے، قریبی دنوں میں مسلسل لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہوتا ہے، مختلف مہینوں میں اکابر کا وقت لینا، سال بھر اہل اللہ کی آمد و رفت باقی رکھنا باعثِ برکت اور باعثِ ترقی ہے۔

دعوت جلسہ کے لئے پوسٹر

دعوت جلسہ کے لئے پوسٹرس چھپانا برا نہیں؛ مگر اس پر آیات، احادیث، دینی اشعار، اسلامی نام چھپوائے جاتے ہیں، اسماء حسنی اور اسماء محمد ﷺ کا ہونا تو ناگزیر ہے، لیکن جلسہ کے

(۱) ملفوظات ابرار: ۱۷۱، یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

بعد ان پوسٹرس کو اسی اہتمام سے نکالنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے، بے ادبی ہوتی ہے اوراحترام پامال کیا جاتا ہے۔

جھوٹ سے پرہیز

یہ فریب اور دھوکہ ہے کہ مشہور عالم دین کچھ وقت نہ دیا ہو، مگر پوسٹر میں نام لکھا جائے ، یا شرکت متوقع ہو؛ مگر یقینی بتلائی جائے، ایسے گناہوں کے ساتھ جلسوں سے برکت وقبولیت کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

اہل دنیا اور اہل سیاست کی شرکت سے زیادہ اہل دل صاحبِ نسبت علماء کرام کی سرپرستی کو اہمیت دی جائے، دفعِ مضرت یا محض مدرسہ کی کسی مصلحت کی وجہ سے بھی اگر انہیں بلایا بھی جائے تو انہیں خدام پر ترجیح نہ دی جائے، انہیں اسلامی معلومات دینے کی فکر کی جائے، نہ کے ان سے لینے کی فکر کی جائے ،لیکن مدرسہ اور اہل مدرسہ ہرگز کسی سیاسی، علاقائی جھگڑے میں فریق نہ بنے ایک گروپ کو بلا کر دوسرے گروپ کی دل شکنی مول نہ لیں۔

فرض نماز خطرے میں

اب جلسے رات میں اتنی دیر تک چلتے ہیں کہ جلسے کے اکثر شرکاء کی صبح کی نماز نہیں تو جماعت فوت ہوجاتی ہے، منتظمین کا تو پتہ ہی نہیں رہتا کہ کہاں گئے؟ ظاہر ہے کہ آدمی جب رات بھر جاگے تو صبح کا فریضہ کیسے ادا کرسکتا ہے؟ تو غور فرمائے کہ! رات بھر مقرر صاحب نماز کی اہمیت عبادت کی فضیلت پر دھواں دار تقریر کرتے رہے اور اثر یہ ہوا کہ فجر بھی گئی تو ایسی محنت سے کیا فائدہ؟ اس لئے ضرورت ہے کہ جلسہ جلد ہی شروع کر کے جلد ہی ختم کیا جائے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ مغرب کے بعد جلسہ شروع کر کے نماز عشاء کچھ تاخیر سے باجماعت پڑھ لی جائے تاکہ لوگ جاگ کر سن سکیں اور نماز فجر کے لئے بآسانی بیدار ہوسکیں، بعض علاقوں میں بحمدہ تعالی مغرب کے بعد جلسوں کا رواج ہوگیا ہے تو اس کے اچھے نتائج برآمد ہورہے ہیں اور جہاں کسی وجہ سے مغرب کے بعد انتظام نہ ہوسکے تو وہاں بہر حال نماز عشاء شروع کر کے جلد ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مقررین کی کثرت

اب سب سے بڑا جلسہ اسے سمجھا جاتا ہے جہاں تقریر کے لئے مقررین کی پوری کھیپ موجود ہو، گویا جلسہ نہ ہوا، تقریر کا مقابلہ ہو گیا، اس میں کئی خرابیاں ہیں ایک تو وقت خواہ مخواہ زیادہ خرچ ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں آپ جلسہ جلدی ختم کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے، اس لئے کہ جس شخص کو تقریر کے لئے بلایا گیا ہے وہ تقریر ضرور کرے گا، ورنہ ناراض ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ ہر مقرر دوسرے کے دباؤ میں رہتا ہے اور عوام کے لئے مفید مضمون جلد سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، تیسرے یہ کہ ایسی صورت حال میں عوام کے فائدے کی باتیں کم آتی ہیں اور مقررین اپنے زور خطابت اور دوسرے پر برتری حاصل کرنے پر زیادہ توجہ دیتے ہیں الا ماشاء اللہ، چوتھے یہ کہ ایسے جلسوں کے ختم پر شرکاء میں سے یہ کسی کو یاد نہیں رہتا کہ کیا نصیحت کی بات کہی گئی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے؛ بلکہ ہر ایک صرف مقرروں کے مابین تبصرہ کرتا نظر آتا ہے کہ کس کی تقریر اچھی رہی اور کس کی خراب،، اس لئے ضرورت ہے کہ جلسوں کو ناموری اور سستی شہرت کے بجائے عمومی اصلاح کے ذریعہ بنایا جائے، جلسہ میں خواہ ایک دو ہی مقرر ہوں؛ مگر انہیں کھل کر اصلاحی مضمون بیان کرنے کا موقع دیا جائے، اس کے بغیر یہ دینی جلسے اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

سارا زور چندے پر

بعض مدارس کے جلسوں میں یہ دیکھا گیا کہ منتظمین کا سارا زور صرف اور صرف چندے پر ہوتا ہے، انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ حاضرین کو دینی فائدہ پہنچا یا نہیں، بس وہ چندہ ہی کرنے پر ساری توجہ مرکوز کئے رہتے ہیں، تقریریں تو کیا ہوتیں، پورے جلسے میں چندہ دہندگان کے لئے لمبی چوڑی دعائیں ہوتی رہتی ہیں، کوئی اس جلسہ میں پانچ روپیئے دے یا پانچ ہزار روپیئے اسے جھولی بھر کر دعاؤں کی سوغات اناؤنسر صاحب کی طرف سے دی جاتی ہے، چندہ کرنا منع نہیں، مگر اس کی کوئی حد تو ہونی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ چندہ کے جوش میں دینی فائدہ ہی کو پس پشت ڈال دیا جائے، اگر چندہ کرنا ہی ہے تو اس کے لئے جلسہ گاہ

سے الگ کاونٹر بھی بنائے جاسکتے ہیں، زیادہ سے زیادہ اعلان کردیا جائے کہ فلاں جگہ چندہ ہو رہا ہے۔(۱)

ویڈیوگرافی

مدارس کے جلسے خالص دینی جلسے ہیں، ان میں ویڈیوگرافی کی قطعا کوئی ضرورت نہیں ہے، ملی وقومی مسائل میں علماء نے اگر میڈیائی مصلحت سے ان منکرات کاتحمل کرلیا ہےتو وہ پھر بھی سمجھ میں آتا ہے، مگر مدارس دینیہ کے جلسوں میں اس کی کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، سوائے ابتلائے عام اور نقالی محض کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، اگر مدارس دینیہ بھی اس شوق سے محفوظ نہ رہیں تو پھر دین کی کہاں حفاظت ہوسکے گی۔

عصری علوم کی تنقیص

مکالموں میں عام طور سے دینی تعلیم کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے عصری تعلیم اوراس کے حاملین کی بہت تنقیص کی جاتی ہے، جو بالکل مناسب نہیں ہے، کیا علماء واہل مدارس ان علوم کے حاملین کے محتاج نہیں ہیں؟ کیا آج کسی اسلامی ملک کا نظام صرف علماء دین سے قائم ہوسکتا ہے، کیا بیماریوں کا علاج، مساجد ومدارس کی تعمیر، مقدمات کی پیروی اورحسابات کی توثیق وغیرہ کیلئے اہل مدارس ان علوم کے حاملین سے مدد نہیں لیتے؟ پھر سماجی وانسانی ضرورت کے ان علوم کو گرا کر دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں علم دین کی فضیلت وبرتری کتاب وسنت سے ثابت ہے، ثابت رہے گی، ان مکالموں میں علم دین کی تشویق وترغیب کیلئے اس کی شرعی وعقلی ترجیح اور سب کے لئے اس کے حصول کی ضرورت ثابت کردینا کافی ہے، اس کے لئے دیگر علوم وفنون کی تنقیص وانکار کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

جلسے کا اختصار

پروگرام وقت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ تین گھنٹوں میں ترتیب دینا چاہئے، طلبہ

(۱) ماہنامہ صدائے دارالعلوم: دینی جلسے جو قابلِ اصلاح ہیں: ۱۸۔۹۲، مفتی سلمان منصور پوری، بابتہ اپریل جون: ۲۰۱۵م

کے مظاہرے اور مہمانان کی تقاریر سب اسی میں ہو جانے چاہئے، مدارس کے جلسوں میں وقت کی بے انتہا اضاعت دیکھنے میں آئی، بے شمار مقررین جمع کئے جاتے ہیں، ہر ایک کو وقت کا خیال رکھتے ہوئے بیان کرنے کا پابند کیا جاتا ہے جسے بعض تسلیم کرتے، بعض اس ڈر سے کچھ بول نہیں پاتے، پھر مہمان خصوصی کو اتنا انتظار کرایا جاتا ہے کہ وہ بے زار ہو جائے، اس طرح کھانے اور نماز کے معمول سے کافی تاخیر ہو جاتی ہے، جو سب کی زحمت کا سبب ہے۔

تقاریر کا مواد ذمہ دار پہلے دیکھ لیں

تقاریر کا مواد وغیرہ ذمہ دار پہلے سے دیکھ لیں، بعض مدرسوں میں ایسی جارحانہ تقریریں سننے کو ملیں کہ عقل دنگ رہ گئی، کیا ہمارے نظمائے مدارس زمانے کی نبض اور ملک وملت کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں یا وہ کسی اور دنیا کے باسی ہیں؟ نعتیں بھی پہلے سن لینی چاہئے کہ اعتدال وتوحید پر مبنی ہیں یا نہیں؟ بعض جگہ غالیانہ نعتیں سن کر افسوس ہوا، نیز پڑوسی ملک میں مروج نظمیں اور ترانے بھی سوچ سمجھ کر لینے چاہئے، اس لئے کہ اس ملک کا ماحول ومزاج مختلف ہے، جو ہمارے ملک کے مزاج و ماحول سے جوڑ نہیں کھاتا۔(۱)

شعبہ حفظ کے طلباء کا مظاہرہ

شعبہ حفظ وناظرہ کے مدارس میں بھی طلبہ کے ذریعے اردو، عربی، انگریزی تقاریر پیش کرائی جاتی ہیں، جب کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ حفظ وتجوید، تلاوت حدر وترتیل، ادعیہ واحادیث، اذکار وسنن کا مظاہرہ کرایا جانا چاہئے کیوں کہ انہیں سال بھر یہی تو سکھایا جاتا ہے، البتہ شعبۂ عالمیت کے طلبہ کا تقاریر ومباحث کا مظاہرہ مناسب ہے، جب یہ سال بھر کی کارکردگی کا مظاہرہ ہے تو جس مدرسے میں جو کام ہوا ہے اس کا مظاہرہ حقیقت کے مطابق ہے۔(۲)

---

(۱) ماہنامہ اشرف الجرائد: بہ قلم مدیر: ۹، ۱۰، ۱۱، بابت ماہ جون: ۲۰۱۷ء

(۲) ماہنامہ صدائے دارالعلوم: دینی جلسے جو قابلِ اصلاح ہیں: ۱۸-۹۲، مفتی سلمان منصور پوری، بابتہ اپریل جون: ۲۰۱۵ء

نظمیں ہی نظمیں

بعض جگہ یہ دیکھا گیا کہ جلسہ کو مشاعرہ بنا دیا جاتا ہے، دینی، اصلاحی تقریریں ہوں اور ایک تو جلسہ ہی دیر سے شروع ہوتا ہے، جو وقت جاگ کر سننے کا ہوتا ہے وہ زائد پروگراموں میں اور نظموں میں گذر جاتا ہے، جب مقرر صاحب سریر آرائے منصب خطابت ہوتے ہیں تو اکثر سامعین جا چکے ہوتے ہیں، یا نیند میں غوطہ زنی شروع کر دیتے ہیں، جس سے جلسہ کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

بڑی بچیوں کے پروگرام

ایک بڑا فتنہ بالخصوص دیہاتی علاقوں کے مدارس میں یہ ہے کہ مدرسہ کے جلسوں میں بڑی عمر (۱۲۔۱۵) سال کی بچیاں نظموں، ترانوں اور مکالموں کے پروگرام میں اسٹیج پر آ کر حصہ لیتی ہیں، اور اگر اس پر نکیر کی جاتی ہے تو مدرسہ والے کہتے ہیں کہ صاحب بچیوں کے والدین کی خواہش پر ان کا پروگرام رکھا گیا ہے، اس لئے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ والدین کے کہنے میں شریعت کا مسئلہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا، چاہے کسی کو اچھا لگے یا برا، کم از کم دینی مدارس کے ذمہ داران کو ان فتنہ انگیز پروگراموں کو بند کرنا چاہئے، اگر مدارس والے ہی دین پر عمل نہ کریں گے تو پھر عوام سے شکایت کا کیا موقع ہے؟

مکالمے نہیں ڈرامے

دینی وعلمی معلومات کے لئے اگر طلبہ کو کچھ سوال وجواب سکھا دیئے جائیں اور انہیں مکالمہ کی شکل میں جلسہ میں پیش کر دیا جائے تو ان میں تو فی نفسہ کوئی حرج نہیں؛ لیکن اب ان مکالموں نے ڈراموں کی صورت اختیار کر لی ہے، یعنی ہیئت، لباس، انداز سب کچھ بدل جاتا ہے اور بعض مرتبہ تو نہایت بھونڈے مذاق کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، گذشتہ سال ایک ادارہ کے طلبہ کی انجمن کے اجلاس سالانہ میں شرکت ہوئی تو طلبہ نے ''ہندومت اور اسلام'' پر ایک مکالمہ پیش کیا، جس میں ایک طالب علم باقاعدہ ہندو پنڈت کی شکل میں بن کر آیا، جسے دیکھ کر سخت تکدر ہوا، اور اسی وقت اس پر سختی سے نکیر کی، اس قسم کے فضول اور واہیات پروگرام

دینی اداروں کے قطعاً شایان شان نہیں، ایسے پروگراموں سے وقتی طور پر ہنسی مذاق اور ٹھٹہ کا موقع مل سکتا ہے، لیکن اس سے نہ کبھی دینی فائدہ برآمد ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، اہل مدارس کو ان پروگراموں پر سختی سے نظر رکھنا چاہئے، بلکہ جو طلباء ایسے پروگراموں کے مرتکب ہوں، انہیں قابل عبرت سزا دینی چاہئے، اگر ان پر ابھی روک نہ لگائی گئی تو آگے ان کے نتائج بھی خراب ہوسکتے ہیں۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ صدائے دارالعلوم: دینی جلسے جو قابلِ اصلاح ہیں: ۱۸۔ ۹۲، مفتی سلمان منصور پوری، بابتہ اپریل جون: ۲۰۱۵م

نظامِ سزا

بعض طبیعتیں ترغیب اور انعام سے اصلاح کو قبول کرلیتی ہیں اور بعض طبیعتیں سختی ترہیب اور سزا کو چاہتی ہیں، لیکن انتظامیہ اور استاذ بھی دیگر احکام شریعت کی طرح اس مسئلہ میں بھی پابند ہیں، للّٰہی غصہ، بے لوث سرزنش مؤثر ہوتی ہے، نفسانی، تادیب، جذباتی طور پر بے لگام سزا دینا خود استاذ کو مجرم بنادیتا ہے، اہل مدارس کے یہاں اس باب میں بدتہذیبی بعض مرتبہ انسانیت واخلاق سے گر کر جان لیوا سزائیں دینا بہت سے اہل دنیا کی دوری کا سبب بن رہا ہے، ساری دنیا میں عصری اسکولوں میں جسمانی سزا دینا ممنوع ہوچکا ہے، اسلام دشمن طاقتیں خوردبین لگا کر دینی مدارس کی خامیوں کی گرفت کرنے، پھر بند کرانے کی کوشش میں لگی ہیں، انتظامیہ اور اساتذہ مدرسہ کو چاہئے کہ اس سلسلہ میں حدود وقیود کا مطالعہ کریں، اپنے عملہ کو باشعور بنائیں، اصولی بات یہ ہے کہ آپ دعوت ونصیحت کے مکلف ہیں، ہدایت دینا اللہ کا کام ہے، آپ نے عالم حافظ بنانیکا ٹھیکہ نہیں لیا ہے، بلکہ عالم حافظ بنانے کی محنت کرنے کی ٹھانی ہے، اور حقیقت ہے کہ نرمی اور محبت کی دوا کام نہ کرے تو اس دوا کی مقدار کا اضافہ تو حل ہوسکتا ہے؛ لیکن سختی کرنا زیادہ مناسب نہیں، جرم، سزا، مجرم اور علاقے کے اعتبار سے سزا طئے کرنا ایک اجتہادی چیز ہے، اس سلسلہ میں ذیل کے مواد سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یاد رہے کہ مقصد صرف اور صرف اصلاحِ ہے۔

طلبہ کی تادیب کے شرعی اصول

استاذ اور شاگرد کا تعلق روحانی باپ اور بیٹے کا سا ہوا کرتا ہے، جس طرح ماں باپ بچے کیلئے جسمانی وجود کا ذریعہ ہوتے ہیں، ایسے ہی استاذ بچے کی روح اور اس کے اندرونی مایہ کے وجود اور اس کے حقیقی انسان بننے کا سبب ہوتے ہیں، اس لئے استاذ کو شاگرد کے حق میں ایک شفیق باپ کا کردار ادا کرنا چاہیے، چنانچہ استاذ کو شاگرد کی اصلاح کی خاطر تادیب کی اجازت ضروری ہے؛ لیکن اس کے کچھ حدود و قیود ہیں۔

☆ اصلاح کیلئے سب سے پہلے طالب علم کو اپنے سے مانوس کرنا ضروری ہے، جب تک استاذ اور شاگرد کے درمیان روحانی تعلق اور رشتہ اور محبت وعقیدت کے جذبات نہ ہوں گے استاذ کا اصلاح اور تادیب کیلئے اقدام کرنا قبل از وقت ہوگا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں اس حوالہ سے روشنی ملتی ہے۔

ایک دیہاتی نے جب مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا اور صحابہ نے اس کو مسجد سے نکالنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور جب وہ پیشاب کر چکا تو اسے پانی سے دھو دیا اور نہایت نرمی سے فہمائش کی کہ مسجد صرف عبادت کی جگہ ہے: "انّ هذه المساجد لا تصلح لشيئ من هذا البول ولا القذر" وہ صحابی رضی اللہ عنہ چونکہ نومسلم تھے، اس لئے آپ نے ان کے مسجد میں پیشاب کرنے پر ان کا سخت نوٹ نہیں لیا، حالانکہ دوسری طرف مسجد میں تھوکنے پر سخت قسم کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔(۱)

☆ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی غلطیوں کو نظرانداز کرنا چاہئے، ایسی صورت اختیار کرنا چاہئے کہ وہ ان کی غلطیوں سے واقف ہی نہیں؛ تاکہ طلبہ اپنے آپ کو ہر دم قید و بند

---

(۱) مسلم: باب وجوب غسل البول، حدیث: ۲۸۵

میں محسوس نہ کریں اور انہیں گھٹن محسوس نہ ہو، پھر وہ مدرسہ کے ماحول اور وہاں کی ترتیب میں خود کو ڈھال لیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نشہ کی حالت میں پکڑا گیا، لوگوں نے اس کو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لانے لگے، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس لوگ پہنچے تو ان کا نشہ اتر گیا اور مارے شرم کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے چمٹ گئے اور کسی طرح حضور کے پاس آنے کو تیار نہ ہوئے "**فدخل علی العباس فالتزمه**" حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور نہ خود اپنے سامنے بلایا"(۱)

یہ غلطی کو نظر انداز کر دینے کی ایک مثال ہے۔

☆ اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان کی فطری صلاحیت اور ذوق ومزاج کو بدلا نہیں جا سکتا، البتہ اس کا رخ تبدیل کیا جا سکتا ہے، اگر استاذ کسی طالب علم کے اندر یہ صفت دیکھے کہ وہ دوسرے طلباء کو ہمیشہ زیر کرنے اور نیچا دکھانے کا خواہشمند رہتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر مسابقت اور آگے بڑھنے کا جذبہ ہے، لہٰذا اس کو صحیح رخ دیا جائے، کتاب اور اس یادداشت پر اس کو پھیر دے۔ بعض طلباء میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا جذبہ ہوتا ہے، ان کے اس جذبۂ نمائش کو تحریری اور تقریری صلاحیتوں کے اجاگر کرنے میں لگایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اسی کو حضور ﷺ نے "**خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الإسلام**" فرمایا۔(۲)

☆ جب طالبِ علم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو پہلے نصیحت وموعظت سے کام لے اور انفرادی طور پر اور تنہائی میں اس کی غلطی پر متنبہ کرے، اس عادت کی قباحت

---

(۱) بودوٗد: حدیث: باب فی الحد فی الخمر: ۴۴۷۶، علامہ حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداوٗد اور نسائی نے سندِ قوی کے ساتھ روایت کیا ہے: فتح الباری: الضرب بالجرید والنعال: ۱۹/ ۱۸۹

(۲) بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ یوسف: حدیث ۴۶۸۹

اور برائی کو بیان کرے، پھراس کے ازالہ کیلئے کوشاں ہو، اگر طالب علم چوری کرتا ہے، کسی سے قرض لیتا ہے، اپنا سامان بیچ لیتا ہے، پیسے جلد ختم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے، لہٰذا اب مربی استاذ کا کام یہ ہے کہ اس میں کفایت شعاری کی عادت ڈلوائے، اس کو خرچ کم دے، اگر کوئی طالب علم ذہین تو ہے، لیکن مفوضہ کام اور ذمہ داری کو وقت پر پورا نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام چور ہے، اس کی تربیت یوں ممکن ہے کہ اس کے اوقات کا نظام طئے کر کے وقت مقررہ پر فلاں کام انجام دے اس طرح اس کے اوقات اور مفوضہ وقت میں سپرد کئے ہوئے کاموں کی نگرانی کرے، اس طرح وہ انضباطِ وقت کا پابند ہو جائے گا۔

سب سے پہلے نصیحت وموعظت سے کام لیا جائے اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے "وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ "(۱) اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں تھا، اور میرا ہاتھ پیالہ میں چاروں طرف پڑتا تھا تو مجھ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لڑکے! اللہ کا نام لے (بسم اللہ پڑھ) اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور جو تیرے قریب ہے اس میں سے کھا "یا غلام، سم اللّٰہ، کل بیمینک، و کل مما یلیک" میں اس کے بعد اسی طرح ہی کھاتا تھا۔(۲)

☆ اگر نصیحت وموعظت کارگر نہ ہو تو ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لیا جائے، اس لئے کہ انبیاء کو جہاں بشیر (خوشخبری دینے والا) کہا گیا ہے وہیں نذیر (ڈرانے والا) بھی بتایا گیا ہے بعض طبیعتیں اور بعض مزاج نرم گفتگو کو قبول نہیں کرتے، بلکہ نرمی اور نرم خوئی ان کا حوصلہ بڑھا دیتی ہے، البتہ یہ ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلے میں دو چیزوں کا

---

(۱) النساء:۳۴

(۲) بخاری: حدیث:۳۵٦

ضرور خیال رہے کہ یہ ڈانٹ ڈپٹ بد دعا کے الفاظ پر مشتمل نہ ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے طالبِ علم استاذ کو اپنا بد خواہ اور دشمن تصور کرنے لگے گا۔

حضرت محمد بن زیاد روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور میں سے ایک کھجور کو لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوکو، تھوکو، ''کخ، کخ لیطرحھا'' تا کہ وہ اسے پھینک دیں، پھر فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔(۱)

ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہنسایا کرتے تھے، لوگ غالباً مزاحاً ان کو ''حمار'' (گدھا) کہا کرتے تھے، ''وکان یلقّب حمارا'' ان سے کئی دفعہ شراب نوشی کی غلطی سرزد ہوگئی، لوگ ان کو شرم و عار دلانے لگے، اسی دوران ایک صاحب نے کہہ دیا کہ: تم پر اللہ کی لعنت ہو اور کسی نے کہہ دیا کہ: خدا تم کو رسوا کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقرہ کو پسند نہیں فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ ایسی بات کہہ کر تم شیطان کی مدد نہ کرو اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے ''لا تلعنوہ، فواللّٰہ ما علمتُ انّہ یُحبّ اللّٰہ ورسولہ''(۲)

☆ اصلاحِ حال کا ایک طریقہ بے توجہی اور بے التفاتی بھی ہے، اگر کوئی طالبِ علم کسی غلطی کا بار بار اعادہ کرے تو استاد اس کی طرف چند دن توجہ کرنا چھوڑ دے اور اس کے ہم سبق طلبہ سے بھی اس سے قطعِ تعلق کو کہے، اس طرح وہ اپنے ماحول میں بیگانہ اور اجنبی ہو جائے گا، اس طرح یہ اقدام بعضے دفعہ اس کے اصلاحِ حال میں زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔

حدیث میں اس کی اصل حضرت کعب، وحضرت لبابہ اور مختلف صحابہ میں ملتی ہے کہ جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا، خود بھی ان سے بظاہر بے توجہی کرتے اور صحابہ کو بھی چند دنوں کیلئے ان سے بے توجہی کرنے کیلئے کہا، دراصل مقاطعہ یعنی

---

(۱) بخاری: حدیث: ۱۴۳۲

(۲) بخاری: کتاب الحدود: حدیث: ۶۷۸۰

کسی انسان کو ماحول سے کاٹ دینا بھی اصلاحِ حال کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے، البتہ اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ طالبِ علم میں دینی تعلیم کا ذوق اور اپنے استاذ سے محبت پیدا ہوگئی ہو۔ ورنہ یہ اقدام طالبِ علم کے مدرسہ سے فرار اور اس کے ماحول سے نفرت اور اس قید و بند سے چھٹکارے کا جذبہ اس کے اندر پیدا کرسکتا ہے، اور یہ آیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے "وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ"(۱) اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو۔

☆ تنبیہ اور اصلاحِ حال کا ایک طریقہ "جسمانی سرزنش" بھی ہے مثلاً کسی مخصوص انداز میں کھڑا کر دینا یا بٹھا دینا، یا ایسے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس سے کچھ نفل نمازیں پڑھائی جائیں، ایک دو وقت کا کھانا بند کر دیا جائے وغیرہ۔

شریعت میں تادیب کے اس طریقہ کی جانب اشارہ ملتا ہے، چنانچہ متعدد غلطیوں کا کفارہ "روزہ" کو قرار دیا گیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ جسمانی سرزنش بھی اصلاحِ حال کا ایک مؤثر اور کارگر طریقہ ہے۔

☆ اصلاحِ حال کا آخری درجہ "ضرب" اور مناسب حد میں مار پیٹ کا ہے، مار پیٹ ایک مناسب چیز ہے، لیکن کبھی یہ اصلاحِ حال کیلئے ضروری اور ناگزیر ہو جاتی ہے، بہر حال نہ یہ نظریہ درست ہے کہ طلبہ کو بالکل نہ مارا جائے اور نہ یہ نظریہ درست ہے کہ ایسے مارا جائے جیسے جانوروں پر کوڑے برسائے جاتے ہیں۔ حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: دس سال کی عمر ہونے کے باوجود بچہ نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مارو "واذا بلغ عشر سنین فاضربوہ"(۲)

یہ آیت بھی اگر چہ اس کا خاص پس منظر ہے؛ لیکن مطلقاً تادیب کے طریقہ کار اسلوب اور درجہ بدرجہ اپنانے میں دلالت کرتی ہے:

"وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِيْ

---

(۱) النساء: ۳۴

(۲) ابوداؤد: باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ، حدیث: ۴۹۴

الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلاَ تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلاً"

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہوتو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانا مت ڈھونڈو۔

اور ایک حدیث میں ہے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو اپنے گھر میں ڈنڈا لٹکا کر رکھے، تاکہ اس کے ذریعہ بچوں کی تربیت کی جائے "رحم اللّٰہ عبدا علّق فی بیتہ سوطا یؤدب بہ أھلہ" (۲)

غصہ میں ہرگز نہ مارے، غصہ میں آدمی بے قابو ہوتا ہے، غصہ ختم ہونے کے بعد جرم کے برابر سزا طئے کر کے مصنوعی غصہ بنا کر نافذ کرنا چاہئے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا، جب وہ مارنے کیلئے جانے لگا تو فرمایا: اسے چھوڑ دو، میں نے اپنے اندر غصہ پایا "وجدت فی نفسی علیہ غضبا"

حضرت مولانا الیاسؒ صاحب فرماتے ہیں کہ: استاذ کیلئے طالب علم کو مارنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ چپت (طمانچہ) طالب علم کی نگاہ میں چپاتی سے زیادہ محبوب نہ ہوجائے۔

''ضرب مبرح'' وہ پٹائی جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے کے متعلق تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے جانور کو بھی چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے "لا تلطموا وجوہ الدواب فان کلّ شیئ یسبّح بحمدہ" (۳)

---

(۱) النساء:۴

(۲) کنز العمال، باب تربیۃ أھل البیت، حدیث ۴۴۹۹۸

(۳) کنز العمال، حقوق الراکب والمرکوب، حدیث: ۲۵۶۲۳

اسی طرح غلام کو بھی چہرہ پر مارنے کی ممانعت فرمائی ہے:

"لا یضرب رجل عبدا ظالما الا أقید منه یوم القیامة" (۱)

اور سرزنش کے سلسلے میں صراحۃً حکم فرمایا کہ چہرہ سے بچا جائے "اذا ضرب أحدکم فلیتّق الوجه" (۲)

۲- جسم کے نازک حصے جیسے پیٹ، سینہ وغیرہ پر بھی نہ مارا جائے۔

۳- مسلسل ایک ہی مقام پر نہ مارا جائے، بلکہ جسم کے مختلف حصوں پر مارا جائے۔

۴- اس طرح نہ مارا جائے کہ ہڈی ٹوٹ جائے، یا مار کا نشان جسم پر نمایاں ہوجائے یہ فقہاء کی رائے میں "ضربِ مبرح" میں داخل ہے۔

ان اُمور کی رعایت کے بغیر سخت ترین اور تکلیف دہ سزا دینا نامناسب تو ہے ہی شرعاً بھی ناجائز ہے اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: خود اس مدرس کی تعزیر کی جائے گی۔

۵- ایک دفعہ دس چھڑی سے زیادہ نہ مارا جائے، حدیث میں ہے کہ حد کے علاوہ کسی اور غلطی پر دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارنا چاہئے: "لا یجلد فوق عشر جلدات الّا فی حدّ من حدود اللّٰہ" (۳)

☆ اگر نصیحت وموعظت، تہدید، جسمانی تادیب اور مار پیٹ کے باوجود اگر طالب علم کی اصلاح نہ ہوسکے یا طالب علم کوئی حد سے گذری ہوئی بات کر جائے تو ایسے طالب علم سے مدرسہ کے ماحول کو خالی کردینا، یہ نہ صرف دوسرے طلبہ؛ بلکہ خود اس کے ساتھ بھی انصاف ہے، اسلام میں اس کی واضح نظیر "تغریب" یعنی جلاوطنی ہے، فقہاء نے ازراہِ تعزیر تغریب یعنی جلاوطنی کی اجازت دی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بارہا اس طریق کو استعمال فرمایا ہے،

---

(۱) کنز العمال: حقوق المملوک، حدیث: ۲۵۶۶۱

(۲) ابوداؤد: باب فی ضرب الوجہ، حدیث: ۴۴۹۳

(۳) بخاری: باب ما یکرہ من ضرب النساء، حدیث: ۴۹۰۸

قرآن نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے درمیان فراق کا جو واقعہ لکھا ہے وہ ایک طالبِ علم کے اخراج کی بہترین نظیر ہے۔

حدیث پاک میں نمک کی ضرورت کو بھی اللہ سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر طالب علم کی تربیت کیلئے مناسب طریقہ اللہ سے مانگنا چاہئے کہ جس کے ذریعہ اس کے دل کا تالا کھولا جا سکتا ہو۔

☆ تادیب یعنی مارنا دراصل باپ کا حق ہے، استاذ باپ کی اجازت پر سزا دے سکتا ہے، باپ بالغ بچہ کو نہیں مار سکتا، البتہ استاذ باپ کی اجازت سے بالغ بچہ کو مار سکتا ہے، لہٰذا داخلہ کے شرائط میں تحمل سزا کو شامل کرلیں اور باپ کی عدم رضامندی کی صورت میں سزا نہ دیں۔(۱)

اگر باپ نے اجازت نہ دی ہو اور منع بھی نہیں کیا ہو، تو مجبوری کی صورت میں مار سکتے ہیں، جزا و سزا دونوں بچہ کے لئے ضروری ہیں، لیکن سزا میں جسمانی مار پیٹ کا تصور بقدر ضرورت اور ناگزیر حالات میں ہونا چاہئے، اس سے بچہ کی شخصیت تباہ ہوسکتی ہے، بچہ مدرسہ سے فرار ہوسکتا ہے، بچوں کا کام شرارت کرنا ہی ہوتا ہے، لیکن اس پر مارنا، بہت بڑی غلطی ہے، بچوں کو مار کر ہم ان کی تضحیک کرتے ہیں، اس سے ان کی انا مجروح ہوجاتی ہیں زیادہ مار کھانے والے بچے عموماً ڈھیٹ ہوجاتے ہیں۔

مار کھانے کے ایسے عادی ہوجاتے ہیں کہ پھر مار کا اثر بھی نہیں ہوتا ہے، استاذ کا رعب ختم ہوجاتا ہے، مار کھانے کی ترغیب پر طلبہ کے سامنے کبھی بھی تقریر کریں؛ تاکہ طلبہ مار کھانے پر ناراض نہ ہوں، اگر طالب علم معافی مانگ لے تو پہلی اور دوسری غلطی پر معاف کر سکتے ہیں، یا مار میں تخفیف ضرور کریں، بچہ کو مارتے وقت یہ حدیث ذہن میں رہے جو حضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "جب کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، "اللّٰہ أقدر علیک منہ" (یقیناً اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے، جتنا تم کو اس غلام پر قدرت حاصل ہے)۔

(۱) بحوالہ درمختار: ۱۹۰/۳

☆ یہ بھی سوچیں کہ بچوں کی جس قدر خطا ہے اور مجھ کو ان پر غصہ ہے تو میں مالک الملک کا اس سے زیادہ خطا کار ہوں، اگر وہ مجھ پر غصہ کرے تو میرا کیا حال ہوگا، اس مضمون کا دیر تک مراقبہ کریں، حدیث میں ہے ''جو کسی کو ظلما مارے گا قیامت کے دن اس کا مؤاخذ ہوگا''۔

☆ جب استاذ کسی بچہ پر لکڑی اٹھائے تو سوچے کہ اس جگہ میرا بچہ ہوتا تو میں کیا کرتا؟ جو استاذ لکڑی اٹھاتا ہے تو اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میں بچوں کو سمجھانے میں ناکام ہوں۔

☆ مدرسہ کے ذمہ دار یہ قانون بنادیں کہ اگر استاذ ہتھیلی کے علاوہ کسی اور مقام پر بچہ کو مارے اس کی شکایت ذمہ دار تک پہنچائی جائے اور مارنے میں استاذ کی غلطی ثابت ہوجائے تو اس کی ایک دن کی تنخواہ کاٹ لی جائے گی، ترقی رک جائے گی، نیز بار بار شکایت موصول ہونے پر یا شدید مار کی شکایت پر معطل کیا جائے گا۔

☆ اگر طلبہ کو سزا دینا ناگزیر ہو تو مندرجہ ذیل سزاؤوں میں سے کوئی سزا دی جاسکتی ہے (۱) کھڑا کرنا (۲) کھیل بند کرادینا (۳) حسب تحمل اٹھک بیٹھک (اٹھک بیٹھک کرواتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بہتر ہے کہ اگر ۲۵ بیٹھک کروانا ہو تو ۵۰ بیٹھک کا حکم دے اور ۲۵ بیٹھک پر معاف کر کے بٹھادے، اس سے بچہ خوش ہوگا اور نہیں تھکے گا) (۴) دو منٹ کے لئے کرسی بنانا (۵) نوافل پڑھوانا (۶) تسبیحات پڑھوانا (۷) کھانے و ناشتہ کو سبق یاد کرنے پر موقوف رکھنا (۸) مسجد میں اعتکاف کرانا (۹) تھوڑی دیر چھوٹا سا پتھر یا لکڑی کا ٹکڑا منہ میں رکھنا (۱۰) چند صفحات لکھنے کا کام دینا (۱۱) لغت سے مشکل الفاظ تلاش کرانا (۱۲) صلاۃ التسبیح پڑھوانا وغیرہ، اگر ان میں سے کسی سے کام نہ چلے تو صرف ہتھیلی پر حسب تحمل ضربیں لگائے، مارنے سے پہلے مارنے کی وجہ طالب علم کو بتادیں؛ بلکہ اس سے غلطی کا اقرار کرالیں، اگر سزا دینے کے بعد بچہ پر ناراضگی کے اثرات ظاہر ہوں یا بچہ بہت زیادہ روئے تو پیار

ومحبت سے اس کی تلافی کردیں، یا تعریف یا ہمدردی دعا اور انعام سے بچوں کی دل جوئی کریں، اس بچے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں، بچہ کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ آپ اس کے خیر خواہ ہمدرد ومخلص ہیں۔

☆ طلبہ کی غلطیوں پر غصہ آنا امور غیر اختیاریہ میں سے ہے؛ لیکن غصہ پر عمل کرنا امور اختیاریہ میں سے ہے، لہٰذا غصہ کی حالت میں سزا دینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مارنا فیصلہ پر عمل کرنے کی طرح ہے، جب قاضی کے لئے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا جائز نہیں تو استاذ کے لئے مارنا بدرجہ اولی جائز نہیں، لہٰذا غصہ کی حالت میں اگر بچہ کو مارے تو قیامت کے دن اس کا مواخذہ ہوگا، مارنے میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے، اصلی غصہ ختم ہونے کے بعد مصنوعی غصہ پیدا کر کے تین نمازوں کے اوقات گذرنے کے بعد سزا دے سکتے ہیں۔

☆ ایک غلطی پر دو قسم کی سزا نہ دیں مثلا بیٹھک بھی لگوائیں اور پٹائی بھی کریں، صرف چوری کے الزام پر جرم کے اعتراف کے خاطر پٹائی کرنا جائز نہیں، جرم کی تحقیق کے بغیر سزا نہ دیں۔

☆ گھر کی شرارت پر یا مدرسہ کے علاوہ باہر کی شکایت پر مدرسہ میں سزا نہ دیں، طلبہ کو مسجد میں کوئی سخت سزا نہ دیں، بدگمانی نہ کریں، طالب علم کو جھوٹا نہ سمجھیں، طلبہ کو آپسی جھگڑوں کی صورت میں صلح اور معافی کرادیں اور سزا نہ دیں، غیر اختیاری غلطیوں پر سزا نہ دیں اور طعن نہ کریں مثلا بستر پر پیشاب کرنا وغیرہ۔

اگر سبق یاد نہ ہو تو سزا دینے میں بہت احتیاط سے کام لیں؛ البتہ طالب علم بدتمیز، گستاخ اور متکبر ہو تو حسب مصلحت سزا دے سکتے ہیں، اگر سزا دینے میں غلطی ہوجائے تو طالب علم سے معافی مانگ لیں۔

☆ مہمانوں کے سامنے سزا نہ دیں۔

☆ مخفی جرم پر علانیہ تمام بچوں کے سامنے سزا نہ دیں۔

☆ خفیہ تادیب کے وقت استاذ اپنے ساتھ دوسرے اساتذہ کو بھی رکھے؛ تا کہ اپنے اوپر عائد ہونے والی بدنامی سے محفوظ رہے، پھر طلبہ میں اعلان کر کے اس کو نادم نہ کریں۔

☆ بچوں کے سامنے کبھی استاذ یا صدر مدرس یا اس کے خاندان پر تنقید یا ان کی تنقیص نہ کریں؛ بلکہ طلبہ سے یہ کبھی نہ کہیں کہ تم حافظ یا عالم نہیں بن سکتے؛ بلکہ ہمیشہ ہمت افزائی اور دلجوئی سے کام لیں۔

☆ طلبہ کو جسمانی سزا کم دی جائے ایک، دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد اس کے اولیاء کو بلا کر اس کی حرکات سے آگاہ کر کے تنبیہ کرائیں؛ بعض سنگین جرائم پر اخراج کیا جا سکتا ہے۔(۱)

عقاب وسزا کی قسمیں

(۱) معنوی سزا (۲) حسی سزا

معنوی سزا: اس کا احترام اس طرح کم کیا جائے کہ دوسرے لوگ بھی اور خود وہ طالب علم بھی اس کم احترامی کو سمجھ لے۔

حسی سزا: سزائے بدنی۔

۱- جب کوئی طالب علم اپنے پڑوسی طالب علم سے بکثرت کلام و گفتگو کرتا ہو تو اسے اس سے جدا کر دیا جائے۔

۲- جب جھوٹ بولے تو اس سے اعتماد ہٹا دیا جائے۔

۳- اپنے کام میں سستی برتتے یا کام بجا نہ لائے تو دوبارہ اسی عمل کا حکم دیا جائے۔

۴- اگر اپنے کردار و اعمال اور اپنے سامانوں کو رکھنے میں بدنظمی کا شکار ہو تو اسے مدرسے کے خارجی اوقات میں ترتیب سکھانے کے لئے روک لیا جائے۔

حسی اور سزئے بدنی اگرچہ ضروری ہے، لیکن:

(۱) مدارس کے لئے رہنما اصول: ۱/ ۱۸، مولانا ذوالفقار صاحب

۱- وہ وحشیانہ نظام ہے جس سے بچہ کی خود کی طبیعت وحشی بن جاتی ہے۔
۲- اس سے طلبہ میں بزدلی اور جھوٹ جنم لیتے ہیں۔
۳- ”إنہ یورثُ البلادۃَ وجمودَ العقل“۔
۴- اس سے طلبہ کی اصلاح وتہذیب دشوار ہوجاتی ہے۔
۵- اس سے مدرس کی تمام چیزیں بچوں کی نظر میں مبغوض بن جاتی ہیں۔
۶- اس کی وجہ سے طالب علم حکمت ودانائی کے استعمال سے دور ہوجاتا ہے۔
۷- بچہ کے ارادے کو کمزور اور مضمحل بنادیتی ہے اور اس سے طالب علم کام کی قدرت کھو بیٹھتا ہے۔(۱)

تعزیرات برائے طلبہ

۱- جماعت کی ایک رکعت چھوٹ جانے پر سب کے سامنے ہاتھ پر قمچی لگاتے جائیں۔
۲- ظہر کی پہلی سنت پہلے نہ پڑھنے پر مسجد کی شمالی دیوار سے جنوبی دیوار تک چار چکر مرغ لگائے۔
۳- باہمی منازعت کی صورت میں دست درازی کرنے والے کو مناسب سزا دی جائے گی۔
۴- ایک گالی زبان سے نکالنے پر نفلی چار رکعت ادا کرنی ہوں گی اور جس کو دی جائے سب کے سامنے اس سے معافی مانگنی ہوگی۔
۵- تعطیلات مقررہ میں ایک روز کی بھی تاخیر معاف نہ ہوگی۔
۶- وقتی تعطیل میں مقدار موعود سے زائد ایک دن پر مناسب سزا دی جائے گی۔
۷- بیماری کی تعطیل اگر مسلسل بلا اطلاع دس روز تاخیر ہوگئی تو ڈاکٹری ثبوت پیش کرنا ہوگا اور اخراج کی سزا دی جاسکتی ہے۔(۲)

---

(۱) فن تدریس کے اصول: ۱/ ۴۲، ۴۳

(۲) تعلیم وتربیت کس طرح: ۱/ ۱۷۶، مہربان علی بڑوتی، مظفرنگر

جزاء وسزا کے ذمہ دار کے لئے ہدایات

۱- زیادہ تر ذہنی سزا دینا، پیٹنے سے پرہیز کرنا۔

۲- سزا میں طلباء کی تعداد زیادہ ہو تو ایک یا دو چھڑی مارنا یا ۵ منٹ مرغا بنانا۔

۳- مسجد میں اگر مہمان ہو تو سزا میں تخفیف کرنا۔

۴- اگر کوئی بڑے مجرم کا پتہ بتادے تو مخبر کی ہمت افزائی کرنا۔

۵- طلبہ کو بار بار جرائم سے بچنے کی ترغیب دینا۔(۱)

تعزیر اور سزا کی حقیقت اور اس کی صورتیں

''تعزیر'' وہ سزا ہے جو تادیب کے لئے دی جاتی ہے اور حد کے درجہ سے کم ہو اور اس کے طریقے مختلف ہیں (۱) ملامت کرنا (۲) ڈانٹنا (۳) ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے مارنا (۴) کان کھینچنا (۵) سخت الفاظ کہنا (۶) محبوس کر دینا (۷) مالی سزا دینا۔(۲)

سزا میں کتنا مار سکتے ہیں؟

سزا اور تادیب کی ضرورت پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور ''الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ'' کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب (سزا دینے) کی اجازت ہوسکتی ہے جو پرورش اور تربیت (تعلیم) میں معین ہو نہ اتنی جو درجہ ایلام (سخت تکلیف اور مصیبت) تک پہنچ جائے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے (التبلیغ)

ضرب فاحش (سخت مارنے) سے فقہاء نے صراحتاً منع فرمایا ہے اور جس ضرب (مار سے) جلد پر نشان پڑ جائے اس کو بھی فقہاء نے) ضرب فاحش میں داخل کیا ہے اور جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے وہ بدرجہ اولی ہے۔(۳)

بلکہ ضرب فاحش سے خود استاذ کو تعزیر دی جائے گی۔(۴)

---

(۱) معین المدارس: ۱/۱۰۲، مفتی شاکر خان صاحب:، مدرسہ بیت العلوم، M.H

(۲) اصلاح انقلاب (۳) درالمختار

(۴) اصلاح انقلاب امت

ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

۱) نماز باجماعت کی پابندی طلبہ سے زیادہ ضروری ہوگی۔

۲) طلبہ کی نگرانی اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ہوگی۔

۳) درجہ میں بیٹھنے کی ہیئت ایسی رکھنی ہوگی جس سے چستی اور رعب ظاہر ہو۔

۴) درجہ میں بلا عذر کمر لگا کر بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۵) تعلیمی اوقات میں دوسرے مدارس کے پاس جانے یا درجہ میں بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ باتوں میں لگنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۶) طلبہ میں بجائے زجر وتنبیہ انسیت کا پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

۸) نیز طلبہ کے اندر کپڑے، جسم، درسگاہ وغیرہ کی صفائی کا جذبہ پیدا کرنے کے طریقے اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

۹) کسی کی واقعی کسی کمزوری کا تذکرہ یا حکایت وشکایت کسی مدرس وغیر مدرس کے سامنے کرنے کی اجازت نہ ہوگی، البتہ صدر مدرس کو پیش کردینا مناسب ہوگا۔

۱۰) حسب صواب دید صدر ومہتمم کسی وقت درجہ بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

۱۱) طلبہ سے خدمت لینے میں ان کی رضا ومناسبت کا لحاظ ضروری ہوگا۔

۱۲) اوقات مدرسہ میں آنے والے مہمان کے لئے مدرسہ کی جانب سے ۱۰/ منٹ مہمان نوازی کی اجازت ہوگی۔

۱۳) ایک سال میں تعطیلات مقررہ کے علاوہ بیس یوم کی رخصت ہوگی، اس سے زیادہ غیر حاضری کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔

۱۴) مغرب وعشاء کے بعد طلبہ کی نگرانی ضروری ہوگی۔

۱۵) درجہ میں ہر جدید کام کرنے کے لئے پہلے ذمہ دار سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔

۱۶) پندرہ روز سے پہلے گھر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۷) جمعرات میں دو پہر سے سنیچر کی دو پہر تک یا زائد سے زائد شام تک کی رخصت ہوگی۔

۱۸) اوقات تعلیم میں جتنا وقت اپنے کام میں خرچ کیا جائے گا اس کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔

۱۹) وقتی ضرورت پر چھٹی مل جائے گی، مگر اس کا حساب ۲۰/ یوم کی رخصت میں لگے گا۔

۲۰) مسلسل دس پندرہ یوم کی تعطیل مدرسہ کی جانب سے نہیں مل سکے گی، شادی کے موقع پر صرف ۴/ ۵ یوم کی رخصت ملے گی۔

۲۱) اگر کوئی استاذ درمیانی سال میں مدرسہ سے علاحدہ ہوگا تو اس کی اطلاع پندرہ روز پہلے دینا ضروری ہوگا، اگر بلا اطلاع الگ ہوگیا تو پندرہ یوم کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اسی طرح اگر مدرسہ نے کسی استاذ کو بلا اطلاع علاحدہ کر دیا تو اسکو پندرہ یوم کی تنخواہ مزید دی جائے گی۔

الجواب وباللہ التوفیق:

معلمین کے حق میں جو قوانین وضوابط مقرر کئے گئے ہیں، احقر حرفاً حرفاً ہر ایک سے متفق ہے، ماشاء اللہ اگر ان پر عمل ہو سکے تو مدرسہ طلبہ، استاذ سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہوگا۔(۱)

سبق یاد نہ ہونے پر مالی جرمانہ مقرر کرنا جائز نہیں

ایک مولوی صاحب نے جو یہاں (تھانہ بھون حضرت کے مدرسہ میں) مدرس ہیں طلباء پر سبق یاد نہ کرنے کے جرم میں بلا حضرت کی اجازت ومشورہ کے کچھ جرمانہ مقرر کیا جب حضرت والا کو اطلاع ہوئی تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ آپ نے طلبا پر جرمانہ مقرر کیا؟ انہوں نے اقرار کیا، پوچھا گیا کہ یہ جائز کہاں ہے، انہوں نے یہ کہا کہ مالکوں ہی کو انعام کے نام سے دیا جائے گا۔

حضرت والا نے فرمایا: کسی کے مال کا حبس کرنا اس کی بلا رضامندی کے کب جائز ہے، دوسرے یہ جرمانہ بچوں پر تو نہ ہوا؛ بلکہ ان کے ماں باپ پر ہوا؛ کیوں کہ مال ان ہی کا ہے۔

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۹/ ۵۲

آپ کا کام سکھانے اور سمجھانے کا ہے، نہ یاد کریں مگر آپ نے شریعت کی مخالفت کیوں کی؟ اور میری بلا اجازت یہ کام کیوں کیا؟ آپ کے سپرد جو کام ہے اس کو کئے جایئے بلا پوچھے کوئی نیا کام نہ کریئے۔

علاوہ اس کے اس مدرسہ کے متعلق میرے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ طالبین خدا کے ہوجائیں، اصطلاحی عالم بنانا منظور نہیں ہے، امتحان کے اچھے یا برے ہونے کا مجھے کچھ خیال نہیں آتا۔(۱)

مولانا رشید احمد گنگوہی کا ناپسندیدگی کا اظہار

حضرت امام ربانی کو گوارا نہ تھا کہ بچوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا جائے، اگر کسی صغیر سن بچہ کے پٹنے یا کراہنے کی آواز آپ کے کان میں پڑتی تو آپ بے چین ہوجاتے اور کبھی باپ کے اپنے لڑکے کو زیادہ مارنے کی شکایت آپ سنتے تو آپ کو صدمہ ہوتا اور مناسب الفاظ میں باپ کو نصیحت فرمایا کرتے تھے، مولوی محمد اسماعیل صاحب نے اپنے لڑکے محمد جلیل کو ایک مرتبہ مارا، ان کی پھوپھی نے حضرت سے جا کر شکایت کی، اگلے دن جو مولوی اسماعیل صاحب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا: مولوی اسماعیل ادھر آؤ، مولوی اسماعیل صاحب ہنسنے لگے؛ کیوں کہ سمجھ گئے کہ کل لڑکے کے مارنے کی چغلی کھائی گئی ہے حضرت نے فرمایا کہ ہنستے کیا ہو، ادھر آؤ اور مولوی یحیی تم بھی آؤ (مولوی یحیی صاحب بھی اپنے صاحبزادہ محمد زکریا کو بہت مارتے تھے) اس کے بعد چار پائی پر بیٹھ کر فرمایا: ’’مولوی یحیی میں تم سے مسئلہ پوچھتا ہوں کہ لڑکے کو کس قدر مارنا چاہئے؟ نصیحت کے لئے تو اتنا کافی تھا، اب مولوی یحیی صاحب جواب دیں تو کیا دیں، حضرت نے کئی مرتبہ اس فقرہ کو دہرایا، آخر فرمایا کہ مولوی اسماعیل تم عہد کرو کہ جلیل کے مارنے میں سختی نہ کروں گا اگر عہد نہیں کرتے تو میں جلیل کو گوالیار نہ جانے دوں گا، میں اس کو خود پڑھاؤں گا، کیوں کہ یہ میرا دو وجہ سے عزیز ہے، ایک تمہاری وجہ سے کہ تم میرے عزیز ہو اور دوسرے بھائی عبدالمجید کا نواسہ ہے، آخر

(۱) حسن العزیز: تحفۃ المدارس: ۲/ ۷۷=۸۰

مولوی اسماعیل صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت انشاء اللہ اب ایسا نہ ہوگا، صاحبزادہ حکیم مولانا مسعود احمد صاحب اس وقت حاضر تھے، کہنے لگے: کہ حضرت میں بھی تو سعید کو مارتا ہوں، آپ نے فرمایا: تمہارا مارنا بھی سعید کو مجھے معلوم ہے کہ لڑکے کو اس قدر مارنا نہ چاہئے کہ ایک دو طمانچہ مارنے کا مضائقہ نہیں، اس عجیب نرم انداز پر حضرت امام ربانی نے کئی متعلقین کو بالتخصیص اور عام متوسلین کو علی العموم نصیحت فرمائی۔(۱)

بچوں کو سزا دینے کا طریقہ

شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

اس کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک عجیب سا نسخہ بتایا ہے، اور ایسا نسخہ وہی بتا سکتے تھے، یاد رکھنے کا ہے، فرماتے تھے کہ جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو، یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو جس وقت غصہ آرہا ہو اس وقت نہ مارو، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے مارلو؛ اس لئے کہ جس وقت طبعی غصہ کے وقت اگر مارو گے یا غصہ کرو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے؛ بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے، اور چونکہ ضرورت مارنا ہے، اس لئے مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر مارلو، تا کہ اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے اور حد سے گذرنا بھی نہ پڑے۔

اب پٹائی کا زمانہ نہ رہا

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ارشاد فرمایا: ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ محمد زکریا صاحب قدس سرہ کے دادا شہزادوں کو پڑھایا کرتے تھے، غلطی پر ان کی پٹائی بھی کر دیتے، ایک روز کسی شہزادہ کو مارنے کے لئے قمچی اٹھائی، اس نے قمچی پکڑ لی، پھر چھوڑ دی تو فرمایا: بس بھی اب پٹائی کا زمانہ نہ رہا۔

طلبہ کی تادیب پر ان کی دلداری

فرمایا: میں طلبہ کو سزا کے طور پر کبھی کبھی مار بھی دیا کرتا تھا، لیکن بعد میں اس کی تلافی

(۱) تذکرۃ الرشید

اور دلداری میں کسی کو چار آنے کسی کو آٹھ آنے حسب موقع دیا کرتا تھا، بہت سے طلبہ تو اس انتظار میں رہتے کہ شیخ سزا دیں، تو ہمیں پیسے ملیں گے، جس سے ہفتہ عشرہ کا خرچ چل جائے۔(۱)

طلباء سے خدمت لینے کے شرائط

۱- بچوں سے ایسی خدمت لینا جائز نہیں جس میں والدین کی رضا نہ ہو۔

۲- اور اگر رضا ہو تو جو خدمت بچوں کی طاقت سے باہر ہو، یا خلاف سنت ہو (جیسے تیجہ وغیرہ پڑھوانا) وہ بھی جائز نہیں۔

۳- اگر بالغ ہو تو بشرائط جائز ہے، وہ شرط یہ ہے کہ دلی رضامندی سے جو جبر نہ ہو مگر معلمین ان معاملات میں بہت گڑبڑ کرتے ہیں، اس کا خیال رکھنا چاہئے۔(۲)

طلبہ سے ذاتی کام لینا

عارف کامل حضرت حاجی محمد شریف رحمہ اللہ نے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت میں لکھا کہ تدریس کے زمانے میں طلبہ سے میں کبھی ذاتی کام لے لیا کرتا تھا، اس بارے میں حضرت اقدس کی عجیب تعلیم ہے، میں نے لکھا کہ طلبہ سے کام لیتا ہوں اگرچہ باضابطہ معاوضہ ادا نہیں کرتا تاہم کچھ دے دلا کر انہیں خوش کر دیتا ہوں اس پر حضرت نے تحریر فرمایا:

۱) کیا ان لڑکوں کے والدین کو خبر اور ان کی اجازت ہے؟

۲) کیا معتمد مزدور نہیں مل سکتے ہیں؟

۳) کیا ان کو اتنے ہی پیسے دئے جاتے ہیں جتنے دوسرے مزدوروں کو؟

اس کے بعد میں نے چند نادار مفلس طلباء کے والدین سے اجازت لی اور حضرت کی خدمت میں لکھا کہ آئندہ ان کو اتنا ہی معاوضہ ادا کیا کروں گا جتنا کہ دوسرے مزدوروں کو حضرت نے تحریر فرمایا: جزاکم اللہ وبارک اللہ (۳)

---

(۱) ملفوظات شیخ الحدیث: ۳۹

(۲) کلمۃ الحق بحوالہ تحفۃ المدارس

(۳) اصلاح دل، بحوالہ تحفۃ المدارس

نظام اخراج

طلبہ کا اخراج مدرسین کی ایک منتخبہ جماعت سے مشورہ کے بعد کیا جائے، تنہا مہتمم اخراج نہ کرے؛ ورنہ ان کے لئے دشواری ہوگی۔(۱)

حضرت آدم اور اماں حواء علیہما السلام کا جنت سے اخراج نہ ہوتا تو دنیا کا یہ کارخانہ وجود میں نہ آتا، حضرت موسی علیہ السلام وخضر علیہ السلام کے قصہ سے بہت سے تعلیمی اصول کے علاوہ یہ ضابط اخراج بھی ملتا ہے، بار بار اصول وہدایات کی یاددہانی کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: "قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ" (۲) اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائیگی کا وقت آچکا۔

جسم انسانی میں کسی جگہ کینسر وغیرہ ہوجائے تو بقیہ جسم کے تحفظ کے لئے اس کا آپریشن کرنا بھی پڑتا ہے، اسی طرح بعض طلبہ میں ایسی کوتاہیاں ہوجاتی ہیں ان کی اصلاح کی بھی امید نہیں رہتی، اور اندیشہ ہوجاتا ہے کہ دوسرے طلبہ اس سے متاثر ہوجائیں گے، کسی درجہ صلاحیت باقی ہے اس کی اصلاح پذیر ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

نکالنے کے سلسلہ میں مختلف اکابر کا مختلف ذوق رہا، کسی کے اصول میں کافی سختی ہے اور کسی کے یہاں بہت نرمی کوئی علمی غیرت کا قائل ہے، اور کوئی طلبہ پر شفقت کی طرف مائل ہے، نظماء حضرات کے لئے علاقے کی نوعیت اور اپنے مخصوص رجحان کے اعتبار سے اجتہاد کی گنجائش ہے۔

---

(۱) مدارس دینیہ کے لئے رہنما اصول: ۱۸، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب

(۲) الکہف: ۲۸

اس لئے حضرت والا قدس سرہ (شاہ ابرار الحق صاحب) کے یہاں بھی کچھ اہم کوتاہیوں پر اخراج کیا جاتا تھا اور موجبات اخراج کوتاہیوں کو لکھ کر نقشہ بنا کر آویزاں کر دیا جاتا تھا، تاکہ ان کو دیکھ کر طلبہ محتاط رہیں۔

موجبات اخراج

۱) آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا۔

۲) درسگاہ سے بلا اجازت چلا جانا۔

۳) استاذ سے بے ادبی کرنا۔

۴) بغیر اجازت خود مدرسہ سے باہر جانا۔

۵) سینما دیکھنا۔

۶) آموختہ یاد نہ ہونے پر چھٹی لے لینا۔

۷) تعلیمی یا اخلاقی شکایت بار بار آنا۔

۸) کبار کا متوسطین و صغار سے بات چیت کرنا۔

۹) متوسطین کا حلقہ کبار میں پایا جانا۔

۱۰) بلا عذر معمولات مسجد میں غیر حاضری۔

۱۱) گٹکھا کھانا۔

۱۲) درجہ و مسجد میں مقررہ جگہ پر نہ بیٹھنا۔

۱۳) کسی کی غلطی یا بدعنوانی کی اطلاع طلباء کو کرنا (یہ غیبت ہے اور حرام ہے)۔

۱۴) اپنی مقررہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ رہنا۔

۱۵) پردہ شرعی نہ کرنا۔(۱)

اخراج کاروائی فارم

انسان کی عادت ہے اپنے عیوب چھپانا، دوسروں کے عیب دکھانا، طالب علم چاہے

(۱) حیات ابرار: ۱۶۸۔۱۶۹، مؤلف: محمد فاروق

اپنی کوتاہی و غلطی کی وجہ سے نکلے؛ لیکن اکثر مدرسہ کو بدنام کیا جاتا ہے، اخراج کاروائی اس لئے بنایا گیا کہ جانے والا باضابطہ جائے اور جانبین سے کسی کا حق بھی باقی نہ رہے اور غلط بیانیوں کا حتی الامکان سد باب ہو سکے۔

اجرائی کاروائی فارم

اسم طالب علم............ وطن............درجہ............

نمبر شمار	تفصیل امور	ذمہ دار	دستخط ذمہ دار	دستخط مہتمم
۱	کتابیں وصول کرنا			
۲	طالب علم سے درخواست لکھ کر لینا			
۳	جماعت کی رقم واپس دینا			
۴	دواخانہ کی باقی رقم وصول کرنا			
۵	مدرسہ کا کوئی نقصان کیا ہو تو اس سے لینا			
٦	وجہ اخراج			
۷	رجسٹر میں سے نام خارج کرنا			
۸	طلبہ میں اس کے اخراج کا اعلان کرنا			
				(۱)

طالب علم اگر ہمارے مدرسے سے جانا چاہے، بلا وجہ ہی سہی مثلاً اس کا دل نہیں لگ رہا ہے تو اسے روکا نہ جائے؛ بلکہ ہمارے راضی خوشی تصدیق دے دی جائے اور اس میں لکھ

(۱) معین المدارس: ۱/۱۷، ۲۷

دیا جائے کہ اسے کسی بھی مدرسے میں پڑھنے کی اجازت ہے اور کوئی بھی مدرسہ اسے داخل کرسکتا ہے، ہماری اجازت ہے۔

☆ کسی شرعی وجہ یا سنگین گناہ کے بغیر طالب علم کا اخراج نہ کیا جائے۔

حضرت صدیق احمد صاحب باندوی طلباء کے اخراج کے تعلق سے اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر طالب علم کوتاہی کرتا ہے پہلے اس کو شفقت اور نرمی سے سمجھائیے، اس کا اثر نہ ہو تو تنبیہ کرے، اس کا بھی اثر نہ لے تو مدرسہ کے ذمہ دار کو اس کے حالات سے مطلع کرے، اگر بار بار سمجھانے اور تنبیہ کے بعد بھی اس کی حالت درست نہ ہو تو اس کے سرپرست کو مطلع کردیا جائے کہ یہاں اس کا رکنا مفید نہیں، دوسری جگہ بھیج دیا جائے، ممکن ہے وہاں کچھ حاصل کرلے''(۱)

اور آگے فرماتے ہیں:

''اس وقت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے دائمی اخراج کسی طرح مناسب نہیں، تنبیہا ان کا اخراج کیا جائے، اور مشروط داخلہ کی گنجائش دی جائے، جو طلبہ معافی نامہ داخل کرکے آئندہ کے لئے عہد کریں کہ اس قسم کی مداخلت نہ کریں گے ان کا داخلہ کرلیا جائے، خدانخواستہ پھر اگر وہ اس قسم کی حرکات کا ارتکاب کریں اس وقت ان کا دائمی اخراج کیا جائے''(۲)

یہ بات بھی مناسب سمجھ میں آتی ہے کہ کسی مناسب مدرسہ کی طرف رہبری اور سفارش کردی جائے؛ تاکہ وہ طالب علم ضائع نہ ہو، ڈاکٹر بدلنے، دواخانے بدلنے سے بھی شفایابی

(۱) آداب المعلمین: ۱۴

(۲) تحفہ مدارس: افادات حضرت صدیق احمد صاحب باندوی، مرتب: مفتی زید مظاہری، مکتبہ نعیمیہ دیوبند

کی امید ہوا کرتی ہے، اخراج کا مقصد بھی اصلاح ہے۔

استاذ کی بے اصولی پر معطلی

حضرت والا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ استاذ کی بے اصولی کرنے پر حضرت والا قدس سرہ اپنا معمول ارشاد فرماتے ہیں:

''جب مدرسہ کا کوئی استاذ بے اصولی کرتا ہے اور اپنی غلطی تسلیم کر کے تلافی نہیں کرتا تو اسے فوراً معطل کر دیتا ہوں، یہ نہیں سوچتا کہ جب دوسرا مل جائے تب معطل کر دوں کیوں کہ میں اس بے اصولی اور اس پر اصرار کو اس کی ممات سمجھتا ہوں؛ کیوں کہ حیات اصلی باقی نہ رہی، ....پھر آگے فرماتے ہیں، پہلے میں تو معطل کیا کرتا تھا، اب یہ کرتا ہوں کہ مستقل سے عارضی کر دیتا ہوں؛ کیوں کہ معطل کرنے میں مفاسد زیادہ تھے، اور استاذ کی سبکی تھی، پس مستقل سے غیر مستقل کر دیا جاتا ہے، بے اصولی کے جرم میں استقلال ساقط پھر آنکھیں کھل جاتی ہیں''(۱)

---

(۱) حیات ابرار:۱۷۱

نظام تعطیلات

نظام تعطیلات کا مقصد جیسے جسمانی راحت، صلہ رحمی، آنے والے نئے تعلیمی دورانیہ کے لئے نیا نشاط پیدا ہو، جمعہ کے اعمالِ مسنونہ اور رمضان بقرعید میں لیلۃ الجائزۃ کے معمولات، کثرتِ تلاوت، اہتمام نوافل، خانقاہی نظام میں شرکت، انفرادی اعمال کی تلافی اور یکسوئی سے انجام دہی، حسنِ معاشرت کی مشق اور دعوتِ دین کا کام کرنا ہے۔

اس بات کا شعور پیدا کیا جائے کہ کہ یہ چھٹی مخصوص رسمی نظام سے چھٹی ہے نہ کہ شرعی احکام سے چھٹی ہے اور نہ سنتوں سے رہائی ہے، اپنے باوقار لباس سے آزادی، اخلاق وآداب کی پابندی سے نجات کا نام تعطیل نہیں۔

طلبہ کے لیے نظام تعطیل

اس وقت تعلیمی موانع میں غیر حاضری سب سے بڑا مانع ہے اور اس میں المیہ یہ ہے کہ بچوں کے سر پرستوں کی جانب سے متواتر کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک طرف وہ بچہ کی اچھی معیاری تعلیم وتربیت کے خواہاں ہوتے ہیں اور دوسری جانب بچہ کو خانگی ہر تقریب شادی، عقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں شرکت کی خواہش ہی نہیں کرتے؛ بلکہ اصرار کر کے چھٹی منظور کرانے کے لیے مجبور کرتے ہیں، ضروری ہے کہ اہل مدارس اس سلسلہ میں بھی اپنے ادارہ کے حسب حال کوئی مستحکم لائحہ عمل مقرر فرمائیں؛ تاکہ طلبہ کی غیر حاضری کے بڑھتے ہوئے رجحان پر روک لگ سکے اور بچے اپنے تعلیمی مقصد کے حصول میں آگے بڑھ سکیں۔

۱- مثلاً ماہ یا ڈیڑھ ماہ سے پہلے تعطیل کم سے کم منظور کی جائے، پھر اس میں بھی ایک مرتب نظام ہو کہ جمعرات کی دوپہر سے ہفتہ کی دوپہر تک مثلاً رخصت منظور ہو تو وہ باقاعدہ کسی رجسٹر میں درج ہو، پھر بہ وقت واپسی حاضری ہو، اور وقت واپسی کا اندراج ہو، بہ صورتِ تاخیر مناسب فہمائش کی جائے، وقت مقررہ پر حاضری کی صورت میں حوصلہ افزائی کی جائے۔ غرض پورے تعلیمی سال میں اگر منتظمین اس سلسلہ میں مستعدی و بیداری سے کام لیں گے تو کافی حد تک ہمارے بچوں کے ماحول میں سدھار آئے گا۔

۲- عیدالاضحیٰ، ششماہی یا سالانہ تعطیلات کے موقعہ پر طلبہ کو اجتماعی طور سے اصلاحِ حال کی جانب متوجہ کیا جائے، اگر ہو سکے تو تحریری طور پر کچھ ناصحانہ باتیں لکھ کر ان کے حوالہ کی جائیں، ہم یہاں اسی نوعیت کا مضمون نقل کرتے ہیں جس کا عنوان ہے آپ تعطیل کیسے گذاریں؟ یہ ایک صفحہ کی تحریر ہے جس کی فوٹو کاپی چھٹیوں کے موقعہ

پر جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور (مظفرنگر) میں طلبہ کو تقسیم کی جاتی ہیں، اس طرز تربیت کے بھی مثبت نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں۔

آپ تعطیل کیسے گذاریں؟

عزیز طلبہ! آپ لوگوں کے نفع اور آپ کا مستقبل روشن وتابناک بنانے کے لیے چند مفید باتیں لکھی جاتی ہیں، جن پر عمل کرنا آپ کے ذاتی فائدہ کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی سبق اور نصیحت کا باعث ہوگا۔ انشااللہ۔

☆ پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام تکبیرِ اولی کے ساتھ ایسا ہی ہونا ضروری ہے جس طرح آپ اپنے جامعہ کے دینی ماحول میں کرتے ہیں۔

☆ روزانہ بعد نماز فجر یسین شریف کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کم از کم ایک پارہ ضرور کیا کریں اور صبح شام کی دعائیں بھی معمول میں رکھیں۔

☆ آپ گھر پر رہیں یا کسی قرابت داری میں جانا ہو آپ اپنا لباس ہرگز نہ بدلیں، ٹوپی اور ٹخنوں سے اوپر سلا ہوا پائجامہ جو آپ یہاں استعمال کرتے ہیں وہ باقی رہے۔

☆ یہاں جامعہ میں رہ کر جو آپ نے سیکھا ہے، اسے اپنے اہل خانہ اور قریبی لوگوں کو سکھانے کی کوشش کریں، روزانہ عشا بعد اپنے بہن بھائیوں اور والدین کے سامنے نظامِ تربیت اور سچائی کے ایک سبق کا مذاکرہ کیا کریں۔

☆ آپ کے گھر میں اگر دینی ماحول ہے تو بہتر ورنہ ادب کے ساتھ اپنے گھر کے افراد کے سامنے دینی باتوں، نماز وغیرہ کا مذاکرہ کریں، اور احترام کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیں۔

☆ اپنے گھر کے کاموں کو انجام دینے میں عار محسوس نہ کریں؛ بلکہ محنت وشوق کے ساتھ ہاتھ بٹائیں، ہمارے نبی ﷺ اپنے گھر کے چھوٹے چھوٹے کام خود انجام دے لیتے تھے، آپ لوگ سنت کی نیت سے گھر والوں کا تعاون کریں۔ سمجھ دار اور سلیم الطبع بچے چھوٹی چھوٹی باتوں میں ضد نہیں کیا کرتے، ناز نخروں سے دور رہتے ہیں۔

☆ آپ کا طرز عمل ہرگز ایسا نہ ہونا چاہیے جس سے آپ کے ادارہ اور آپ کے اساتذہ کی بدنامی ہو۔

☆ اپنی دعاؤں میں اپنے جامعہ کو اور اپنے تمام استاذوں کو نہ بھولیں۔ اللہ آپ لوگوں کو سلامت رکھے، اپنے دین کی خدمت واشاعت اور حفاظت کے لیے قبول فرمائے، آمین۔

☆ آج کے اس دور میں طلباء کا اپنے ساتھ فون رکھنا اور خصوصا اس میں انٹرنیٹ کا استعمال یہ طلباء کی تعلیم کے لئے نہایت خطرناک اور سم قاتل ہے، اس لئے طلباء کو اولا تو فون رکھنے سے سختی سے منع کیا جائے، ورنہ کم ازکم انٹرنیٹ کے استعمال پر تو مکمل پابندی ہونا چاہئے۔ اگرچہ انٹرنیٹ کے مفید پہلو بھی ہیں؛ لیکن اس کے نقصانات استعمال کرنے والے کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں۔

تعطیلات میں طلبہ کے لئے ضروری ہدایات

۱) چھٹی کے اعلان پر طلبہ کو خصوصی ہدایتیں کی جائیں اور واپسی پر عمل کرنے نہ کرنے کے بارے میں معلومات کی جائیں۔

۲) قرآن مجید کی تلاوت بلاناغہ کرتے رہیں۔

۳) جمعہ کے دن اپنے بڑوں کی قبروں پر جائیں اور ایصال ثواب کریں۔

۴) اپنے گھر چھوٹوں، بڑوں کے کلمات، نماز سنتیں درست کرائیں۔

۵) جب تک گھر پر رہیں، بہشتی زیور سے عقیدوں کا بیان اور حیات المسلمین سے نماز کا بیان اور حضور پاک ﷺ کی سیرت روزانہ سناتے رہیں۔

۶) جیسا گھر میں کھانے، پینے کے لئے مل جائے خدا کا شکر ادا کرکے کھا پی لیں۔

۷) ناز نخرے نہ کریں، گھر والوں نے تعلیم کے لئے وقت دیا ہے یہی کیا کم احسان ہے؟

۸) قرابت داروں میں زیادہ جانے کی کوشش نہ کریں۔

۹) بلکہ اپنے حفظ کے اساتذہ یا پچھلے اساتذہ سے ملتے رہیں۔

۱۰) بستی میں بھی خواہ مخواہ نہ گھومیں پھریں، کہیں آنا جانا، سخت ضرورت میں ہی ہونا چاہئے۔

۱۱) موقعہ مل جائے تو محلہ کی مسجد میں بھی عقیدے سنایا کریں۔

۱۲) اپنے گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانے میں اپنی توہین نہ سمجھیں۔

۱۳) اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیں۔(۱)

بقرعید کے موقع پر دس دن اور ششماہی کے بعد ۱۲ دن کی تعطیلات رہیں اور سالانہ کے بعد دو ماہ کی تعطیلات ہوں، سالانہ امتحان کے بعد طلبہ کو کتابیں انعام میں تقسیم کی جائیں؛ تاکہ تعطیلات میں ان کا مطالعہ کرسکیں۔(۲)

ہدایات برائے سالانہ تعطیلات

۱) اپنے بچے کے علم سے خود فائدہ اٹھائے اور اسے ترغیب دیجئے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں کو پڑھائے، تمام گھر والوں کی نماز درست کرے۔

۲) روزانہ فضائل اعمال کی تعلیم گھر میں خود طالب علم کرے

۳) اپنے نئے بچے یا کسی اور کے بچے کو مدرسہ میں داخل کرنا ہو تو ۲۰ رمضان سے قبل مدرسہ خط لکھئے اور اس میں اپنے پتہ کے ساتھ ایک جوابی لفافہ بھی ڈالئے اور اس خط میں یہ ضرور لکھئے کہ بچہ کا نام اور عمر کیا ہے اور کیا پڑھا ہوا ہے۔

۴) گھر ہی سے بچہ کے بال استرے یا مشین سے کٹوا کر روانہ کردیں۔

۵) ہر مہینہ بذریعہ خط یا فون بچہ کی خیریت اور تعلیمی کیفیت پوچھتے رہیں۔

۶) دو جوڑی چپل نشان لگا کر بھیج دیں؛ تاکہ محفوظ رہیں۔

۷) ایک اسٹیل کے گلاس پر بڑے حروف میں نام لکھوا کر دیں اور ایک پلاسٹک کی بوتل بھی دیں۔

۸) بچہ کے ساتھ غیر شرعی لباس، استری، ٹیپ ریکارڈ اور ریڈیو اور فون وغیرہ نہ دیں۔

---

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح: ۱۶۴، مہربان علی بڑوتی

(۲) مدارس دینیہ کے لئے رہنما۔ ۱۸، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب

۹) اپنے بچے کا مزاج یہ بنائیں کہ اساتذہ تمہارے خیر خواہ ہیں وہ تمہیں حفظ، عالمیت کے جس درجہ میں بٹھا دیں اسی میں بیٹھو، کلاس بدلنے کا مزاج نہ بناؤ، اس میں بڑا نقصان ہے۔

۱۰) بچہ ناسمجھ اور شکایتی مزاج ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی کسی بھی شکایت کا اس وقت تک اعتبار نہ کریں جب تک اس کی تحقیق نہ کرلیں۔

۱۱) چھٹیوں میں نماز، تلاوت، صبح وشام کی تسبیحات، مسنون دعائیں وغیرہ معمولات کی پابندی کریں۔

۱۲) تضییع اوقات، بری صحبت اور بری مجلسوں سے پرہیز کریں۔

۱۳) بال سنت طریقہ پر کٹوائیں، غیر شرعی بال نہ رکھیں۔

۱۴) غیر اسلامی عادات مثلاً بیڑی، سگریٹ، تمباکو گانا وغیرہ سے بچتے رہیں۔

۱۵) مخرب اخلاق، فحش کتب اور اخبارات ورسائل سے بچیں۔

۱۶) گھر پر بھی اسلامی لباس پہنیں، غیر اسلامی لباس مثلاً پینٹ، شرٹ وغیرہ نہ پہنیں۔

۱۷) ماں باپ کا حد درجہ احترام کریں، ضد اور مختلف چیزوں کی فرمائش بالکل نہ کریں۔

۱۸) غرض کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس پر کوئی حرف آئے یا آپ کی، آپ کے گھر والوں کی اور مدرسہ کی بدنامی ہو۔

۱۹) (private) سواریوں سے ہرگز سفر نہ کریں اس لئے کہ ان میں بے ہوش کر کے گردے نکال لیتے ہیں، سرکاری بسوں میں سفر کریں۔

فارغین کو ۱۵ روزہ چھٹی دینے کے وقت کی ہدایات

(۱) جماعت میں جانے کی پوری تیاری کر کے آئیں، جاتے ہی تیاری شروع کردیں۔

(۲) بقدر ضرورت رقم کا بندوبست کر کے آئیں، بقیہ رقم حسب ضرورت دی جائے گی یا منگا لیا کریں۔

(۳) سامان وکتابیں زیادہ نہ لیں۔

(۴) گھر پر اعمال کی پابندی کریں، گھر میں سیکھنا سکھانا جاری رکھیں۔

(۵) آنے کے بعد بقیہ اسباق کی تکمیل ہوگی، خطبے یاد کر کے آئیں۔

(۶) اپنے وطن میں حتی الامکان نماز پڑھانے کی کوشش کریں۔

(۷) بستی کی مسجد میں اگر جماعت آئی ہوتی ہے تو تعلیم کرائیں۔(۱)

---

(۱) معین المدارس: ۱۳۷، ۱۴۲، مؤلف: محمد شاکر صاحب

نظام (دارالاقامۃ)

یقینا مجاہدہ کے بغیر ہدایت اور علم کا حصول نہیں ہوسکتا، "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" اسلافِ امت کی مجاہدانہ طالبعلمی ہمیشہ کہی اور سنائی جاتی رہتی ہے، ہر زمانہ کے جسم، قُویٰ مختلف ہوتے ہیں، اگر گذشتہ زمانے کی غذائیں اور مکانات میں اس زمانے کے طالب علم کو دی جائے تو بجائے تعلیم وتعلم کے علاج ومعالجہ میں وقت گذر جائے گا، سہولت پسندی اور راحت طلبی موجودہ زمانہ کا وطیرہ بن چکا ہے، اسبابِ راحت کے ساتھ بھی دینی علم کی طرف اگر کوئی متوجہ ہوتا ہے تو بسا غنیمت ہے، ذیل کے مضمون سے اندازہ ہوگا کہ اکابرین طلبہ کے لئے کس قدر راحت رسانی کا خیال رکھتے تھے، جلسہ کے اخراجات، مخصوص واردین اور اہم مہمانوں پر جس قدر محنت اور خرچ کیا جاتا ہے بالعموم اس قدر ان چیزوں کا اہتمام نہیں کیا جاتا، حالانکہ ساری کدوکاوش کا محور طلبہ ہیں، مسئلہ وسائل اور مالیہ فراہمی کا نہیں عدم دلچسپی اور ترجیحات کی ترتیب کا ہے، سنت الٰہی یہ ہے کہ ان انتظامات میں ذمہ داران مدارس اگر نیت اور ہمت باندھ لیں، مخیرین اور محسنین کو متوجہ کریں تو اللہ ضائع نہیں فرماتے " أَنِّيْ لَاْ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ " (البقرۃ: ۱۹۵) تجربہ یہ ہے کہ ایسے ماحول میں رہنے والا طالب علم صفائی پسند، سلیقہ مند بنتا ہے، نہ کہ بے ڈھنگا اور بدتہذیب۔

انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کی ضروریات کو دوسری تمام ضروریات پر حتی کہ تعمیری غیر اہم ضروریات پر بھی مقدم رکھیں، پانی ،بجلی کی کبھی کمی نہ ہونے دیں، ایسی جگہ مدرسہ قائم کریں جہاں بس یا ٹرین کی سہولت ہو،بجلی پانی کا انتظام ہو، پانی میٹھا ہو،ہسپتال ہو، بازار ہو، نائی دھوبی کا نظم ہو،مسلم آبادی طاقتور ہو،ڈاک خانہ ہو،تھانہ،سب کے باوجود وہ کوئی بڑا ترقی یافتہ شہر نہ ہو۔

کمرے صاف ستھرے ہوں اور ایک کمرے میں چھ طلبہ سے زائد نہ ہوں ، کسی طالب علم کو تنہا ایک کمرہ نہ دیں،طلبہ کو شہر میں کرائے پر کمرہ لے کر نہ رہنے دیں۔

جنریٹر کا انتظام

حضرت ہردوئی کے مدرسہ کے تعلق سے مذکور ہے:

طلباء کی سہولت کی وجہ سے ہی مدرسہ میں جنریٹر کا معقول انتظام تھا اور ایک جنریٹر کے بجائے دو دو جنریٹر کا انتظام رہتا کہ خدانخواستہ ایک خراب ہوجائے تو دوسرا موجود رہے، بروقت اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے، جنریٹر چلانے کے لئے ایک مستقل ملازم رکھا گیا،جس کی رہائش کا انتظام جنریٹر روم کے متصل کیا گیا،تا کہ جنریٹر چلانے میں معمولی تاخیر بھی نہ ہو،بجلی کسی وقت بھی غائب ہو،دن میں یا رات میں فوراً جنریٹر چلا دیا جاتا ہے،تاکہ اساتذہ،طلباء کو بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ادنی درجہ کی بھی تکلیف نہ ہو۔

دارالطلبہ میں بجلی کا معقول انتظام

مدارس میں عموماً درسگاہوں میں بجلی کا اہتمام رہتا ہے، دارالطلبہ کی طرف زیادہ توجہ نہیں رہتی ،اوراگر بجلی کا انتظام ہوا بھی جنریٹر کی روشنی کا عموماً دارالطلبہ میں اہتمام نہیں ہوتا،مگر حضرت اقدس سرہ کے یہاں دارالطلبہ میں روشنی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا کہ جنریٹر کی روشنی

جس طرح مسجد و درسگاہوں میں پہنچتی اسی طرح دار الطلبہ میں بھی یہ سہولت برابر میسر تھی۔

دار الطلبہ میں کولر کا انتظام

دار الطلبہ میں پنکھوں کے ساتھ ساتھ کولروں کا بھی انتظام کیا گیا تھا، اور یہ سہولت تمام طلباء کے لئے میسر تھی۔

ٹھنڈے پانی کا انتظام

گرمی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی کا بھی معقول انتظام رہتا، اس کے لئے ٹھنڈے پانی کی مشینوں کا انتظام کیا گیا تھا، جن میں چوبیس گھنٹے ٹھنڈے پانی کی سہولت میسر رہتی اور مشینیں اس طرح رکھی گئی تھیں کہ دار الطلبہ میں رہنے والے اور درسگاہوں میں پڑھنے والے برابر بسہولت ٹھنڈا پانی استعمال کرسکیں۔(۱)

گرم پانی کا انتظام:

ساتھ ہی ساتھ اگر ہوسکے نہانے اور پینے دونوں کے لئے گرم پانی کا انتظام بھی موسم کے لحاظ سے ہوتو زیادہ بہتر ہوگا۔جیسا کہ مفتاح العلوم میل وشارم وغیرہ میں اس طرح کا انتظام ہے۔

دھوبی کا نظم

بعض مدارس میں دھوبی کا بھی نظم ہے، اس میں بچوں کی سہولت بھی ہے اور یکسوئی بھی ہوجائے گی۔

نائی کا نظم

اسی طرح اگر مدرسہ بڑا ہوتو نائی کا انتظام بھی جمعہ کے دن یا مہینہ میں ایک دفعہ ہوجائے تو طلبہ کو باہر جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

مہمان خانہ

مدرسہ میں مہمان خانہ بھی جہاں مہمانوں کے لئے ٹھہرنے کا نظم ہوسکے، مرد وخواتین

---

(۱) حیات ابرار:۱۳۶

اور بچوں کے اولیاء کے لئے علاحدہ انتظام ہو، رہنے سہنے، بستر سمیت کھانے وغیرہ کا نظم بھی ایک متعینہ مدت کے لئے اس میں ہو۔ جیسے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس اسلامیہ میں ہے۔

اس حوالہ سے مفتی زین الاسلام فرماتے ہیں:

''مدرسہ میں جو رقوم آتی ہیں، اگر معطیین کی طرف سے کسی مصرف مثلاً تعمیر، کتابوں کی خریداری وغیرہ کی صراحت کردی گئی ہے، تو ان رقوم کو انہی مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے: ''فإن شرائط الواقف إذا لم يخالف الشرع، وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية'' (۱) نیز عام عطیات اور صدقاتِ واجبہ جیسی واجب التملیک رقومات کو غریب طلبہ پر خرچ کرنا ضروری ہے، البتہ عام عطیات کی مد میں آئی ہوئی رقم سے ضرورت کے موقعے پر مہمانوں کے کھانے پینے کا وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ بات انتہائی قابل لحاظ رہے کہ مدرسے کے فنڈ سے انہی مہمانوں کی خاطر تواضع کی گنجائش ہے، جو خاص مدرسہ کے کام کے لئے آئے ہوں، اپنا ذاتی کام یا کسی دوسرے مقصد سے، اگرچہ دینی ہو جیسے تبلیغ واصلاح وغیرہ کے لئے آنے والوں کو مدرسہ کی رقم سے کھانا کھلانا شرعاً جائز نہیں (۲) البتہ کسی مہمان کے اعزاز میں مہتمم صاحب یا ان کے حکم سے بعض اساتذہ کھانے میں شریک ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر مدرسے کے کام کے لئے مہمان کے ساتھ سفر درپیش ہو اور مہتمم یا اساتذہ کی معیت بھی ضروری سمجھی جائے تو مدرسے کے خرچ پر سفر کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن کفایت شعاری بہرحال ضروری ہے۔ (۳)

مہمانوں کی ضیافت

(۱) غالب یہ ہے کہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہوتی ہے، اس لئے

---

(۱) الدر مع الرد، کتاب الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرۃ ما لم تخالف الشرع: ۶/ ۵۲۷

(۲) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۲۳/ ۵۳، احکام المدارس

(۳) چند اہم عصری مسائل: بیع اجارہ اور وقف کے مسائل: ۲۹۲

اپنے پاس سے خرچ کرنا لازم ہے۔

(۲) مخصوص مہمان کی ذات سے مدرسہ کو معتد بہ نفع کی توقع ہو تو درست ہے، ورنہ مہتمم واہل شوری اپنے پاس سے خرچ کریں۔(۱)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (۲)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبني من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به (۳)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

اگر مدرسہ کو نفع کی توقع ہو اور چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتا یا دلالۃ اجازت اور رضامندی ہو تو مہمانوں کی ضیافت مدرسہ کی جانب سے کرنا درست ہے، یا مدرسہ میں باضابطہ ضیافت کا الگ فنڈ ہو تو اس فنڈ سے کرنا درست ہے، ورنہ ذمہ دار اپنی جیب سے خرچ کرے۔(۳)

کیمرہ نصب کرنا

آج کل ایک کیمرہ رائج ہے، جس کو عام اجتماع گاہوں مثلا بڑے بڑے ہوٹلوں، ہسپتالوں، اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور شہر کے چوراہوں وغیرہ پر نصب کیا جاتا ہے، اور اس کا کنکشن چھوٹی اسکرین پر کیمرہ کی زد میں آنے والے تمام افراد کی تصاویر نظر آتی ہیں، اور اس کے ذریعہ متعلقہ اشخاص کی نقل وحرکت پر مکمل نظر رکھی جاتی ہے، اور ایک متعینہ مدت تک اس نقل وحرکت کو ریکارڈ کیا جاسکتا ہے، جسے بوقت ضرورت آن کر کے دیکھا جاسکتا ہے، اور یہ چیز بظاہر چوری، خیانت، ایذارسانی اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کا عمدہ سامان ہے، تو اب

---

(۱) مستفاد فتاوی رحمیہ: ۶/ ۸، جدید زکریا: ۹/ ۹۶

(۲) شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا: ۶/ ۶۶۵

(۳) مستفاد فتاوی رحمیہ: ۶/ ۸۷ زکریا، ۹/ ۹۶، البحر الرائق: کتاب الوقف، زکریا: ۵/ ۳۶۰

سوال یہ ہے کہ اس کیمرہ کو کسی اسلامی درسگاہ وغیرہ میں نصب کر کے طلبہ کرام پر نظر رکھ کر متعلقہ فوائد حاصل کرنے اوران کی لایعنی مصروفیات اور غیر قانونی حرکات پر کنٹرول کرنے کے ارادہ سے استعمال میں لانا شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے، اوراس کے استعمال کی کہاں تک گنجائش ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

جس کیمرہ کا سوال نامہ میں ذکر ہے، مالی نقصان سے بچنے کے لئے دفع مضرت کے طور پر اس کی گنجائش ہے، لیکن مدارس اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں یہ کیمرہ لگانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اکابر ومشائخ کے طریقہ کے خلاف ہے، اورطلبہ کی اخلاقیات پر نظر رکھنے کے لئے اس قدر تجسس کے ہم مکلف نہیں ہیں، اور مدارس اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں مالی نقصان اورحقوق العباد کے تلف ہونے کا ایسا خطرہ نہیں ہے، جس کے لئے ایسے تجسس کے کیمرے کے لگانے کی ضرورت ہو؛ لہٰذا مدارس اسلامیہ کو ایسے کیمروں سے پاک رکھا جائے۔(۱)

دو پہلو غور طلب ہیں، ایک ان کی تربیت، اساتذہ کرام کی نگرانی اس مقصد کے لئے تو شاید مناسب نہیں ہے، خلوت وجلوت کا تقوی، استحضار واحسان کی کیفیت، ترغیب کا ماحول، وقتاً فوقتاً ایمانی مذاکرے ہی اس کے لئے مفید رہے ہیں، اب بھی ہیں، کسی بھی قانون کے نفاذ کا پہلا قدم یہ ہی ہونا چاہئے، دوسرا پہلو حکومتی قوانین، ناگہانی حوادث، دشمنوں، بدخواہوں کی شرانگیزی، کسی طالب علم یا استاذ کا لڑائی جھگڑے میں انتہائی اقدام، قتل وموت، غیر معمولی زخم وغیرہ کے موقعہ پر یہ کیمرے مدرسہ کی حفاظت، واقعہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ کرنے میں معاون بنتے ہیں۔

اس سلسلہ کا ایک اور فتوی ہے:

مدارس میں پڑھنے والے طلبہ قوم وملت کی امانت ہیں، انہیں زیور علم سے آراستہ کرنا اوران کی دینی واخلاقی تربیت کرنا یقیناً اہل مدرسہ کی ایک اہم ذمہ داری ہے، اوراس کے لئے

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۱۹، حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب قاسمی، مکتبۂ اشرفیہ، دیوبند، الہند

جو بھی مناسب طریقہ اختیار کیا جائے حدود شریعت میں رہے نہ کہ صرف جائز؛ بلکہ مستحسن ہے، طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے ان کی دیکھ بھال اور نگرانی ایک اہم کام ہے، اس لئے اگر انہیں لڑائی جھگڑے سے بچانے، غلط کاموں اور برائیوں سے سے دور رکھنے اور بہتر ومناسب تربیت میں کیمرہ لگانا مفید ومعاون ہوتو کیمرہ لگانا جائز ہے؛ کیوں کہ کیمرے میں آنے والی شکل جب تک اسے کسی چیز پر پرنٹ آوٹ نہ کرالیا جائے تصویر کے دائرہ میں نہیں آتی، اس کی مثال شیشے میں نظر آنے والی شکل کی ہے، جسے تصویر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا اس میں بچوں کی نگرانی کے ساتھ مسجد کی چیزوں کی حفاظت بھی شامل ہوجاتی ہے، اس لئے گویا یہ مسجد اور مدرسہ اس کی چیزوں کی نگرانی اور حفاظت کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

البتہ طلبہ کے ہاسٹل میں خصوصاً وہ طلبہ جو بڑے ہیں اور لنگی وغیرہ پہن کر سوتے ہیں تو ان کے کمروں میں کیمرے کا استعمال محل نظر ہے، کیونکہ نیند کی حالت میں انسان کس حالت میں رہتا ہے اور جسم کے کون سے اعضاء کس حالت میں رہتے ہیں انسان کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور وہ چیز کیمرے میں قید ہوجاتی ہے، قرآن مجید میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ عشاء کے بعد کوئی شخص کسی کے کمرے میں بلا اجازت داخل نہ ہو کیوں کہ وہ کمرے میں کس حال میں ہے باہر والے کو کیا معلوم؟، بغیر اجازت داخلہ کی ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ اس کی پردہ پوشی باقی رہے اور کسی کی نظر نہ پڑے۔

اس لئے کلاس، روم اور گراؤنڈ وغیرہ میں کیمرے لگانا تو درست ہے، مگر رہائشی کمروں اور ہاسٹل میں لگانا عام حالات میں درست نہیں ہے، اس میں احتیاط کی سخت ضرورت ہے۔

ہاں اگر بچوں کے بگڑنے کا سخت اندیشہ ہو اور تجربات سے معلوم ہو کہ اس کے ذریعہ طلبہ کے غلط کیرکٹر یا گندی حرکتوں پر پابندی لگ سکتی ہو تو گنجائش ہے، کیوں کہ اس میں خود ان بچوں کی دینی وجسمانی حفاظت مقصود ہے۔(۱)

(۱) کتبہ العبد محمد زبیر الندوی، مرکز البحث والافتاء الجامعۃ الاسلامیۃ اشرف العلوم نالاسوپارہ ممبئی انڈیا

نظام دواخانہ

دواخانہ/شفاخانہ کے امور

۱۔ بیمار کے لئے ایک روم متعین کریں جس کا نام دارالمرضی وغیرہ رکھیں۔

۲۔ اذن الاستراحۃ نامی ایک کارڈ تیار کریں؛ تاکہ طلبہ بہانہ بازی نہ کرسکیں۔

۳۔ ایک استاذ دواخانہ کے ذمہ دار طئے ہوں اور ان کے ماتحت چند طلبہ معاون ہوں۔

۴۔ اذن الاستراحۃ کے بغیر کسی طالب علم کو دارالمرضی میں سونے کی اجازت نہ دیں، جس مریض کو اذن الاستراحۃ دیں اس کی فہرست بنائیں، اس فہرست کے مطابق ہیں یا نہیں دیکھیں اور شفایاب ہونے کے بعد فوراً ان سے اذن الاستراحۃ لے لیں، متعدی بیماریوں کی روک تھام کے لئے مناسب قدم اٹھائیں جیسے نائٹہ وغیرہ۔

۵۔ نادار اور مفلس طلبہ جو اپنی جیب سے دوائیاں منگا نہیں سکتے ان کو مدرسہ سے دوائیاں منگا کر دیں۔

۶۔ چلتے پھرتے بیمار طلبہ کا جائزہ لیں۔

۷۔ جو طلبہ اچھے ہونے کے باوجود بھی دارالمرضی میں پڑے رہتے ہیں ان کو کلاس میں بھیج دیں۔

۸۔ بیمار طلبہ کا جو کھانا ان کے لئے مناسب ہے فکر سے ''دارالمرضیٰ'' پہنچائیں، کھانے کے بعد فکر سے کھانے کے برتن روم یا دارالطعام میں پہنچائیں۔

۹۔ طالب علم اگر بہت ہی بیمار ہے تو اس کو دفتر کی اجازت سے گھر روانہ کریں۔

۱۰۔ بیمار طلبہ کے کھاتے میں روپیئے جمع ہیں تو ان روپیوں سے ان کا علاج کریں، زیادہ کی ضرورت پڑے تو اپنی جیب یا مدرسے سے دے کر علاج کرائیں، پھر ان کے سرپرستوں سے وصول کریں۔

۱۱۔ دار المرضی کی صفائی پر زیادہ توجہ دیں۔

۱۲۔ بیمار طلبہ کو با جماعت نماز پڑھوائیں، چاہے دار المرضی میں ان کی علاحدہ جماعت کرنا پڑے۔

۱۳۔ بیمار طلبہ کو ڈاکٹر کے مشورہ سے پینے کے لئے گرم پانی دیں اور بار بار بیماروں کی تحقیق کر کے صحت یاب ہونے پر ان کو کلاسوں میں بھیج دیں۔

۱۴۔ دوائیوں کی حفاظت کریں۔

۱۵۔ ہر طالب علم کا مکمل ڈاکٹری ریکارڈ رکھیں۔(۱)

نقشہ

إذن الاستراحة

تاریخ: ....

مریض کا نام:.....................

شعبہ: ....

مرض: ....

مدت:........................تک ہے

دستخط ذمہ دار دواخانہ:............

دستخط ذمہ دار شعبہ...............

دستخط استاذ:.....................

---

(۱) معین المدارس:۱/۲۲۰،مؤلف محمد شاکر خان صاحب قاسمی،مکتبۃ بیت العلوم

نظام صحت

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کے طلباء کی تیمارداری اور معالجہ

طلباء کے لئے دوا دارو اور معالجہ کا بہترین انتظام کیا جاتا، بیمار طلبہ کے لئے مستقل کمرہ کا دار الشفاء یا دار المرضی کے نام سے انتظام تھا، تاکہ بیمار طلبہ کی پوری دیکھ بھال کی جاسکے، اور ان کی عیادت نیز معالجہ کا معقول بندوبست ہوتا، ڈاکٹر کو دکھایا جاتا، یا بلایا جاتا اور بہترین علاج کرایا جاتا، پرہیز کا معقول انتظام ہوتا اور بیمار طلباء کی پوری دلجوئی کی جاتی، خود حضرت والا قدس سرہ بار بار عیادت کے لئے تشریف لاتے جس کی وجہ سے اساتذہ کرام اور طلباء بھی عیادت کے لئے بار بار حاضری دیتے، عیادت کے فضائل بیان کئے جاتے، تاکہ زیادہ سے زیادہ عیادت کی سنت پر بھی عمل ہوجاتا اور بیمار طلباء کی دلداری بھی ہوجاتی کہ شاید ان کے گھر پر بھی ایسا علاج اور ایسی تیمارداری نہ ہو پاتی۔

مستطیع طلباء سے ان کے مصارف بھی وصول کئے جاتے، تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت انتہائی شفقت کے ساتھ کی جاتی، بچے اس شفقت کے سائے اپنے والدین کی شفقت کو بھول جاتے۔(۱)

حفظان صحت کا خیال

اللہ تعالی نے انسان کو جو زندگی عطا فرمائی جو جسم عطا فرمایا، عطیہ خداوندی ہے، انسان اس کا مالک نہیں ؛ بلکہ امین اور محافظ ہے، انسان کے ذمہ اپنے نفس کی حفاظت ضروری قرار

(۱) حیات ابرار: ۱۳۵ محمد فاروق صاحب، مکتبہ شاہ ابرار الحق، میرٹھ

دی گئی ہے، ”إن لنفسک علیک حقا“توکل علی اللہ کے ساتھ ساتھ حفظانِ صحت کا خیال اوراس کی رعایت اس کے اصول کی رعایت حضرت والا قدس سرہ کو جس قدر کرتے ہوئے دیکھا کسی اور کو نہیں دیکھا۔

دوا، غذا کا پورا پورا خیال، معالج کے احکام کی پوری پوری رعایت جتنی حضرت والا قدس سرہ فرماتے تھے، کسی اور کو نہیں دیکھا، شب وروز میں جتنی دوائیاں استعمال کی جاتی تھیں، دداؤں کی شیشوں پر ان کا نام لکھا جاتا، ان پر استعمال کا وقت لکھا جاتا، ایک کاغذ پر اس کا نقشہ بنایا جاتا، وہ نقشہ ایک دفتی پر چپکا کر نشست گاہ کے بالکل قریب رکھا جاتا، جس پر آسانی سے نظر پڑ جائے، اسی کے مطابق دواؤں کا پورا اہتمام فرماتے، یہی احتیاط غذا کے بارے میں بھی فرماتے، معالج نے جو غذا تجویز فرمادی اس کی بھی پوری پوری رعایت فرماتے اوراس کے خلاف کرنا ہرگز گوارا نہ فرماتے۔(۱)

مریض طلباء کے لئے ہدایات

مریض طلباء کے لئے اہل دفتر کی خاص ہدایت تھی۔

(۱) تعلیمی گھنٹی سے مریض طلباء دارالشفاء میں آرام کریں گے۔

(۲) بعد عصر مریضوں کو چبوترہ پر منتقل کیا جائے۔

(۳) مریضوں کی منتقلی کے بعد دارالشفاء کو مقفل کردیا جائے۔(۲)

ورزش

مدارس دینیہ میں ورزش کا انتظام ہونا ضروری ہے، بہتر یہ ہے کہ ایک ماسٹر مقرر کرلیا جائے، جو ہر جماعت کے طلبہ کو ان کی عمر کے لحاظ سے ایک کھلے میدان میں مختلف ورزشیں یا کھیل کھیلنے کی ترغیب دے کر ورزش کرائے، کھیل وہ سکھلائے جن میں ورزش کے ساتھ ساتھ دفاع کا پہلو بھی ہو جیسے لاٹھی چلانا، کبڈی یا فٹبال، والی بال، بچوں کو تیرنا اور سائیکل

---

(۱) حیات ابرار رحمہ اللہ: ۱/ ۵۱۹، مؤلف محمد فاروق صاحب، مکتبہ میرٹھ

(۲) حیات ابرار: ۱/ ۱۸۰، مؤلف محمد فاروق صاحب

چلانا بھی سکھانا چاہئے، نیز طلبہ کو حفظان صحت کے موٹے موٹے اصول بھی بتلانا چاہئے، اور مضر اغذیہ اور مضر عادات سے واقف کرا کر اس سے بچنے کی ہدایات بھی دیں۔

جسمانی صحت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کی حفاظت وتقویت کے لئے متعدد حدیثوں میں آیا ہے: ”المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف“ قوت اللہ کے یہاں چونکہ محبوب و پسندیدہ چیز ہے، لہٰذا اس کو باقی رکھنا اور جو چیزیں قوت کو کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ومحمود ہیں، اس لئے نظام تربیت کا ایک شعبہ ورزش اور کھیل کود کا رکھا گیا ہے۔

طریقہ عمل: خالی اوقات میں سبھی طلبہ کھیلتے ہیں، فجر بعد اور عصر بعد باقاعدہ استاذوں کی نگرانی میں کھیل کود اور ورزش کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مدت عمل: پورے سال۔ گرمی سردی کے موسم کے اعتبار سے جزوی ترمیم ہوجاتی ہے۔(۱)

ورزش سے متعلق امور

☆ بچوں کی دو جماعتیں بنائیں، ایک ورزش کی، دوسری صفائی کی اور ہفتہ واری بدلیں۔

☆ فجر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کے وقت بچوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں، ایک طرف ورزش کرنے والوں کو بٹھائیں اور دوسرے طرف صفائی والوں کو بٹھائیں۔

☆ دعا کے بعد پہلے ورزش والوں کو چھوڑ کر میدان میں صفیں بنوائیں پھر صفائی والوں کو چھوڑیں تاکہ خلط ملط نہ ہو۔

☆ چھوٹے بچوں کو آگے اور بڑے بچوں کو پیچھے کھڑا کریں

☆ ورزش کے ہر اسٹیپ کا فائدہ بچوں کو بتائیں۔

☆ دو چار بچوں کی نگرانی کے لئے طئے کریں اور درمیان میں نگرانی کروائیں؛ تاکہ بچہ ہر اسٹیپ کو پوری طریقہ سے ادا کرے۔

☆ ورزش کے اندر جو اسٹیپ ہیں اس کو ترتیب کے ساتھ نمبر وار ادا کریں۔

---

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح؟: ۱/ ۱۲۲

☆ ورزش کے بعد بچوں کی حاضری لیں۔

☆ جو طلبہ ورزش میں حاضر نہ ہوں ان کا نام لکھ کر عشاء کے بعد تمام طلبہ کے سامنے سزا دیں۔(۱)

اس کے احکام وآداب جاننے کے لئے ہماری کتاب ''مسنون معاشرت'' جلد ۲، ص: ۳۹۵، مناسب سمجھیں تو کبھی کبھی طلبہ کو سنا دیا کریں۔

(۱) معین المدارس: ۲۱۲

نظام ملازمین

ملازمین میں دیانت دار، نماز کے پابند اور داڑھی والے اور اسلامی لباس پہننے والے رکھنا چاہئے اور ان کو لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو۔(۱)

مدرسہ کی چیز ضائع نہ کریں

حضرت ہردوئی ارشاد فرماتے ہیں: جس جگہ بیٹھے ہو وہاں سے جب اٹھ کر جاؤ تو دیکھ لینا چاہئے کہ پنکھا تو نہیں چل رہا، بتی تو نہیں جل رہی ہے، اگر جل رہی ہے تو بند کر دے، ورنہ مدرسہ کے مال کا ضیاع ہوگا، مدرسہ کا نقصان نہ کرے، ہم کو مدرسہ سے کتنا نفع ہو رہا ہے؛ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کو نقصان نہ پہنچائے، اس کی چیزوں کی حفاظت کرے، ضائع ہونے سے بچائے۔(۲)

غیر تدریسی عملہ کے لئے چند امور

۱- ایک مدرس یا ملازم ہمارے ادارے میں اندازاً تیس سال خدمت انجام دیں گے۔

۲- رٹائر ہونے تک ہر ایک کی تنخواہ دوگنی ہو جائے گی۔

۳- رٹائر ہونے پر اگر مزید کام کرنا ہے اور ان میں طاقت و ہمت ہے تو ان کی درخواست پر اہل شوری کی رضامندی و اجازت سے مزید خدمت انجام دے سکتے ہیں؛ لیکن رٹائرمنٹ کے وقت جو تنخواہ تھی وہی رہے گی۔

---

(۱) مدارس دینیہ کیلئے رہنما اصول: ۱۹

(۲) مجالس محی السنۃ: ۱۱۵

۴- یہ جو نظام بنایا گیا ہے ایک ضابطے اور اطمینان کے لئے ہے؛ لہٰذا اس بات کا اطمینان رکھیں کہ مہنگائی وغیرہ ہنگامی ضرورت کے وقت مشورہ کر کے اس میں اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

۵- اضافہ میں پانچ سال کے وقفے بنائے گئے ہیں مثلاً: ستائیس سو روپئے تنخواہ والے کے پانچ سال تک ہر سال ۶۰ روپیئے بڑھیں گے۔

۶- چوتھے درجے کے ملازمین کی تنخواہ چوں کہ کم ہوتی ہے؛ لہٰذا اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اخیر میں ان کی تنخواہوں میں قدرے اضافہ ہو۔

ملازمین کے درجات

پہلا درجہ: ذہنی ٹیکنیکل، طباخ بھی اسی میں داخل ہیں۔

دوسرا درجہ: ذہنی کام میں دوسری سطح کے لوگ آفس کلرک وغیرہ۔

تیسرا درجہ: مزدور طبقہ میں معمر پرانے قسم کے لوگ۔

چوتھا درجہ: لیبر (مزدور طبقہ نیا عملہ) مثلاً صفائی، باغیچہ، مطبخ، برتن دھونا، دسترخوان وغیرہ۔

ہدایات برائے غیر تدریسی عملہ

۱- ہفتہ میں ایک دن کی چھٹی ملے گی۔

۲- اتفاقی رخصت سالانہ پندرہ روز ملے گی۔

۳- سالانہ ایک ماہ کی تعطیل ملے گی؛ لیکن مدرسہ کے تقاضے کو پیش نظر رکھ کر تقدیم وتاخیر کے ساتھ دی جائے گی۔

۴- ہفتہ واری چھٹی طئے شدہ ایام ہی میں ملے گی۔

۵- ہنگامی مشورہ کے وقت قبل از وقت بھی آنا پڑے گا اور بعد وقت بھی رہنا پڑے گا اوور ٹائم کا معاوضہ نہیں ملے گا۔

۶- اہلیہ نہ ہو تو پانچ روز مفت کھانا کھا سکتے ہیں، اس کے بعد پانچ روپیہ مثلاً فی وقت خرید

کر کھائیں۔

٧- کبھی کام میں کوتاہی نہ ہو، ناراضگی نہ ہو، ناراضگی کے باوجود ایسا کام کرتے ہیں اور جو کچھ شکایت ہو وہ ذمہ داروں کے ماہانہ مشورے میں پیش کی جائے۔

٨- جس کام میں لگادیں قبول کرلیں۔

٩- تقرر کے لئے بستی کے ذمہ داروں کے نام پتے اور تصدیق ضروری ہے؛ تاکہ بوقت ضرورت ان سے رابطہ قائم کیا جاسکے۔(١)

ہدایات خصوصی برائے عملہ مدرسہ

١۔ عملہ کا ہر شخص باوضو رہنے کی کوشش کرے۔

٢۔ جب خدمات سے کچھ وقت خالی بچے تو ذکر واذکار میں مشغول رہیں۔

٣۔ کسی کو کچھ پریشانی لاحق ہو تو آپس میں ایک دوسرے سے تذکرہ نہ کریں؛ البتہ مہتمم سے کہہ سکتے ہیں۔

٤۔ کام کے بارے میں ایک دوسرے کا تعاون اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔

٥۔ صفائی درجوں کی ہو یا کہیں کی سب پڑھائی سے قبل ہونی چاہئے بعد میں نہیں۔(٢)

---

(١) معین المدارس:١/ ١٥٦،مؤلف:محمد شاکر خان صاحب قاسمی

(٢) حیات ابرار:١٧٢

نظام مطبخ

مقامی طلبہ یعنی اصحاب صفہ کا قیام وطعام

درسگاہ نبوت میں مقامی اور بیرونی قسم کے طلبہ تعلیم وتربیت حاصل کرتے تھے اور دونوں کے قیام وطعام کا جداجدا انتظام تھا، اور دونوں یعنی اصحاب صفہ کا دارالاقامہ مسجد نبوی اور اس کا صفہ تھا اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ان کے کھانے کا انتظام کرتے تھے، ان کی تعداد بیک وقت عام طور سے ساٹھ ستر ہوا کرتی تھی۔

شروع میں اصحاب صفہ کے کھانے کا کوئی مستقل نظم نہ تھا، پھر بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھانے کا یوں انتظام فرمایا کہ انصار کو حکم دیا جس شخص کے یہاں دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرے شخص کو لیجائے اور جس کے یہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچ چھ شخصوں کو لے جائے، نیز انصار نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے یہاں ایک ایک، دو دو آدمیوں کو بھیج دیا کریں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ص حابہ سے طلبہ کے خورد ونوش کا انتظام کیا، اموال بنی نضیر، اموال بنی قریظہ، اموال خیبر اور اموال فدک میں آپ کے خاص حصے تھے، جن میں فقراء ومساکین، مسافر اور وفود عرب کے حصے مقرر تھے۔

انصار میں حضرت سعد بن عبادہ بن دلم اصحاب صفہ اور وفود عرب کے قیام وطعام میں سب سے آگے تھے، زمانہ جاہلیت سے ان کے باپ دادا اور وہ خود جود وسخا میں مشہور تھے، روزانہ ان کے بالاخانہ سے اعلان کیا جاتا تھا کہ ”من أحبّ الشحم واللحم فليأت أطعم دلم“(۱)

(۱) البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر: ۱۳/ ۲۱۹

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ آنے کے بعد سعد بن عبادہ کے یہاں سے آپ کے پاس کھانے کے طبق آیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شام کو ہمارے پاس تشریف لاتے، اور ایک صحابی کے ساتھ ایک یا زیادہ اہل صفہ کو بھیج دیا کرتے تھے، بعض اوقات تقریبا دس آدمی بچ جاتے اور رسول اللہ ﷺ کا کھانا لایا جاتا تو سب مل کر کھاتے تھے، اور آپ ان سے کہتے کہ "ناموا فی المسجد" مسجد میں سو جاؤ، مسجد میں سو جاؤ، سعد بن عبادہ ہر رات اسی اصحاب صفہ کو کھانا کھلاتے تھے۔ (۱)

خلافت راشدہ میں طلبہ کا قیام وطعام کا نظم

عہد رسالت میں مقامی اور بیرونی دونوں قسم کے طلبہ کے قیام وطعام کا باقاعدہ انتظام تھا، مقامی طلبہ یعنی اضیاف اسلام اصحاب صفہ اور دیگر فقراء ومساکین مسجد نبوی میں قیام کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ اور باحیثیت صحابہ ان کو اپنے گھروں پر بلا کر کھلاتے تھے، مسجد نبوی میں صحابہ ان کے لئے کھجور اور پانی رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کے منتظم تھے، اور بیرونی طلبہ یعنی اطراف وجوانب سے آنے والے افراد اور وفود عام طور سے دار رملہ بنت حارث میں ٹھہرائے جاتے تھے، جو دار الضیافہ کے نام سے مشہور تھا اور اس میں چھ سات سو آدمیوں کے قیام کی گنجائش تھی، ان کے قیام وطعام کا انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہوتا تھا، بعض افراد اور وفود دوسری جگہوں میں بھی ٹھہرائے جاتے تھے، مگر عہد صحابہ میں غیر مقامی طلبہ کے قیام وطعام کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو تاکید فرمائی تھی کہ میرے بعد طلب علم میں اطراف واکناف سے نوخیز ونوجوان آئیں گے، تم لوگ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی وخبر گیری کرنا، اس وصیت ونصیحت کے مطابق حضرات صحابہ اور دوسرے حضرات بیرونی طلبہ کا بڑھ کر استقبال کرتے تھے اور ان مہمانان رسول اللہ ﷺ کی میزبانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے، یوں بھی اس زمانہ میں حالات بدل چکے تھے، کشادگی اور خوش حالی کا دور شروع ہو چکا تھا

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۹۴۔۹۵

اور داد و دہش کرنے والے اجواد و اسخیاء حاجت مندوں کی ہر طرح خبر گیری کرتے تھے۔(۱)

یہ تھا اسلام کی پہلی درسگاہ میں قیام وطعام کا نظم، موجودہ مدارس کا نظم بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت شاہ ابرار الحق قدس سرہ کے یہاں مطبخ کا نظام بھی قابل دید اور قابل تقلید تھا، کتنے آٹے میں روٹیاں تیار ہوں گی، سالن کس حساب سے تیار ہوگا؟ اور اس میں مصالحہ جات کس حساب سے ڈالے جائیں گے، چائے میں دودھ شکر کتنا اور کس حساب سے ڈالے جائیں گے، یہ سب چیزیں متعین تھیں اور اس کا بھی باقاعدہ نقشہ بنا کر آویزاں کیا جاتا تھا اور اس کے مطابق عمل درآمد کیا جاتا تھا۔

اسی طرح کس دن کیا سالن پکے گا، کس دن ارہر کی دال، کس دن ماش کی دال، کس دن مسور کی دال، کس دن گوشت وغیرہ پورے ہفتہ کا نظام متعین ہوتا تھا اور اس کا نقشہ بھی آویزاں ہوتا تھا۔

جہاں تک ہوسکے کھانا اچھا، صاف ستھرا، مقوی ، روزانہ سالن کی جانچ ہو، اس سلسلہ میں طلبہ کی معقول اور جائز شکایات یا مطالبات کو ضرور سنیں اور اس پر عمل کریں، ہر موسم کا خیال رکھ کر سبزی، یا سالن دیں، بارش کے موسم میں انڈا یا بڑے کا گوشت نہ دیں، سالن چاہے کم ہو مگر لذیذ ہو، طباخ اور مطبخ کے ملازم مرد ہوں، عورتیں نہ ہوں، مطبخ اور مطبخ کے ملازمین کی نگرانی ہونی چاہئے، سب طلبہ کو ایک ساتھ بٹھا کر کھلائیں، تقسیم نہ کریں، مالدار طلبہ سے کھانے کی فیس ضرور لیں، ناشتہ میں باسی روٹی اور چائے دیں، چائے دو پیالی دیں، باسی روٹی حافظہ کو قوی کرتی ہے اور بلغم کو جذب کر لیتی ہے، سالن میں زیرہ اور ادرک کا استعمال ضرور کریں کہ وہ بادی کو کاٹتی ہے، پانی کی ٹنکی ہر ماہ صاف کرائیں، کھانے اور پکانے کے برتن مزدوروں سے صاف کرائیں، صاف دھلے یا نہیں اس کی نگرانی کرائیں، بلکہ مطبخ کی نگرانی، سامان لانے اور ہر چیز کو تول کر پکانے والوں کو دینے اور اس کا حساب رکھنے کے لئے ایک مستقل ملازم رکھنا چاہئے، جو ناظم مطبخ کے علاوہ ہوتا کہ سپرویزن کرسکے، جہاں غلہ، آٹا، تیل رکھا رہتا ہے ان کمروں میں چوہے نہ

---

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۱۴۲

ہوں، ان میں صفائی رہے، دھویں کے دھبے اور جالے نہ پڑ جائیں، ناظم مطبخ مہینے میں ایک بار طلبہ سے پوچھ کر ان کی مرضی کا کھانا بھی پکوا دیا کرے، تاکہ وہ خوش رہیں۔

ملازمین مطبخ کے لئے ہدایات

اگر مطبخ کے ملازمین غیر حاضر ہوں تو ان کے لئے بھی نظام تجویز تھا کہ ان کو جا کر باری باری معلوم کریں، نیز خدام مطبخ کام ختم پر نگراں صاحب کو اطلاع کر کے جائیں۔

☆ خدام مطبخ وغیرہ کے کام کے ختم ہونے پر اطلاع نگراں صاحب کو کر کے جاویں گے، جب سب فارغ ہوں گے تب جانے کو ملے گا۔(۱)

ملازمین مطبخ کے درمیان کام تقسیم کرنا، طئے شدہ کھانا ان سے صحیح ڈھنگ سے پکوانا، برتن دھلوانا، صفائی کروانا، ضرورت کی سبزی، ترکاری، ایندھن منگوانا۔(۲)

مطبخ والے ملازمین کی ذمہ داریاں

۱۔ آٹا پسوانا۔

۲۔ برتن صاف کر کے ہر وقت تیار رکھنا۔

۳۔ تھالیاں فوراً دونوں طرف سے پوچھ کر الماری پر جما دینا (الٹی رکھنا)۔

۴۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو دفتر میں ایک روز پہلے لکھ کر اطلاع دینا۔

۵۔ دودھ کی ڈگری لگا کر لینا۔

۶۔ بچی ہوئی دال، سالن اچھی طرح رات کو گرم کر لینا۔

۷۔ جب لائٹ ہو تو ادرک لہسن دو تین وقت کا پیس کر فریج میں رکھوانا۔

۸۔ گیس کے لئے دو روز قبل دفتر میں اطلاع دینا۔

۹۔ کسی استاذ یا طالب علم سے بالکل نہ الجھنا۔

۱۰۔ نمازوں کی پابندی کرنا، آپس میں غیبت وغیرہ واہی تباہی باتیں نہ کرنا، تسبیحات کی پابندی کرنا۔

---

(۱) حیات ابرار: ۱۷۵ (۲) معین المدارس: ۱۷۶

نظام گودام

گودام والے کی ذمہ داریاں:

۱۔ راشن آنے کے بعد اس کو اپنے پاس جمع کرنا۔

۲۔ فہرست کے مطابق ہے یا نہیں دیکھنا۔

۳۔ سامان گودام میں ترتیب سے رکھنا۔

۴۔ چوہے ہوں تو ان کا حل سوچنا۔

۵۔ چاول وغیرہ صاف کرنے کا انتظام کرنا۔

۶۔ روزانہ طباخ کو راشن وزن کر کے دینا اور اس کا ریکارڈ رکھنا۔

۷۔ راشن ختم ہونے سے کچھ دن پہلے فہرست بنانا اور دفتر میں دینا۔

۸۔ گودام سے کسی کو کوئی چیز نہ دیں۔

۹۔ فریج میں بلاضرورت کوئی چیز رکھ کر استعمال نہ کریں۔

۱۰۔ سبزی ترکاری صرف ایک یا دو یوم کی منگوائے۔

برتن روم والے کی ذمہ داریاں

۱۔ کلاس کی گھنٹی سے پندرہ منٹ مطبخ پہنچنا۔

۲۔ خدمت والوں کو رکابیاں، بالٹیاں، دال کے چمچے، پیالے، برتن وغیرہ گن کر دینا۔

خدمت ختم ہونے کے بعد دوبارہ گن کر لینا، خدمت والوں میں سے ایک کو ذمہ دار بنا کر دینا اور اسی سے گن کر لینا، یہ ذمہ دار نہ دے تو دار الطعام کے ذمہ دار سے وصول

کروانا۔

۳۔ دارالطعام کے باہر بلاضرورت شدیدہ برتن نہ دینا۔

۴۔ ضرورت پر دینے پر لے جانے والے کا نام لکھ کر دینا اور اسی سے وصول کرنا۔

۵۔ اساتذہ کے برتن کا بھی ایک ذمہ دار بنایا جائے، اور اسی سے حساب لے۔

نظام طعام خانہ

۱۔ دار الطعام کے ذمہ دار اساتذہ ۲۰ منٹ پہلے پہنچے اور خدام طلبہ کی حاضری لیں اور طلبہ آنے سے قبل پلیٹ اور پیالے وغیرہ لگوائیں۔

۲۔ دار الطعام کی صفائی اگر نہیں ہوئی ہو تو صفائی کروانا۔

۳۔ تمام چیزوں کی فہرست بنانا اور ۱۰ دن میں ایک مرتبہ فہرست کے مطابق سامان جانچنا۔

دار الطعام کے ملازمین میں فہرست کے مطابق سامان تقسیم کر کے ان کو ذمہ دار بنانا، اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو ان سے وصول کرنا۔

۴۔ دسترخوان اور دری کی ہفتہ میں دو مرتبہ صفائی کرنا۔

۵۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ پورے دار الطعام کی صفائی پانی سے دھو کر کرائیں۔

۶۔ کھانا وقت سے پہلے نہ بنے تو ذمہ دار مدرسہ کو اطلاع دینا۔

۷۔ کھانا کم ہو جائے تو ذمہ دار مدرسہ کو اطلاع دیں اور ذمہ دار کی اجازت لے کر کھانا بنوائے۔

۸۔ کھانا یا سبزی صحیح نہ بنے تو ذمہ دار مدرسہ کو اطلاع دیں۔

۹۔ دار الطعام میں گھنٹی کے بعد ۱۰ منٹ بچوں کا انتظار کریں اور طلبہ کو دس منٹ میں آنے کا پابند بنائیں۔

۱۰۔ دار الطعام میں بچے ہوئے کھانے کی فکر کرنا۔

۱۱۔ خراب کھانا بچوں میں تقسیم نہ کریں۔

۱۲۔ مہمانوں کا ٹکٹ دیکھنا اور جو استاذ مدرسہ کے دستر خوان پر نہیں کھاتے ان کا ٹکٹ دیکھنا۔

۱۳۔ آداب و دعا یاد ہانی کا نظام بنانا۔(۱)

برتنوں کی حفاظت ایک اہم مسئلہ ہے، طلبہ دار العلوم سے برتن وغیرہ اپنی ضرورت کے لئے لے آتے ہیں، اور پھر پھینک دیتے ہیں، اس لئے اس پر ایک ذمہ دار طئے ہو جو اس کی فکر کرتا رہے، تمام برتنوں کا ایک روم ہو؛ تا کہ ذمہ دار حفاظت سے برتن اس میں رکھوائے۔

جنوب ہند کے مدارس میں عموماً دیکھا گیا کہ مطبخ میں پکاتی طباخہ خاتون مقرر کی جاتی ہے، باشعور طلبہ، اساتذۂ مدرسہ، ناظم صاحب اور ان کے صاحبزادے اس اجنبیہ سے بے تکلف رہتے ہیں، فتنہ ہونے کا اس وقت اندیشہ بڑھ جاتا ہے (بلکہ واقعہ بن چکا ہے) جب وہ بیوہ اور مطلقہ بھی ہو، اور ساڑی پہننے کی عادی بھی، کہیں اسلام اپنے ہی قلعوں میں غیر محفوظ نہ بن جائے، ایسے کبائر اور محرمات کے ساتھ نصرتِ الٰہی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

مرد طباخ کی تنخواہ کا زیادہ ہونا، پابندی نہ کرنا جیسے عذر کی وجہ سے ناجائز امور کو ہرگز نہیں گوارہ کیا جاسکتا، بہر حال یا تو مرد پکانے والے کا انتظام یا کسی خاتون کو متعین کریں تو پردہ کا پورا اہتمام کیا جائے۔

---

(۱) معین المدارس: ۱/ ۱۷۷، مؤلف: مفتی شاکر صاحب

نظام صفائی

یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ پاکی آدھا ایمان ہے؛ لیکن ہمارے بہت سے مدرسوں میں اس کی طرف توجہ کم دی جاتی ہے۔

☆ مدرسہ کے احاطہ میں اور باہر کاغذات، کچرا وغیرہ ہمیشہ دکھائی دیتا ہے۔

☆ چھت پر جالے اور پنکھے میل سے اٹے رہتے ہیں۔

☆ مطبخ بھی عموماً گندہ رہتا ہے، طعام خانہ جہاں طلبہ کھانا کھاتے ہیں وہ بھی گندا رہتا ہے۔

☆ مدرسہ کی چھت پر لکڑی، چٹائی، پرانے پتھر، ریت کنکر، چادریں، کپڑے وغیرہ پڑے رہتے ہیں، جو چھت کو نقصان دیتے ہیں۔

☆ دارالاقامہ کی نالیاں گندی، کہیں روٹی و آلو کے ٹکڑے کہیں دال و چاول کے سڑنے کی بدبو آتی رہتی ہے۔ جس کی صفائی کی عموماً فکر نہیں رہتی، فضا گندی ہونے کی وجہ سے بچے بھی بیمار پڑتے ہیں اور ان کے علاج پر کافی روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔

☆ اگر اساتذہ کے مشورہ سے ایک استاذ بارعب ان کاموں کو اپنے ذمہ لے لے اور صفائی کی فکر کرے تو سارے کام آسانی سے انجام پا سکتے ہیں۔

☆ اس کی ترکیب یہ ہے کہ سال کے شروع میں صفائی کے لئے ایک استاذ مقرر ہو جو تمام درسگاہوں اور دارالاقامہ کے کمروں وغیرہ کی طلبہ کے مشورہ سے باری طئے کرے۔(۱)

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک:۶۵

ہدایات برائے صفائی دار الاقامۃ

☆ اپنی نگرانی میں صفائی کروائیں۔
☆ درسگاہوں کی صفائی پر توجہ دیں اور کلاسوں کا چکر لگا کر دیکھیں۔
☆ صفائی کے اوقات متعین کریں۔
☆ وقت کی قلت کی بناء پر صفائی کرنے والے طلبہ میں اضافہ کریں۔
☆ صفائی ہوتے ہی جھاڑو اسٹور روم پہنچانے کی تاکید کریں۔
☆ مہمانوں کی آمد پر صفائی کی جانب زیادہ توجہ دیں۔
☆ درسگاہوں کی صفائی پر ایک ایک ذمہ دار طالب علم کو طئے کریں اور صفائی نہ ہونے پر ذمہ دار طلبہ و صفائی کرنے والے طلبہ سے باز پرس کریں۔
☆ پیٹی کے نیچے اور پیچھے سے صفائی کروائیں۔
☆ ہفتہ بھر کا نظام ہر جمعہ بنائیں اور سال بھر کا بیک وقت بھی بنا سکتے ہیں۔
☆ جمعہ کی ذمہ داری والے جمعہ کی صفائی کا نظام بنائیں۔
☆ دو مضبوط طلبہ کو نیچے کھڑا کیا جائے تا کہ کچرا بڑے گڑھے میں پھینکوائیں۔
☆ درسگاہوں کی صفائی کے لئے ہر جماعت کے مانیٹر کے پاس جھاڑو دے دیں۔
☆ سوکھے ہوئے کپڑے جمع کر کے ذمہ دار کے حوالہ کر دیں۔
☆ دیواروں میں ٹھونسے ہوئے کاغذات کو نکالنے لگائیں اور اس سے سختی کے ساتھ منع کریں۔
☆ کمروں کی صفائی پر زیادہ توجہ دیں۔
☆ جمعہ کے دن کے علاوہ روزانہ صبح (بعد نماز فجر) صفائی کروائیں۔
☆ بعد نماز ظہر اور سوتے وقت درسگاہ کی صفائی کرنے کی تاکید طلبہ کو کریں اور صفائی نہ کرنے پر نام لکھ کر ذمہ دار جزا و سزا تک پہنچائیں۔
☆ وقت مقررہ پر صفائی نہ کرنے والے طلباء کو جزا و سزاء کے ذمہ دار کے پاس پہنچا دیں۔(۱)

(۱) ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، معین المدارس

مالیات

شریعت وعقل کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ ہر اجتماعی کام عموماً وعادۃً ہر مذہب وقوم میں چندہ سے چلتا ہے، چندہ سنت وتوکل کے خلاف نہیں، بقدرِ ضرورت معاشی یکسوئی کے بغیر خدمت دین میں بہتری نہیں آسکتی ہے، چندہ بڑھانا، ذمہ دارانِ مدارس کا اہم کام ہے، چندہ وصول کرنے اور خرچ کرنے کے کیا ضابطے ہیں؟ شریعت وسوانح اکابر سے ہمیں کیا رہبری ملتی ہے؟ عمومی چندہ کی اہمیت اور اس کی شکلیں نیز حکومتی امداد کے تباہ کن اثرات کو اس مضمون میں مفصل ذکر کیا گیا، جس میں فقہ کی خشکی، قانون کے روکھے پن، رخصتوں کی تحدید کے ساتھ تذکیرہ ودعوت کی چاشنی، عزیمت پر ابھارنے والے واقعات، اہتمام واحتیاط، حصول تعاون واستغناء، جمعِ اسباب وتوکل کو سمجھانے والے قصوں کی حسین آمیزش ہے۔

نظامِ چندہ

دارِ ارقم میں خفیہ طریقے سے آنے والے اسلام کے مبادیات سیکھ لیا کرتے تھے، احکامِ اسلام تو زیادہ نہیں تھے، دعوتِ اسلام کی مہم پہلے خفیہ طور پر پھر علانیہ جاری رہی، مسجد نبوی کے صفہ میں البتہ کچھ مستقل نظام تعلیم بنا، کچھ لوگ طلبِ معاش سے یکسو ہو کر طلبِ علم میں لگے رہے، حضور اکرم ﷺ کے گھر یا ان کی آمدنی یا آنے والوں کی امداد پر گذارا تھا، فاقہ ہی نہیں کفن کی قلت گوارا تھی؛ مگر سوال اور شکایت نہیں، کبھی کھجور کے خوشے، دودھ وغیرہ وہاں پہنچادیا جاتا یا بعض صحابہ مہمانانِ رسول، طلبہ صفہ کو اپنے گھر لے جاتے، یا ایک بھائی تجارت، دوسرا طلب علم میں یا دن رات کا کچھ حصہ کسب معاش میں کچھ حصہ صحبت رسول اللہ ﷺ میں گذرتا، پھر اسلامی سلطنتوں اور فتوحات کے دور میں بیت المال سے دینی جامعات، دینی مدارس، طلبہ کے اخراجات کا فراخ دلی اور اعلی معیار سے تکفل کیا گیا، پھر امت مسلمہ کے سیاسی عسکری زوال کے بعد دوبارہ قرنِ اول کا نظام جاری کیا گیا، چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا منشا تھا کہ عمومی چندے یا ایسے سادی سیدھی عوام کے مال سے مدارس چلائے جائیں جن میں اپنے چندے سے کوئی امید نہ ہو، اصحاب ثروت، ارباب سیاست کی کسی طرح کوئی مداخلت نہ ہو، فراہمئ مال کی محنت میں مدارس کی روح متاثر نہ ہو، مقاصد پر زد نہ پڑے اور ان کی خود داری مجروح نہ ہو، کسی علاقے والے ایک ایک آنے والے طالب علم کو اپنے گھر کھانا کھلا دیا کرتے تھے، خود طالب علم رات کے کسی حصہ میں کچھ کام کر کے ضروریات زندگی کی تکمیل کرتے، پھر مطبخ و وظائف کا نظام شروع ہوا، مستطیع

صاحب نصاب طلبہ سے فیس وصول کی جانے لگی، مٹھی فنڈ، دصولی زکاۃ، وغیرہ سے نہایت آسان طریقے سے ضروریات زندگی پوری کی جانے لگی۔

چرم قربانی سے تعاون حاصل کیا گیا، خدام مدارس ذمہ داری پورا کرنے کی فکر کریں، پرودگار عالم ضروریات پوری کرتے ہیں، مہتممین مدارس قوم کے مال اور طلباء کے وقت میں خیانت نہ کریں، قوم بہت تعاون پیش کرے یا نہیں، اصول واخلاص سے کام ہو، مدارس کبھی مقروض نہیں ہوتے، ذیل میں کچھ مسائل ذکر کئے جار ہے ہیں، جس کی روشنی میں مدارس کے مالیاتی نظام کو حدودِ شریعت کا پابند بنایا جاسکتا ہے، جب اللہ کی رضا مقصود ہے تو ان کے احکام کا لحاظ کرنا ضروری ہے، مال لینے مال دینے میں صرف مدرسہ کا مفاد پیش نظر ہو، خاص طور پر تعلیمی فائدہ، اس لئے ذیل میں ضروری مسائل لکھ دیئے گئے تا کہ ہم اہل مدارس اپنے شعبہ کے حرام سے بچ سکیں۔

دورِ رسالت میں صدقات نافلہ اور ہنگامی چندے

نبی کریم ﷺ نے کئی بار جب بیت المال میں مالی وسائل کی کمی ہوئی تو ہنگامی ضروریات جو بالعموم جنگی اخراجات کے لئے ہوتی تھیں کو پورا کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صدقات نافلہ سے پورا کیا کرتے تھے، کئی بار یہ صدقات چند محتاجوں اور مسافروں کی کفالت اور مصالح عامہ کے لئے بھی طلب کئے گئے، اور جواب میں صحابہ کرام نے اپنی کمائیاں آپ کے سامنے ڈھیر کردیں، تاریخِ اسلام سے ایسی متعدد مثالیں تلاش کی جاسکتی ہیں، جب آپ ﷺ نے صدقات نافلہ اور ہنگامی چندوں کی ترغیب دی۔

☆ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ سے مہاجر مسلمانوں کی بھی ایک معتد بہ تعداد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آکر آباد ہوئی تو آپ نے محسوس فرمایا کہ یہاں مسلمانوں کو پینے کے پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے، آپ نے مخیر اور مالدار مسلمانوں کو اس کارِ خیر کی ترغیب دی کہ مسلمانوں کی اس بنیادی ضرورت کی فراہمی کے لئے مدد کریں، اللہ کریم نے یہ سعادت اکیلے حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کے حصہ میں لکھی تھی، اکیلے انہی نے ایک کنواں جس کا پانی بہت شیریں اور ٹھنڈا تھا ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

☆ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جماعت پیش ہوئی، جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھی، جو چیتے کے کھال کی طرح کا صوف یا عبا پہنے ہوئے تھے اور تلواریں حمائل تھیں، ان میں سے زیادہ تر قبیلہ مضر کے لوگ تھے، ان کے چہروں سے فاقہ کشی کی حالت ٹپکتی تھی، ان کی حالتِ زار دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے تو حجرے میں داخل ہوئے، پھر تشریف لا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی آیات تلاوت فرمائیں جن کا مدعا یہ ہے کہ اللہ کریم نے تمام انسانوں کو خواہ وہ امیر و کبیر ہوں یا فقیر و صغیر ایک انسانِ آدم سے پیدا کیا؛ لہٰذا تمام اولادِ آدم آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور انہیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے، اور انسان کو ڈرنا چاہئے کہ کل وہ قیامت کے دن کیا کچھ اپنے کریم کے سامنے (خرچ کر کے) لے جا رہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سن کر اثر تو ہونا ہی تھا، آن کی آن میں اناج و کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے درہموں کا ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ ان سے اٹھایا نہ جاتا تھا لا کر پیش کیا، جو ان فاقہ کشوں میں تقسیم کر کے ان کے افلاس کا علاج ہنگامی بنیادوں پر کیا گیا۔

☆ غزوہ تبوک کے وقت مسلمانوں کی معاشی بدحالی بہت تھی، یہ غزوہ ان حالات میں پیش آیا کہ مسلمانوں کے پاس سوائے جگر آزمانے اور مادی وسائل بالکل نہ تھے، مگر عزم بالجزم ہو اور جینے کا ڈھنگ آتا ہو تو ایسی مشکلات سنگِ راہ نہیں بن سکتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسلامی لشکر کے زادِ راہ کی رغبت دی، اکیلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار بارگاہِ نبوی میں لا کر پیش کئے، آپ خوش ہو کر انہیں بار بار پلٹتے اور فرماتے جاتے اس

نیکی کے بعد (عثمان رضی اللہ عنہ) کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ کریم!" میں عثمان سے راضی تو بھی اس سے راضی ہو جا"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا اثاثہ لاکر قدموں میں ڈھیر کر دیا، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسو (۲۰۰) اوقیہ چاندی لاکر پیش کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر قدموں پر نچھاور کر دیا، جس کی کل مالیت غالبا پانچ سو درہم تھی، مگر سب پر گویا سبقت لے گئے، دیگر صحابہ کرام نے بھی اپنی اپنی استطاعت کے موافق اس غزوہ کے لئے ہنگامی امداد پیش کی۔(۱)

اور ایک روایت میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند شخص اپنی ضرورت اور حاجت کی طلب میں آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "اشفعوا توجروا، ویقضی اللہ علی لسان نبیه صلی اللہ علیه وسلم ما شاء" (۲) سفارش کر کے اجر حاصل کرو، اور اللہ عزوجل اپنی نبی کے زبانی اپنی چاہت کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں چندہ کا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں سے اجتماعی یا انفرادی طور پر تعاون کی اپیل کی جاتی تھی، اور لوگ اپنی مرضی سے کبھی نقدی ادا کرتے تھے، اور کبھی سامان کی شکل میں تعاون کرتے تھے، جب کہ اسلامی حکومت میں اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نمائندے علاقوں میں جا جا کر وصول کیا کرتے تھے، اس کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دور رسالت میں ایک شخص کو خریدے ہوئے پھل میں نقصان ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کا قرضہ بڑھ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تصدقوا علیه" (اس کو صدقہ دو) لوگوں نے اس کو مال بطور صدقہ دیا، جس کی وجہ سے اس

---

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تعلیمات: ۲۸۹، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری، مکتبہ ارشاد محل دیوبند

(۲) بخاری

کا دین اور قرض مکمل نہ ہوسکا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا: ”خذوا ما وجدتم ولیس لکم إلا ذلك“ (۱) ”جو ہے وہ لے لو اور تمہیں اتنا ہی ملے گا“۔

اس لئے علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ سوال کی مذمت اور ممانعت کی وعیدات میں وہ سوال داخل نہیں ہے جو سوال کسی دوسرے کے لئے ہو؛ بلکہ وہ اس کی اعانت ہے۔

اس کی دلیل مذکورہ بالا دلائل ہیں:

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کمانے پر قادر ہے، اور علمی اشتغال کی وجہ سے اس کو نہیں کرتا تو اس کو زکاۃ کا لینا بھی جائز ہے اور صدقات تطوع کا لینا بھی، اور اگر باوجود قدرت کے کمانا، نوافل اور عبادات میں مشغولی کی وجہ سے چھوڑا ہے تو اس کو مال زکاۃ کا سوال جائز نہیں، صدقات تطوع سے سوال میں مضائقہ نہیں، گو کراہت ہے، اور اگر کوئی جماعت اصلاح نفس اور تزکیۂ باطن کے لئے مجتمع ہے تو بہتر یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ان سب کے لئے روٹی کپڑا جمع کرلیا کرے۔ (۲)

علمی اشتغال چاہے علوم ظاہرہ ہوں یا علوم باطنہ، یقینا بہت زیادہ اہم ہے، اور ایسے لوگوں کے لئے یقینا کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا ہرگز نہ چاہئے، اور محض نادانوں، احمقوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے اس اہم مشغلہ کے ساتھ کمائی وغیرہ کی طرف لگنا، جاہلوں کی طعن کے خوف سے اپنی قیمتی مایہ کو ضائع کرنا ہے، نادانوں کے طعن وتشنیع سے نہ اہل علم کبھی بچے ہیں، نہ انبیائے کرام بچے۔

آج کل یہ وبا بہت عام ہوتی جارہی ہے کہ اپنا گذر چلانے کے لئے کسی صنعت وحرفت کا سیکھنا ضروری ہے، اور اہل علم بھی دنیاداروں کے طعن وتشنیع سے بددل ہوکر اس کی اہمیت کو محسوس کررہے ہیں، اور مدارس عربیہ دینیہ میں یہ سلسلے بھی جاری ہورہے ہیں؛ لیکن یہ علم کو بہت زیادہ نقصان دینے والی چیز ہے، اس میں اسلاف کے نمونے سامنے رکھے جاتے ہیں، جنہوں

---

(۱) سنن الترمذی، من تحل لہ الصدقۃ من الغارمین، حدیث: ۶۵۵

(۲) مرقاۃ المفاتیح

نے اپنی معاش کے لئے تجارت وحرفت وغیرہ کے مشاغل اختیار کرتے ہوئے دین کی اور علم کی خدمت کی اور یقینا اگر اللہ عز وجل توفیق عطا فرمائے تو یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے، مگر ہم لوگوں کے قلوب اور قوی ہمارے احوال نہ تو اس کے متحمل ہیں کہ ہم لوگ دو کام بیک وقت کر سکیں، اور نہ ہماری طمع نفس اور حب دنیا اس کی گنجائش دیتی ہے کہ مال کی بڑہوتری کے اسباب پیدا ہونے کے باوجود اللہ کے واسطے، دین کی خاطر، علم کی خاطر ہم اپنے اوقات کو دنیا کمانے کے مشاغل سے زیادہ سے زیادہ فارغ کر سکیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں دونوں کام شروع کئے اور آخر میں علمی مشغلہ پر دنیا کی کمائی اور طلب غالب آ گئی، جس کے بارہا تجربے ہو چکے ہیں۔(۱)

بنیادی ہدایات

☆ چندہ کرنے کے لئے جو لوگ مقرر کئے جائیں وہ ایمان دار ہوں، ان کو چندہ کی رسیدیں لکھ کر دی جائیں اور چندہ لانے کے بعد پر رسید چک ہو۔

☆ مکمل حساب کیا جائے ☆ چندہ کرنے والا رسید پر چندہ دینے والے سے یہ لکھا کر لایا کرے کہ میں نے اپنا چندہ دیا اور دستخط کرالیا کرے، اس سے سفیر کے لکھے عدد میں گڑبڑ کرنے کے شبہ سے بچا جا سکتا ہے۔

☆ چندہ کی رقم عدد کے ساتھ ساتھ حرفوں میں بھی لکھنا چاہئے۔

☆ جو بڑے چندہ دہندگان ہیں ان سے مدرسہ رابطہ رکھے، ان کو شکریہ کا خط لکھے، مدرسہ کے کوائف سے ان کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتے رہیں۔

☆ مدرسہ سالانہ پروگرام میں بڑے چندہ دہندگان کو مدعو کرتا رہے، اگر کوئی کتاب یا کیلنڈر مدرسہ سے چھپے تو ان کو ضرور ارسال کریں۔

☆ چندہ جن مدوں میں دیا جائے انہیں مدوں میں خرچ کیا جائے اور اس کا مکمل حساب رکھا جائے۔(۲)

---

(۱) فضائل صدقات: ۴۳۹، حصہ دوم، کتب خانہ فیضی لاہور، پاکستان

(۲) مدارس دینیہ کے لئے: ۲۰، مولانا سید ذوالفقار صاحب

☆ مدرسہ کی رسید بک چھپوانے سے پہلے اس کا بلاک یا نمونہ مشورہ سے طئے کریں، نمونہ بناتے وقت چند باریکیاں یا چند ایسے نشانات چھوڑ دیں جس کا علم ٹرسٹیوں کو ہی ہو جس کی وجہ سے اصلی اور نقلی رسید میں فرق کیا جاسکے۔

☆ رسید بک چھپواتے وقت سیریئل نمبر ڈال دیا جائے؛ تاکہ ایک نمبر کی دو رسیدیں کوئی استعمال نہ کرسکے۔

☆ چھپوانے کا کام ہوتے ہی بلاک کو اپنے قبضہ میں کرلیا جائے، اس کے یہاں نہ چھوڑے۔

☆ مدرسہ کی چھپوائی ہوئی رسیدوں پر ٹرسٹیوں کا کنٹرول ہو اور اس کا ایک الگ رجسٹر رکھا جائے، اس میں تاریخ اور جس کو دی گئی اس کا نام اور پتہ معرفت رسید نمبر درج کیا جائے اور دینے سے پہلے ان کی دستخط لی جائے۔

☆ چندہ دینے والوں کی شہر کے اعتبار سے ہر سال کی الگ فہرست بنانی چاہئے اور موجودہ سال کے علاوہ پچھلے دو سالوں کو شامل کرکے ایک فہرست الگ سے بنائی جائے، اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اس میں کس کا نام رہ گیا ہے اور وصولیابی کے بعد اگر مشورہ والے طئے کرسکتے ہیں تو چندہ دینے والوں کا آنے والے رمضان سے پہلے شکریہ ادا کیا جائے جس سے چندہ دینے والوں کو اطمینان بھی رہے گا اور یاددہانی بھی ہوگی۔

تعمیری مد ♦♦

تعمیر کے نگران کی ذمہ داری حتی الامکان ٹرسٹی خود لیں تو بہتر رہے گا، اس میں جتنی بھی اشیاء ریت، سمنٹ وغیرہ آتی ہیں اس کی بھی رسید دینا بہت ضروری ہے۔ (۱)

☆ مدرسہ میں اگر چندہ کا صندوق رکھا گیا ہو تو اس کی چار چابیاں چار مختلف افراد کے پاس رکھ دی جائیں، جب ٹرسٹیوں کی میٹنگ ہو تو اس دوران اس کو کھول کر جمع شدہ کی رسید بنائی جائے اور حساب میں جمع کیا جائے۔

---

(۱) بقیہ سرکاری امداد: دینی مدارس، ذاکر صاحب

☆ مدرسہ کے آفس میں ضرورت کے اعتبار سے ایک چھوٹی رقم مشورہ سے طئے کر کے ہمیشہ رکھی جائے اور زائد رقم فورا بنک میں جمع کی جائے اس کے علاوہ براہِ راست مدرسہ کے آفس میں جو رقم جمع ہوتی ہے وہ اور مدرسہ میں آنے والے مہمانوں سے جو رقم آتی ہے، یا تو ترغیب دے کر چندہ کے صندوق کے اندر ڈالنے کے لئے کہے اور کسی قسم کی فیس، جرمانہ بچوں سے وصول ہوتا ہے تو اس کی بھی رسید فورا کاٹ دی جائے۔

☆ چیزوں کی شکل میں کوئی عطیہ آتا ہے تو اسکی بھی رسید کاٹ دی جائے۔

☆ اگر کھانے پینے کی چیزیں ہوں تو مطبخ کے گودام میں اندراج کی جائے اور ذمہ دار آدمی اس کے استعمال کی نگرانی کرے۔

☆ اگر استعمال کی اشیاء مثلاً ’’کرسی‘‘ ’’دری‘‘ ’’ڈیسک‘‘ وغیرہ آئے تو اسے اشیاء کے رجسٹر میں اندراج کیا جائے۔

☆ اشیاء کا رجسٹر بناتے وقت شعبوں کے اعتبار سے رجسٹر الگ الگ بنایا جائے مثلاً: مسجد کے اشیاء، آفس کے اشیاء، درسگاہوں کے اشیاء، دارالاقامہ، دارالاساتذہ اور کھیل کود کے اشیاء، اور شفاخانہ، کتب خانہ کے اشیاء وغیرہ۔

چندہ کی دیگر مدات

(۱) عطیہ (۲) زکوۃ (۳) فطرہ وصدقہ ایصال ثواب (۴) چرم قربانی (۵) امدادی پیٹی چندہ (۶) تعمیری مد (۷) قرض کی مد (۸) بنک کا سود۔(۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مدرسے میں متفرق مدوں میں چندہ آتا ہے، میں نے سب کے لئے متفرق تھیلیاں تیار کر رکھی ہیں، اور سب کا حساب جداگانہ ہر وقت صاف اور پاکیزہ رکھتا ہوں اور آمدنی اور یافتی کو لکھتا ہوں اگر چہ چند پیسے ہوں۔(۲)

---

(۱) معین المدارس: ۱۳=۱۴، مفتی شاکر صاحب

(۲) تحفت المدارس: ۲/ ۲۷۵، چندہ اور مدارس

☆ مدرسہ کے استاذ کو مقامی طور پر مدد کے لئے چندہ جمع کرنے کا کام سپرد کرنا مناسب نہیں، جب مدرس یہ محسوس کرکے کہ وہ اپنے بچوں کے سرپرستوں یا دوسرے مقامی اصحاب خیر سے صدقات جمع کرکے اپنی تنخواہ پوری کرنے کا اہتمام کررہا ہے تو اس کی عزت نفس کو ٹھیس لگتی ہے، بعض اوقات چندہ دینے والوں کا سلوک بھی اچھا نہیں رہتا، اس سے استاذ کا وقار مجروح ہوتا ہے، بالآخر اس کا برا اثر ان بچوں پر پڑتا ہے جن کی تعلیم وتربیت اس استاذ سے متعلق ہے۔

☆ جب استاذ کو چندہ وصول کرنے کے لئے کلکتہ، ممبئی، مدراس، دلی یا کسی دوسرے ملک کو بھیجا جاتا ہے تو اس کو اس خدمت کا الگ سے معاوضہ دینا ضروری ہوجاتا ہے، اکثر اوقات یہ معاوضہ وصول کئے جانے والے چندہ میں سے فی صد٪ کمیشن کی شکل میں دیا جاتا ہے۔

کتاب النوازل میں ہے:

> ’’تنخواہ دار ملازم اگر چندہ کا پورا پیسہ لاکر مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردے اور پھر مدرسہ حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر امدادی فنڈ سے بطور حوصلہ افزائی کوئی متعین رقم اس ملازم کو دے تو اس کی گنجائش ہے، یہ چندہ پر کمیشن پر چندہ کے حکم میں نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند میں بھی تنخواہ دار سفراء کے لئے انعام کی یہ صورت رائج ہے‘‘(۱)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ’’جو شخص مدرسہ کا باتنخواہ ملازم ہو، وہ اگر مدرسہ کے لئے مالی فراہمی کا کام کرے اور اہلِ مدرسہ اس کو حسن کارکردگی پر کچھ رقم بطور انعام دیں تو شرعا اس کی گنجائش ہے، اب یہ انعام کتنا ہو اور کس حساب سے ہو؟

---

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۱۶/ ۶۲۴، ڈابھیل، ایضاح المسائل: ۱۲۲، چند اہم عصری مسائل: ۲۸۸، کتاب النوازل: ۱۴/ ۱۶۷، المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ، مرادآباد

اس کا مکمل اختیار مہتمم اور کمیٹی کو ہے، بس یہ خیال رہے کہ وصول شدہ رقم کے نصف سے زائد نہ ہو، تاہم ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی ضابطہ بنالیں جو سب پر یکساں طور پر لاگو ہو؛ تاکہ انتظامیہ اور اساتذہ میں بداعتمادی نہ ہو اور اگر مدرسہ کے لئے جو لوگ اس طرح مالی فراہمی کریں کہ وہ باتنخواہ ملازم نہ ہوں؛ بلکہ چندہ سے حاصل کردہ کمیشن ہی کو وہ بطور اجرت لیں تو یہ درست نہیں؛ اس لئے کہ اولاً یہ اجرت مجہول ہے، یہ پتہ نہیں کہ کتنا اور کس قدر چندہ ہوگا؟ دوسرے یہ کہ مدارس کے سفراء مطلقاً اسلامی حکومت کے سرکاری عاملین کے درجہ میں نہیں ہیں؛ بلکہ صرف بعض معاملات میں ان کے مشابہ ہیں‘‘(۱)

”لا یزاد علی نصف ما قبضہ“ (۲)

”وشرطها کون الأجرۃ والمنفعۃ معلومتین“ (۳)

☆ بعض اوقات چندہ دہندگان کی مصالح کا تقاضا ہوتا ہے کہ رقم باقاعدہ رسید لئے بغیر دی جائے اور لینے والے چاہتے ہیں کہ ان رقموں کو بینک کے ذریعہ سرکاری شرح مبادلہ کے مطابق ہندوستان منتقل کرنے کے بجائے حوالہ کی شرح پر بے ضابطہ منتقل کیا جائے ، یہ تینوں باتیں حوالے کے ذریعہ بیرونی امداد کی ہندوستان منتقلی باقاعدہ رسید و اندارج کی بغیر رقوم کی وصولیابی اور محصول کو وصول شدہ رقم میں سے کمیشن کے طور پر معاوضہ دینا یہ تینوں طریقے کرپشن اور اخلاقی فساد کا دروازہ کھولتے ہیں، بدنیتی سبب ہو یا خود غرضانہ تاویل نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ان رقموں کا ایک حصہ مدرسہ تک نہیں پہنچتا۔ (۴)

---

(۱) مستفاد از: امداد المفتیین: ۴۶۱، کراچی، احسن الفتاوی: ۷/ ۲۸۴، معارف القرآن: ۴/ ۳۹۹، ایضاح النوادر: ۲/ ۵۳۔۵۶ (۲) شامی: باب المصرف: ۲/ ۳۴۰، کراچی

(۳) شامی: ۵۱۶، کراچی، ۷/ ۹۰، زکریا، حوالہ سابق: ۱۴/ ۱۷۰، ۱۷۱

(۴) دینی مدارس مسائل اور تقاضے: ۸۷ تا ۸۹، نجات اللہ صدیقی

فضائل چندہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

غرض ضرورت ہے دین کی اور مدرسوں کی اسی ہیئات پر باقی رکھنے کی، آپ جو کچھ دیں اپنی ضرورت اور منفعت کی تحصیل کے واسطے دیں گے ہم پر کچھ احسان نہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "فیأخذه یمینه فیربیه، کما یربی أحدکم فلوه حتی یکون أعظم من الجبل" باری تعالی اپنے یمین میں لیتے ہیں جو کچھ دیا جاتا ہے، یمین کا لفظ متشابہات میں سے ہے، اس کے معنی اور تاویل سے تو اس وقت بحث نہیں مراد قبول ہے، اور باری تعالی کے ہاتھ میں کیسے نمونہ ہوگا جب زمین میں ڈالنے سے دانہ پہاڑ سے بڑا ہوجاتا ہے، اگر ایک کھجور کو بویا جائے اور پھر اس سے جتنے پھل پیدا ہوں ان کو بویا جائے اور ایسے حساب لگایا جائے تو یہ بات معلوم ہوسکتی ہے، اور میں کہتا ہوں کہ احد اعظم الجبال تھا، مدینہ میں اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس کی مثال دی ہے، ورنہ پہاڑ سے اور اس سے کیا نسبت؟

اہل مدارس کو مدرسہ سے قرض لینے کی جائز آسان صورت

عام طور پر مدارس اسلامیہ کے منتظمین ان کی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں اور خزانہ وقف سے قرض دینا درست نہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کو یہ مشورہ دیا کہ اس کام کے لئے الگ چندہ کر کے ایک قرضہ فنڈ کیا جائے اور اسی میں سے قرض دیا جائے اور پیش قدمی کر کے اپنی طرف سے پانچ سو روپیہ اس مد کے لئے دیئے۔(۱)

چندہ کی باقی رقم کو خرچ کرنے کے لئے چندہ دہندگان کی اجازت شرط ہے

بعض اوقات کچھ رقم چندہ کی بچ جاتی ہے، اسکو بھی منتظم خود خرد وبرد کرتا ہے یا اپنی رائے سے کسی دوسرے کام میں لگالیتا ہے، یاد رکھو! کہ جو بچا ہے اگر یہ رقم دوسرے اشخاص

(۱) تحفت المدارس: ۲/۲۵۱، چندہ اور مدارس

کے رقم کے ساتھ مخلوط نہیں تھی تب تو خاص اسی کی ملک ہے، اسے اطلاع کر کے اجازت لینا چاہئے اور اگر بعض کا پتہ نہ ہو تو اس کے حصے کی رقم کا حکم مثل لقطہ کے ہے اور جو حصہ دار معلوم ہیں ان سے اجازت اور ان کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے۔(۱)

مالِ وقف میں احتیاط کی ضرورت ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا بہت مشہور مقولہ ہے کہ مجھے مدرسہ کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی سے نہیں لگتا، اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو وہ مالک سے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے، ملازمت سے علاحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہوسکتا ہے؛ لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء اور مزدوروں کے دودو پیسے، ایک ایک آنے کا چندہ ہوتا ہے ہم سرپرستان مدرسہ تو اس کے مالک نہیں امین ہیں، اگر اس کے اندر افراط وتفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف ہو تو نہیں سکتا، اس لئے دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے؟ اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگذر فرمالے، لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں؛ لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کہ ان سے معاف نہیں کرایا جاسکتا''(۲)

---

(۱) تحفت المدارس: ۲/ ۲۵۲، چندہ اور مدارس

(۲) آپ بیتی، تحفت المدارس: ۲/ ۲۵۵، ۲۵۶ چندہ اور مدارس

چندہ کے بعض منکرات

بعض جگہ دوامی چندہ کا وعدہ کرنے والے کی موت کے بعد وارث اس چندہ کو جاری رکھتے ہیں اور اہل مدارس اس کی تحقیق نہیں کرتے کہ ان لوگوں نے اپنی ملک خاص سے جاری رکھا ہے یا ترکہ مشترکہ سے اور اس ترکہ مشترکہ میں کوئی یتیم یا غائب یا غیر راضی کی ملک تو نہیں شریک ہے، اسی طرح میت کے کپڑوں کو مدرسہ میں لیتے وقت ان کے ورثاء اور ان کے بلوغ و رضا کی تحقیق نہیں کی جاتی۔

چندہ کی جائز صورتیں

۱) ہاں چندہ کا ایک طریقہ جائز یہ ہے کہ مسلمانوں کو اطلاع کر دو کہ فلاں جگہ مدرسہ ہے اور فلاں شخص کے پاس اس کے لئے چندہ جمع ہو رہا ہے جس کا جی چاہے وہاں اپنی رقم جمع کرے۔

۲) جس کام کے لئے چندہ کی ضرورت ہو صرف اس کام کی عام اطلاع کر دینا کافی ہے، اس پر اگر کوئی اعانت قبول کرے ورنہ علماء کو امراء کے دروازوں پر جا کر ان سے سوال کرنا نہایت ناپسندیدہ بات ہے۔(۱)

۳) اور یہ کبھی نہ خیال کیا جائے کہ اس طرح کون دیتا ہے، یہ خیال غلط ہے جتنا آنا ہے آتا ہے اور اس کا کامل تجربہ ہو چکا ہے، ہرگز وسوسہ نہ کیا جائے۔(۲)

چندہ وصول کرنے کی شرائط

۱) اسی موقع پر ایک اور امر کو جو کہ ہدیہ صدقہ وغیرہ میں مشترک ہے، سمجھ لینا چاہئے کہ ہدیہ صدقہ چندہ قرض وغیرہ حرام مال سے نہ ہونا چاہئے، اگر کوئی حرام مال سے دینا چاہے تو صاف انکار کر دے۔

۲) دوسرا امر یہ ضروری ہے کہ وسعت سے زیادہ نہ لے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے وسعت سے زیادہ نہیں لیا سوائے ان لوگوں کے جن پر حضور ﷺ کو پورا اطمینان

---

(۱) ملفوظات حکیم الامت (۲) تجدید تعلیم تبلیغ

تھا کہ ان کی قوت توکل کامل ہے جیسے حضرت صدیق اکبر کو کہ حضور ﷺ نے ان کا کل سرمایہ قبول فرمالیا۔

۳) ایک شرط یہ ہے کہ چندہ دینے والے کی طبیعت پر گرانی نہ ہو یعنی ایسے طریقے سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو؛ کیوں کہ حدیث میں ہے "لا یحل مال امری مسلم إلا بطیب نفسہ" (دلی رضامندی کے بغیر کسی کا مال حلال نہیں)۔

۴) ایک شرط یہ ہے کہ (چندہ لینے میں) اپنی ذلت نہ ہو؛ کیوں کہ بعض طریقے ایسے بھی چندہ لینے کے ہیں کہ ان میں دینے والے پر تو بار نہیں ہوتا؛ مگر لینے والا نظروں سے گرجاتا ہے، حدیث شریف میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے، وہ اسی بناء پر ہے اوراسی وجہ سے جہاں نہ گرانی ہو اور نہ ذلت ہو وہاں حاجت کے وقت طلب کرنا درست ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر یا تو صلحاء سے مانگو یا بادشاہ سے مانگو۔

خلاصہ یہ کہ یا تو اہل اللہ سے مانگو یا بہت بڑے امیر سے مانگو۔(۱)

چندہ کے حلال ہونے کی اصل شرط

حضرت تھانوی نے فرمایا: اگر کسی قسم کا بھی دباؤ ہو تو میں اس چندہ کو حلال نہیں سمجھتا؛ کیوں کہ حدیث شریف میں یہ حکم صاف طور پر موجود ہے کہ "لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفسہ" (۲) (یعنی کسی انسان کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں)۔

دیکھئے حضور اکرم ﷺ "لا یحلّ" فرمارہے ہیں، پھر ایسا چندہ کیسے حلال ہوسکتا ہے، پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ چندہ دینا ناگوار نہ ہونا چاہئے، گو ریاء کے طور پر سے ہی دینا ہو؛ کیوں کہ ریاء کی صورت میں طیب خاطر (دلی رضامندی) تو ہوتی ہے، جس سے وہ رقم حلال ہوجاتی ہے؛ لیکن ریاء کی وجہ سے عمل مقبول نہیں ہوتا۔(۳)

---

(۱) تجارت آخرت:۵۹ (۲) مسند احمد

(۳) الافاضات الیومیۃ

زبردستی چندہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مساجد اور مدارس کے لئے زبردستی چندہ وصول کرتے ہیں جو اس سے بھی بدتر ہے، اس واسطے کہ اگر اپنے نفس کے لئے کرتا تو اپنے کو دینی نفع پہنچتا اور جب حق تعالیٰ کے لئے ایسے کیا تو خدا تعالیٰ بھی راضی نہ ہوئے اور اپنے پاس بھی نہ رہا پس "خسر الدنیا والآخرۃ" ہوگیا کہ نہ خود منتفع ہوا اور نہ خدا راضی ہوا اور یہ حرام اس لئے ہے کہ حدیث میں ہے کہ "لا یحل مال امری مسلم إلا بطیب نفسہ" بعض لوگ کہتے ہیں کہ "لا یحل "اس جگہ مرتبہ حرمت میں مستعمل نہیں؛ لیکن اس دعوی کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں(۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آج کل چندہ کی حالت یہ ہے کہ لوگ ایسے اس کے پیچھے پڑتے ہیں کہ فنا فی الچندہ ہوگئے ہیں، نہ جائز کو دیکھتے ہیں نہ ناجائز کو بس چندہ ہونا چاہئے اور جب کوئی ان سے کہے کہ چندہ میں یہ خرابیاں ہیں تو وہی جواب یہاں بھی ملتا ہے جو اس کھانے والے نے دیا تھا کہ سارے کام تو آج کل مالی قوت پر موقوف ہیں، اور مالی قوت کا مدار چندہ پر ہے، تو سارے کام موقوف ہوئے چندہ پر اور تم اس سے منع کرتے ہو۔

نظام چندہ کی موجودہ زمانے میں ایک خاص افادیت

اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب وخیال بن چکی ہیں، زمینداریاں ختم ہوگئی ہیں، مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں مدرسے چل رہے ہیں، اوران پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے، اس سے عوامی چندے کی افادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اوقاف کے سابقہ طریقے کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ بہت کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا، دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لئے یہ ایک ایسا مفید

---

(۱) دعوات عبدیت، تحفۃ المدارس: ۲/ ۲۵۹

اور مستحکم طریقہ تھا جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندے کی تحریک میں تبدیل کر دیا، چندے کی نسبت دار العلوم کا شروع سے طئے شدہ اصول ہے کہ اس میں نہ تو چندے کے لئے کوئی لازمی مقدار مقرر کی گئی ہے، نہ مذہب وملت کی تخصیص روا رکھی گئی ہے، چندے کی اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں: ''چندے کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اور نہ خصوصیت مذہب وملت ہے'' (۱)

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند، تحفت المدارس: ۲/ ۲۸۰ چندہ اور مدارس

دینی تعلیم کے لئے حکومتی امداد

فی نفسہ دینی تعلیم کے مقصد سے حکومت سے امداد لینا جائز ہے، اور حکومت کی طرف سے ملنی والی امداد جس مد کے لئے ہو، اس میں صرف کی جائے، اگر بچوں کے لئے ہے تو ان پر خرچ کیا جائے اور اگر اساتذہ کی تنخواہ کے لئے ہے تو ان کی تنخواہ میں استعمال کی جائے، لیکن ''مدارس عربیہ اسلامیہ'' جن کا مقصد علم دین کی ترویج وتعلیم اور دین اسلام کی نشر واشاعت ہے، ان میں ہمارے اکابرین نے حکومت کی امداد لینے کو پسند نہیں فرمایا؛ تاکہ دینی مقاصد میں حکومت کی مداخلت کا امکان نہ رہے، اس لئے اہلِ مدارس کو حکومت کی امداد لینے سے احتیاط کرنا چاہئے۔

حکومتی امداد سے بچایئے

دارالعلوم دیوبند کے قدیم دستور اساسی میں قیام دارالعلوم کے مقاصد کو پانچ دفعات میں بیان کیا گیا ہے، ان میں چوتھی دفعہ ہے۔

''حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا'' اس لئے ہمارے اکابر واسلاف رحمہ اللہ نے کبھی کوئی مدد طلب نہیں کی، مدد طلب کرنا تو دور کی بات ہے، کبھی پیش کی گئی تو اس کو قبول نہیں کیا، مالی تعاون کا یہ سلسلہ برطانوی دور حکومت سے جاری ہے، پچھلے سالوں میں اس طرح کی کوششیں تیز ہوگئیں تھیں، چنانچہ رجب ۱۴۲۱ھ میں رابطہ مدارس اسلامیہ کا کل ہند اجتماع دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا، اور مدارس اسلامیہ کے لئے حکومتی امداد کے مسئلے پر غور وخوض ہوا اور اتفاق رائے سے سرکاری امداد سے احتراز کی

تجویز منظور کی گئی، مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داران کو تاکید کی گئی کہ اس طرح کی سازشوں سے ہوشیار رہیں اور حکومت سے کسی طرح کا مالی تعاون حاصل کرنے سے احتراز کریں۔

بعد ازاں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب نور اللہ مرقدہ، سابق مہتمم دار العلوم دیوبند وسابق صدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی جانب سے رابطہ مدارس اسلامیہ سے مربوط اور غیر مربوط تمام مدارس اسلامیہ (جن کے پتے دستیاب ہوچکے) درج ذیل مکتوب ارسال کیا گیا، جس میں سرکاری امداد کے نقصانات اور مضر اثرات کو بیان کیا گیا، اور اس سے اجتناب کی اپیل کی گئی۔

اسلامی مدارس میں سرکاری امداد کے مضر اثرات

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر میں قائم اسلامی مدارس نے علوم اسلامیہ کی حفاظت واشاعت، اسلام کے بقاء وتحفظ، مسلمانوں کے درمیان اسلامی اقدار وروایات اور دینی ثقافت کے فروغ اور ملک وملت کی قیادت وسیادت کے حوالے سے نہایت ہی قابل قدر اور زریں خدمات انجام دی ہیں۔

ان مدارس نے اکابر رحمہم اللہ کے مقرر کردہ منہاج کی روشنی میں توکل علی اللہ کے قیمتی سرمایہ کے ساتھ، عوامی تعاون کے ذریعے، پوری فکر آزادی کو قائم رکھتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دار العلوم دیوبند کے لئے طئے فرمودہ، اپنے الہامی اصول ہشت گانہ میں ارباب حکومت کی ہر سطح کی امداد سے اجتناب کی تاکید فرمائی اور اسے مضر قرار دیا ہے، اور ہر دور میں اکابر وارباب مدارس ہی اسی اصول کی پیروی کرتے رہے؛ اس لئے انہوں نے کبھی حکومتِ وقت سے کوئی مالی امداد طلب نہیں کی، کبھی امداد کی پیش کش کی گئی تو قبول نہیں کیا، اس نظریئے کی بنیاد یہ ہے کہ حکومت کی امداد سے مندرجہ ذیل نقصانات کا پیدا ہوجانا یقینی امر ہے۔

۱- پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں حصول علم کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور علم دین

کو دنیوی مقاصد اور مفاد کے لئے حاصل کرنے پر شدید وعید کا ذکر کیا گیا ہے، اگر سرکاری امداد حاصل کی جائے تو علم دین حاصل کرنے والوں کی نیت کو محفوظ رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ علماء کی ذمہ داریاں بے شمار ہیں، انہیں تعلیم وتربیت کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا فرض بھی ادا کرنا ہے، مسلمانوں کی دینی قیادت بھی کرنی ہے، اس لئے کسی کی دادودہش کا مرہونِ منت ہونا ان کے فرض منصبی کی ادائیگی میں حارج ہوسکتا ہے۔

۳- سرکاری امداد قبول کرنے کا ایک کھلا ہوا نقصان جو مشاہدے میں آرہا ہے، یہ ہے کہ کتنے ہی مدارس اس امداد کو قبول کرنے کے بعد اپنی تعلیمی وتربیتی کارکردگی باقی نہیں رکھ سکے، اورعوامی جواب دہی سے بے نیازی کے تصور نے ان کو یکسر معطل اور بے کار بنا دیا ہے۔

۴- پھر آزاد ہندوستان میں اب تک تجربات کے تحت اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ارباب حکومت سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام یا مذہبی تعلیم کی سربلندی کے لئے تعاون کریں گے؟

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ملک کے بہت سے صوبوں میں مدرسوں کو امداد دینے والے سرکاری بورڈ پہلے سے موجود ہیں، جن کے تحت بہت سے مدرسے حکومت کی امداد حاصل کر رہے ہیں، بعض اور صوبوں میں حال ہی میں مدرسہ بورڈ اور ترقیاتی فنڈ برائے مدارس کا قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے، بعض صوبوں میں دینی مدارس کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دے کر ان کی امداد اور ان میں سدھار کے نام پر نصاب میں تبدیلی کی بات کی جارہی ہے، جن کے پس پردہ حکومت کے اپنے مقاصد ہیں، کیوں کہ کسی خاص فرقے کی مذہبی تعلیم وثقافت کو فروغ دینے کے لئے سرکاری مالی امداد دینا، آئینی اعتبار سے حکومت کے دائرہ عمل سے باہر ہے، پھر بھی حکومت کی اس معاملے میں یہ فراخ حوصلگی دوررس مقاصد کے تحت ہی

ہے، اس لئے ہمیں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک زرین دامِ فریب ہے، جو مدارس اسلامیہ میں مداخلت کی راہ نکل آئے اور اس کے بعد آسانی سے ان کی علمی وفکری آزادی کو سلب اور ان کے مذہبی ودینی کردار کو ختم کردینے کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوجائے۔

اس وقت عالمی سطح پر اسلامی تعلیم کے خلاف صہیونیوں کے منصوبے کے تحت تیار کردہ سازش کو زور وشور سے روبہ عمل لانے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ اسلامی تعلیم کے نظام کو اس طرح مفلوج کردیا جائے کہ اس سے صرف نام ونہاد اور جذبہ دین وفہمِ دین سے عاری علماء تیار ہوں، ہمارے ہاں حکومتی مشینری پر پرتشدد طبقے کے چھاجانے کی وجہ سے مدارس کے سلسلے میں جو خطرات پیدا ہوچکے ہیں، اور حکومت اور ذمہ داران حکومت کے بیانات اور طرزِ عمل سے جو یقینی خدشات جنم لے رہے ہیں، انہیں بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی مدارس کی آزادی کے تحفظ، نظام تعلیم وتربیت کو فعال بنائے رکھنے، مدارس کو حکومت کے دامِ فریب سے محفوظ رکھنے اور ان کے دینی منہاج اور اسلامی کردار وتشخص کی حفاظت وبقاء کے لئے موٴثر تدابیر اختیار کی جائیں، اور ان مقاصد کے حصول کے لئے ہر طرح کی حکومتی امداد سے مکمل احتراز کیا جائے۔(۱)

مدارس اور حکومتی امداد کے نقصانات

اگر حکومت یہ سلسلہ شروع کرتی ہے اور مدرسین اسے قبول کرتے ہیں تو علماء کرام اس کے نتیجے میں درج ذیل خطرات اور اندیشے محسوس کررہے ہیں، اور انہی خطرات کے مدنظر اس پیشکش کو قبول کرنے سے ائمہ وموٴذنین کو منع کیا جارہا ہے۔

۱- مدرسین کا تقرر علم دین اور ورع وتقوی کے بجائے رشوتوں اور سفارشوں کی بنیاد پر ہوگا۔

۲- مدرسین کے تقرر میں سیاسی وابستگی دیکھی جائے گی۔

(۱) مدارس اسلامیہ، حقیقی کردار اور نصب العین تحفظ، تجاویز اور مشورے،: ۴۳=۴۶، مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دار العلوم دیوبند

۳- تقرر میں صلاحیتوں کے بجائے سرکاری عہدیداروں اور قریبی تعلقات کو اہمیت دی جائے گی۔

۴- مدرسین اسلام کی ترجمانی کے بجائے حکومتِ وقت کی ترجمانی کرنے لگیں گے، بوقت ضرورت شرعی رہنماء کے بجائے حکومت وقت کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔

۵- مدرسین کے حکومت کے تنخواہ لینے کے نتیجہ میں مساجد کا روحانی نظام اور ان کا تقدس یقینا متاثر ہوگا۔

۶- معلم اور عالم دین کی حیثیت مذہبی قائد کے بجائے سرکاری ملازم کی ہوجائے گی۔

۷- عوام سے علماء کا رابطہ منقطع ہوجائے گا جو کہ دینی حیثیت سے ان کے لئے تباہی کے مترادف ہوگا۔

۸- مدرسین اپنی خدمت میں وقت کی پابندی کو ضروری خیال نہیں کریں گے، چونکہ وہ مدرسہ کے منتظمین کو جوابدہ نہ ہوں گے، پھر مدارس کا بھی وہی حشر ہوگا جو سرکاری اسکولوں میں دیکھا جارہا ہے، تجربہ ہوچکا ہے کہ دینی مدارس میں اساتذہ کو حکومت سے تنخواہیں مل رہی ہیں، وہاں مدارس کا نظام درہم برہم ہوچکا ہے۔

۹- مدرس بننے کے لئے جعلی سندوں کا سہارا لیا جانے لگے گا جو اسلامی نقطہ نظر سے بدترین گناہ ہے۔

۱۰- نا اہل افراد سفارش اور جعلی سندوں کے ذریعہ منصب تدریس حاصل کریں گے جو بہت بڑا نقصان ہے۔

۱۱- ایک مدرسے کی مدرسی کے لئے دو امیدوار ہوں گے تو ان میں مخاصمت پیدا ہوگی حتی کہ رسہ کشی کی نوبت آجائے گی، پھر علماء کے درمیان عدالت بازی کا سلسلہ شروع ہوگا۔

۱۲- حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، کوئی ضروری نہیں کہ ہر حکومت ائمہ ومؤذنین کی تنخواہوں کو بحال رکھے، تنخواہوں کے حکومت کی جانب سے موقوف کردینے پر دوبارہ عوام سے

چندہ اکھٹا کرنا مشکل ہوجائے گا، عوام میں جب نہ دینے کا مزاج بن جائے گا تو دوبارہ دینے کا مزاج بنانا مشکل ہوگا،

۱۳- حکومت جب تنخواہوں میں تاخیر کرے گی تو مدرسین احتجاج کریں گے، سڑکوں پر اتر آئیں گے، ریالیاں نکالیں گے، ہر سال اضافہ کے لئے باقاعدہ مدارس مدرسین یونین تشکیل پائے گی اور یہ سب منصب امامت کے تقدس کے خلاف ہے۔

۱۴- حکومت جب تنخواہ دے گی تو مدرسین مدرسہ کے پابندئ وقت کا نگراں کون ہوگا؟ منتظمین مدرسہ کی حیثیت کیا ہوگی؟ اگر مدرسہ کی انتظامیہ کی توسط سے تنخواہ دی جائے گی تو حساب وکتاب کے حوالہ سے انتظامیہ اور عملہ کے درمیان شکایت ہوگی، اس سے بھی عدالت بازی اور یونین سازی کی نوبت آئے گی۔

۱۵- مدرسین سفارش کے حصول کے لئے دنیاداروں، وزیروں، آفیسروں کے دفتروں کے چکر کاٹنے پڑیں گے۔

۱۶- سرکاری دفاتر میں جس طرح کام چوری ہوتی ہے، اسی طرح مدارس کی خدمات میں بھی کام چوری کا رواج چل پڑے گا۔

۱۷- ہندوستانی مسلمان مذہبی خدمات کو اپنا فریضہ سمجھے ہوئے ہیں اور وہ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی سنبھال رہے ہیں، جو پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے، اس جذبہ اسلامی اور غیرت ملی کا بقاء اسی طرح کام چلتے رہنے میں ہے۔

۱۸- مدارس پر جب عوامی سرپرستی رہے گی یہ نظام روحانیت کے ساتھ چلتا رہے گا، اور جب سرکاری سرپرستی کا آغاز ہوگا تو مدارس کا نظام پر مادیت کا غلبہ ہوجانے لگے گا۔(۱)

مدرسہ قدوسیہ اور حکومتی امداد

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ گنگوہ میں مدرسہ قدوسیہ تھا، اس کے مہتمم حکیم محمد یوسف صاحب تھے، مولانا زکریا صاحب قدوسی وہیں

(۱) مولانا مصدق صاحب قاسمی، ماہنامہ ضیاء علم، مجلس علمیہ، حیدرآباد، بابتہ ماہ اکتوبر ۲۰۱۵ء

کے پڑھے ہوئے تھے، گنگوہ کا نوجوان طبقہ اٹھا، اور کہا کہ مدرسہ ہم چلائیں گے، چنانچہ حکیم محمد یوسف صاحب نے مدرسہ کے تمام حسابات وغیرہ صاف کر کے ان کے حوالہ کر دیئے۔

نوجوانوں نے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی کہا کہ فلاں چیز برابر نہیں ہے، فلاں چیز برابر نہیں، اس کو ٹھیک کرنا چاہئے، پیسہ پاس نہیں تھا، اس لئے طئے ہوا کہ حکومت سے مدد لینی چاہئے، چنانچہ مدد لی گئی، حکومت کی طرف سے آدمی آتا تھا، اور حسابات چیک کرتا تعلیم کا معائنہ کرتا تھا، حکومت کی طرف سے ممتحن آیا اور سب طلباء کو فیل کر کے اساتذہ کو نااہل قرار دے دیا، حکومت کے مدرسین آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ کل ڈیڑھ سال میں ہی وہ مدرسہ بند ہو گیا، اب اس کی دیواریں منہدم پڑی ہیں۔

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

دینی مدارس اللہ تعالیٰ پر توکل اور عامۃ المسلمین کے تعاون سے چلتے ہیں، جن مدارس نے حکومت سے وظائف لینا شروع کیا ہے، وہ کبھی آزاد مدارس سے آگے بڑھ کر ترقی نہیں کر پائے، اس لئے دینی مدارس کا حکومت سے ملحق ہو کر وظائف حاصل کرنا روحانی ترقیات پر روک لگاتا ہے، اس لئے حکومت سے ملحق کرنا مناسب نہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَعَسٰى أَن تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۱)

مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا

کیا مدرسہ کے لئے غیر مسلم ہندوؤں کا چندہ لیا جا سکتا ہے:

اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس شرط سے قبول کرنا جائز ہے۔

”وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط

(۱) البقرة:۲۱۶

کونہ قربۃ عندنا وعندہم"(۱)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی غیر مسلم اپنی خوشی سے مدرسہ کے لئے چندہ دینا چاہتا ہے، اور کسی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کو مدرسہ کی ضروریات میں چاہے تنخواہوں میں یا تعمیر یا مطبخ یا کسی بھی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے''(۲)

مٹھی فنڈ کا نظام

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ تعالی نے مالیات کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے دعوۃ الحق کا جب سلسلہ شروع کیا تو چٹکی کا فنڈ قائم کیا، اور ''چٹکی کا قاعدہ اور چٹکی کا فائدہ'' کے عنوان سے پرچہ شائع کیا ہے، پہلے اس کو ایک گاؤں میں شروع کیا، چند گھروں میں ڈبے رکھنے کے بعد ایک غریب بڑھیا کا گھر چھوڑ دیا گیا؛ کیوں کہ یہ بہت مفلس اور نادار تھی، لیکن جب اسے پتہ چلا کہ اور گھروں میں آٹا وصول کرنے کے لئے ایک خاص نظام کے تحت ڈبے رکھائے گئے ہیں، یا ہانڈیاں مٹی کی رکھائی گئی ہیں اور گھر والی عورتیں کھانا پکاتے وقت ایک مٹھی آٹا اس میں ڈال دیں گی اور ہفتہ بھر جو آٹا اس طرح جمع ہوگا وہ قرآن پاک کے مدرسہ چلانے کے لئے استاذ کی تنخواہ اس کی قیمت سے دی جائے گی تو وہ بڑھیا شام کو حاضر ہوئی اور مدرسہ کے ناظم سے درخواست کی کہ ہمارے یہاں بھی ہانڈی یا ڈبہ رکھ دیجئے مجھے اس ثواب سے محروم نہ کیجئے، جس وقت ہمارے یہاں کھانا پکے گا ہم بھی ایک مٹھی آٹا ڈال دیں گے اور جس وقت فاقہ ہوگا نہ ڈالیں گے۔

اس بڑھیا کے خلوص سے اہل مدرسہ اور پورا گاؤں بہت متاثر ہوا اور ان بڑی بی کے یہاں بھی چٹکی فنڈ کا نظام قائم کر دیا گیا۔

---

(۱) البحر الرائق: کتاب الوقف کوئٹہ: ۵/ ۸۹، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۱۳۳

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۱۳۳

ارشاد فرمایا کہ اس چٹکی کی برکت سے ہر گاؤں کے مدرسے مقامی امداد سے چل رہے ہیں، باہر سے امداد کو خلاف غیرت سمجھتے ہیں، اور ایسے گاؤں جہاں کہ جمعہ جائز نہیں وہاں سات سو آٹھ سو روپیئے کا آٹا فروخت ہوتا ہے اور تین چار اساتذہ کر رہے ہیں، ابتدائی دور میں چٹکی فنڈ سے سات سو روپیئے کی وصولی تھی، لیکن اب یہ کام نظم سے چلایا گیا تو دعوۃ الحق کے تمام مدارس جن کی تعداد ستر سے زائد ہے، سب جگہ چٹکی فنڈ کی آمدنی تقریبا پچپن ہزار روپیئے تک ہے، ہر گھر سے آٹا وصول کرنے کے لئے محصل بھی مقرر ہیں اور ان کو معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔

چٹکی فنڈ سے کسی گھر کو بار بھی نہیں محسوس ہوتا اور اچھا خاصا کام چلتا ہے اور غریب گھرانوں کو بھی دین کی خدمت کی سعادت حاصل ہوجاتی ہے، ہر ماہ نقد دینا تو دو روپیہ بھی کھلتا ہے؛ مگر انہیں گھر سے ماہانہ پانچ روپیئے کا آٹا وصول ہوجاتا ہے۔(۱)

چندہ خاص طور سے غرباء سے

مولانا مملوک علی صاحب (سابق نائب مہتمم دار العلوم دیوبند) سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الہند مولانا محمود صاحب رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے یہ اشکال پیش کیا کہ مدارس اسلامیہ کے لئے چندہ کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں، لوگوں میں علم وعلماء کی تحقیر پیدا ہوتی ہے اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے؟ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: چندہ کرو مگر غریبوں سے۔

حضرت نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے، تعظیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں، خوش دلی کے ساتھ دیتے ہیں، جس میں برکت ہی برکت ہوتی ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غریبوں سے چندہ ملے ہی گا کتنا؛؟ مگر یہ خیال اولا تو یوں غلط ہے کہ دنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد مالداروں سے زیادہ رہی ہے، اگر سب غریب آدمی ایک ایک آنہ دینے لگیں تو لاکھوں

(۱) مجالس ابرار، تحفت المدارس: ۲/ ۲۸۵ چندہ اور مدارس

کی رقم جمع ہو جائے گی، دوسری بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانہ پر کرو زیادہ نہ بڑھاؤ، کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اٹھایا جائے۔(۱)

ایک شخص کہنے لگے کہ امراء سے تعلق رکھے بغیر مدارس وغیرہ کا کام نہیں چلتا، میں نے کہا: ”انا عند ظن عبدی بی“ (میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں) چونکہ تمہارا یہی خیال ہے تو تمہارا کام نہ چلتا ہوگا۔

اگر اہل علم استغناء اختیار کرلیں تو تمام امراء ان کے دروازوں پر آنا شروع کر دیں، میں اہل مدارس کو چندہ کرنے سے منع نہیں کرتا؛ لیکن میں دو چیزیں ضروری قابل التزام سمجھتا ہوں ایک تو یہ کہ چندہ کا خطاب عام ہو کسی خاص تحریک سے نہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ (چندہ کی تحریک) صرف غرباء سے کی جائے اور غرباء سے مراد مفلس (غریب) نہیں؛ بلکہ مخلص امراء بھی ان میں داخل ہیں، امراء (مالداروں) میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود ہیں، اہل دنیا بھی اور اہل دین بھی سو یہ مسکنت مال کی نہیں؛ بلکہ وہ مسکنت تواضع اور خلوص کی ہے اور ایک مسکنت ”ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ“ کا مصداق ہے، تو یہ مسکنت عتاب ہے۔

اسی طرح فقر دو طرح کا ہے، ایک فقر اختیاری جس کی حقیقت زہد ہے اور ایک فقر اضطراری یہ عذاب ہے (الافاضات الیومیۃ)۔(۲)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

”غرباء کے چندہ کی قدر کرنی چاہئے، اور ان پر ہنسنا نہیں چاہئے، کیوں کہ یہ بڑا جرم ہے، تعزیرات الہیہ کا، چونکہ ارشاد باری عز وجل ہے: الَّذِيْنَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لاَ يَجِدُونَ إِلاَّ جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ (التوبۃ: ۷۹) شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ

---

(۱) تجارت آخرت

(۲) تحفۃ المدارس: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، چندہ اور مدارس

حضور اکرم ﷺ نے چندہ کی ترغیب دی تھی تو حضرت عبد الرحمن بن
عوف اتنا لائے کہ اٹھ بھی نہ سکے، اور ایک صحابی جو کے دانے لائے،
منافقین دونوں پر ہنسے ایک کو ریا کار اور ایک کو بے شرم کہا"(۱)

اگر علماء چندہ چھوڑ دیں

فرمایا: چندہ کرنا علماء کا کام نہیں، یہ کام دنیا والوں کا ہے، علماء اس طرح نہیں کر سکتے اور جو ایسا کرتے ہیں اچھا نہیں کرتے، اس کا انتظام سب مسلمانوں کے ذمہ ہے، ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کام بھی کریں اور بھیک بھی مانگیں، فرمایا: میں تو چندوں کی بابت علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا، لوگ بڑی تہمتیں لگاتے ہیں، بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کے لئے مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں، ان کے دروازہ پر چندہ کے لئے نہ جائیں۔

واللہ اگر علماء آج دستکش ہو جائیں جیسا کہ اہل حق بحمد اللہ ہیں تو یہ بڑے بڑے متکبرین ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں؛ بلکہ علماء کے لئے تو یہ مناسب ہے کہ اگر کوئی دنیا دار ان کے سامنے کوئی چیز بھی پیش کرے تو لینے سے انکار کر دیں، علماء کا وجود فی نفسہ ایسا محبوب تھا کہ اگر یہ کسی کے گھر چلے جاتے تو اس دن عید ہونی چاہئے تھی، حالانکہ آج وہ دن یوم الوعید ہو جاتا ہے، اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان طماعوں کی بدولت ہر عالم کی صورت دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ کچھ مانگنے آئے ہوں گے، علماء کی تو وہ حالت ہونی چاہئے کہ مال اور جاہ دونوں کو آگ لگا دو، اگر تم ان امراء کے دروازہ پر جانا چھوڑ دو تو یہ خود تمہارے دروازے پر آئیں گے۔

چندہ کی ناپسندیدہ تدبیر

فرمایا: آج کل لوگ چندہ جمع کرنے ایک یہ تدبیر کرتے ہیں کہ اہل ثروت کو دعوت دیتے ہیں، پھر ان سے مجلس میں سب کے سامنے چندہ کرتے ہیں، یہ طریقہ ناجائز ہے، اور اس کے ذریعہ ملنے والی رقم حرام ہے، کیوں کہ مجلس میں شریک ہونے والا نہ دینے میں اپنی سبکی محسوس کرتا ہے۔ "لا یحلّ مال امرءٍ مسلم إلا بطیب نفس منه"۔

(۱) تحفت المدارس: ۲/ ۲۹۰ چندہ اور مدارس

علماء کرام چندہ ہرگز نہ کریں

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مولویوں کے چندے سے تو دین کی بڑی بے وقعتی ہورہی ہے، عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا دھندا اپنے پیٹ کے لئے کیا جارہا ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ علماء کو چندہ کا کام ہرگز نہ کرنا چاہئے، بلکہ جو کام دین کا کرنا ہو اس کے لئے قوم کے معزز آدمیوں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ صاحبو! دین کی حفاظت کے لئے اس کام کی ضرورت ہے، آپ بھی غور کرلیں کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر وہ ضرورت کو تسلیم کرلیں تو ان سے کہا جائے کہ سب مل کر اس کا انتظام کریں، علماء اصل کام کریں اور معززین روپیہ کا انتظام کریں اور روپیہ بھی جمع کردیں اور اگر وہ یہ کہیں کہ یہ کام ضروری نہیں فضول ہے تو علماء کو چندہ کی ضرورت نہیں بس وہ کام بند کر کے اپنے گھر پر رہیں اور تجارت وزراعت یا کسی اور شغل میں لگیں اور فرصت کے وقت میں جتنا ہوسکے دین کا کام کریں، اس صورت میں قیامت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔

میری رائے یہ ہے کہ علماء سے چندہ کی تحریک بھی مت کراؤ، انہیں چندہ وصول کرنے کے لئے مت مقرر کرو، اس میں ان کا اعتبار جاتا رہتا ہے، میری رائے یہ ہے کہ چندہ کی تحریک رؤساء کریں ان کی تحریک کا اثر زیادہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ خود بھی دیں گے علماء کی طرف سے یہ خیال ہوگا کہ وہ دوسروں ہی سے کہتے ہیں خود کچھ نہیں کرتے، رؤساء پر یہ بدگمانی نہیں ہوگی، کیوں کہ ظاہر ہے کہ جو شخص پچاس روپیہ اپنی جیب سے دیگا تو وہ اوروں سے پچیس لے سکتا ہے، اور یہ رؤساء کر سکتے ہیں، اس لئے علماء کو چاہئے کہ وہ اس کام کو نہ کریں، پھر یہ تحریک علماء کے فرض منصبی میں بھی مخل ہوتی ہے۔

علماء سے وہی کام لو جس کام کے لئے وہ ہیں: یعنی ان سے دین سیکھو، مگر آج کل علماء سے وہ کام لیا جاتا ہے جو ان کا نہیں ہے، کانفرسوں میں لوگ علماء کو صرف اس لئے بلاتے ہیں کہ ان کے "قال اللہ قال الرسول" کے ذریعہ خوب چندہ ہوگا۔

اور ایک جگہ حضرت ہردوئی فرماتے ہیں:

''بالخصوص علماء اور اہل علم کے لئے یہ مناسب نہیں ہے، چندہ کی ترغیب میں تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن چندہ کرنا یہ ان کی شان کے مناسب نہیں، الحمدللہ ہمارے یہاں مجلس دعوۃ الحق میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، میں نے ایک جگہ کہا تھا کہ جو شخص پنج وقتہ نماز میں تمہارا امام، جمعہ میں امام اور عیدین میں امام ہے، اس کے ساتھ یہ معاملہ کہ جب مدرسہ کے چندہ کا وقت آیا، وہ امام تمہارا غلام بنے اور چندہ کرتا پھرے، تمہاری غیرت کو کیا ہوگیا کہ مقتدی لوگ بیٹھے رہیں اور امام صاحب یہ کام کریں؟ بنیادی بات یہی ہے کہ اصل مقصد دین کی خدمت ہے، آسانی اور سہولت سے جتنا ہو سکے اصول وقاعدے کے موافق کام کرے، پھر انشاء اللہ ہلکے ہلکے راستے کھلتے ہیں، آسانیاں ہوتی ہیں، انتظامات ہوتے ہیں، آج کل پہلے ہی سے بڑے بڑے منصوبے بنا لیتے ہیں، نقشہ پہلے تیار کر لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقصد کام نہیں رہ جاتا، بس پیسہ جمع کرنا، چندہ کرنا، اسی پر توجہ اور محنت ہوتی ہے، مدرسہ اشرف المدارس کا جب کام شروع کیا گیا تو اعلان کر دیا گیا کہ کل سے مدرسہ کھل رہا ہے جو لوگ اپنے بچوں کو تعلیم دینا چاہتے ہیں وہ بھیجیں اور تعلیم کی کوئی فیس وغیرہ نہیں لی جائے گی، اور مدرسہ کی جو مسجد ہے اس وقت دو منزلہ نہیں تھی، آگے برآمدہ بھی نہیں تھا اسی میں جو حصہ خارجِ مسجد تھا وہاں دو چار پائیاں ڈلوادی گئیں، پہلے دو طالب علم آئے، ایک قرآن کی تعلیم کے لئے اور ایک فارسی عربی پڑھنے کے لئے، بس انہیں دو طالب علموں سے کام شروع کیا گیا، پھر ماشاءاللہ دھیرے دھیرے کام چلتا رہا، اب اس شکل میں ہوگیا''۔(۱)

---

(۱) مجالس محی السنۃ: ۹۲

اللہ پر بھروسہ میں کمی آتی جارہی ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ عرصہ کی بات ہے کہ ایک مرتبہ پرتاب گڈھ جارہا تھا تو گاڑی میں میری طالب علمانہ صورت وضع کو دیکھ کر ایک صاحب آئے، اور سلام کر کے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ پرتاب گڈھ ایک دینی جلسہ میں جارہا ہوں، پھر پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا: ہردوئی میں ایک مدرسہ ہے اسی میں ہوں، پھر انہوں نے تفصیلات معلوم کیں تو ان کو بتلایا، اس وقت مدرسہ قائم ہوئے چارسال ہو چکے تھے، انہوں نے کہا کہ اتنے دنوں سے مدرسہ قائم ہے، آپ کا سفیر میرے یہاں نہیں آیا اور مدرسوں کے سفراء تو آتے ہیں، میں نے کہا: جب سفیر ہی نہیں ہے تو وہ کہاں سے آئے؟ اب ان کو حیرت اور تعجب کہ یہ سب کام ہورہا ہے اس کے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں، چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ کیا اس کے لئے کوئی وقف ہے؟ میں نے کہا: نہیں، کہنے لگے: کیا گورنمنٹ سے امداد ملتی ہے، میں نے کہا نہیں، کیا محلے کے لوگوں نے اس کا خرچ اپنے ذمہ لیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، کیا چند رؤساء نے اس کی ذمہ داری لی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اب ان کو حیرت اور تعجب کہ ان ساری چیزوں کے باوجود مدرسہ کیسے چل رہا ہے؟ اس کے اخراجات کیسے چل رہے ہیں؟ تو پھر میں نے ان سے پوچھا یہ بتلایئے کہ جب آپ نے دوکان کھولی تھی کیا محلہ کے لوگوں نے ذمہ داری لی تھی کہ آپ دوکان کھولیں ہم آپ کے یہاں سے کپڑا لیں گے؟ کہنے لگے کہ نہیں، پھر میں نے عرض کیا تو کیا گورنمنٹ نے اس کی ذمہ داری لی تھی؟ کہنے لگے کہ نہیں، پھر میں نے کہا: کیا چند مالدار لوگوں نے اسکی ذمہ داری لی تھی؟ کہنے لگے کہ نہیں، تو کیا آپ نے اس کے لئے ایجنٹ بنائے تھے،؟ کہنے لگے کہ نہیں، تو میں نے پوچھا کہ پھر آپ کی دوکان کیسے چلتی ہے؟ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ گاہک کو بھیجتا ہے، میں نے کہا: کیوں صاحب آپ کے یہاں تو اللہ تعالیٰ گاہک بھیجتا ہے اور ہمارے یہاں مدرسہ کے اخراجات اور اس کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو نہیں متوجہ کرے گا؟ اس جواب کو سن کر وہ کہنے لگے کہ جواب عجیب ہے، میں

نے کہا: لیکن صحیح تو ہے، میں نے عرض کیا کسی کے یہاں گاہک جاتا ہے پیسہ دے کر کباب لے جاتا ہے کسی کے یہاں سے کتاب لے کر جاتا ہے آپ کے یہاں سے کمخواب لے کر جاتا ہے، آج کل اکثر لوگوں کی روپیہ پیسہ دینے والوں کے ہاتھ اور جیب پر نظر ہوتی ہے، جس نے جیب میں ڈالا ہے اس پر نظر نہیں ہے، بزرگوں کی ہدایت کے موافق کام کرے، پھر اس کی برکت کا مشاہدہ ہوگا۔(۱)

قیام دارالعلوم اوراس کا پہلا چندہ

۱۸۵۷ء کے خونی انقلاب میں جب دہلی اجڑی اور اس کے سیاسی بساط الٹ گئی، تو دہلی کی علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی، اور علم ودانش کا کارواں وہاں سے رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہوگیا، اس وقت کے اہل اللہ اور خصوصیت سے بزرگوں می۔ جو اس خونیں انقلاب سے خود بھی گذر چکے تھے، اور مسلمانوں کی نعشوں کو خاک وخون میں تڑپتا ہوا دیکھ چکے تھے، یہ فکر واضطراب لاحق ہوا کہ علم ومعرفت کے اس کارواں کو کہاں ٹھکانا دیا جائے، اور ہندوستان میں بے سہارا مسلمانوں کے دین وایمان کو سنبھالنے کے لئے کیا حکمت عملی اپنائی جائے، اسے بخت واتفاق کہئے یا تقدیر الٰہی کہ اس وقت اس راہِ عمل کے لئے مذاکروں کا مرکزی مقام دیوبند کی مسجد چھتہ بن گئی، یہ وہی مسجد ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ورود دیوبند کے موقع پر قیام رہتا تھا، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی سسرال کے محلہ دیوان میں تھے، اس لئے اکثر دیہات آوری ہوتی رہتی تھی، دیوبند میں حضرت مولانا ذوالفقار علی، حضرت مولانا فضل الرحمن اور حضرت حاجی محمد عابد سے مودت ومحبت کا رشتہ قائم تھا، ان حضرات کے وقت کا اکثر حصہ اسی ذکر وفکر میں صرف ہونے لگا سوانح مخطوطہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''اس زمانے میں جناب مولوی رفیع الدین صاحب اور جناب حاجی محمد عابد رحمہما اللہ چھتے کی مسجد میں قیام پذیر تھے، مولانا نے ان بزرگوں کی وجہ سے اسی مسجد میں قیام کیا اور ان دونوں بزرگوں سے کمال درجے کا ربط ضبط قائم ہوگیا''۔

(۱) مجالس محی السنۃ: ۹۴۔۹۵

اسی وقت بنیادی نقطۂ نظر یہ قرار پایا کہ مسلمانوں کے دینی شعور کو بیدار رکھنے اور ان کی ملی شیرازہ بندی کے لئے ایک دینی وعلمی درسگاہ کا قیام ناگزیر ہے، اس مرکزی فکر کی روشنی میں حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء خاص حضرت مولانا ذوالفقار علی، حضرت مولانا فضل الرحمن اور حضرت حاجی عابد رحمہم اللہ نے یہ طئے کیا کہ اب دہلی کے بجائے دیوبند میں یہ دینی درسگاہ قائم ہونی چاہئے۔

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلامی عہد حکومت میں مدارس کے لئے حکومت کی جانب سے اوقاف مقرر ہوتے تھے، جن سے مدارس کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے، والیانِ ریاست اور امرائے حکومت بھی پوری فیاضی کے ساتھ مدارس کی سرپرستی کرتے تھے، مگر جب دار العلوم قائم ہوا تو اسلامی حکومت کی وہ شمع جو چھ سوسال سے ہندوستان میں روشن تھی، اسلامی حکومت نے عوام کو اس سے بے نیاز کر دیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے سر اٹھائیں، اس لئے اس وقت کا سب سے زیادہ فائدہ یہ تھا کہ آئندہ بچوں کی تعلیم کا اس طرح انتظام کیا جائے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی جدوجہد کے جرم میں انگریزوں نے مسلمانوں پر جہاں بے پناہ مظالم توڑے تھے، وہیں اسلامی علوم وفنون اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کو بھی تباہ وبرباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، اوقاف ضبط کر لئے گئے تھے، جن کی وجہ سے قدیم مدارس قریب قریب ختم ہو گئے تھے، اس لئے اب ضرورت تھی کہ اوقاف کے سابقہ طریقے پر بھروسہ کے بجائے کوئی دوسرا طریق اختیار کیا جائے، حضرت نانوتوی کے اصول ہشتگانہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ طریقہ عوامی چندے کا تھا، جس میں نہ حکومت کی مالی امداد شامل ہو اور نہ جاگیرداروں کی؛ تاکہ سرکاری اثرات سے یہ تعلیم گاہ آزاد رہے۔

چندے کی تحریک

چندے کی فراہمی کے سلسلے میں جس نے سب سے پہلے عملی اقدام کیا وہ حضرت حاجی محمد عابد رحمہ اللہ تھے، حاجی فضلِ حق صاحب نے حضرت نانوتوی کی سوانح مخطوطہ میں دار

العلوم کے لئے چندے کا طریقہ اختیار کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایک دن بوقت اشراق حضرت حاجی سید محمد عابد سفید رومال کی جھولی بنا اور اس میں تین روپیئے اپنے پاس سے ڈال چھتہ کی مسجد سے تنِ تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے، مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپیئے عنایت کئے اور دعا کی اور بارہ روپیئے مولوی فضل الرحمن صاحب نے اور چھ روپیئے اس مسکین (سوانح مخطوطہ کے مصنف حاجی فضل حق صاحب) دیئے، وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی سلمہ اللہ تعالی کے پاس آئے، مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں فورا بارہ روپیئے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپیئے عنایت کئے، وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلہ ابوالبرکات پہنچے، دوسو روپیئے جمع ہوگئے اور شام تک تین سو روپیئے، پھر تو رفتہ رفتہ خوب چرچا ہوا، اور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں، یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔

آج سے سوا سو سال پہلے بلاشبہ یہ ایک عجیب وغریب اور نئی بات تھی کہ عوامی چندے کی بنیاد پر ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جو حکومت کے اثرات سے آزاد ہو، آنے والے عوامی دور کے پیش نظر ایک زبردست پیش بینی تھی، تحریکِ خلافت کے موقع پر جب مولانا محمد علی مرحوم دارالعلوم میں آئے تو نہوں نے حضرت نانوتوی کے اصول ہشتگانہ دیکھے تو مولانا مرحوم کی آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ: ان اصول کا عقل سے کیا تعلق! یہ تو خالص الہام ومعرفت کے سرچشمے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں، سو برس کے بعد دھکے کھا کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں حیرت ہے کہ یہ بزرگ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے''

اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب وخیال بن چکی ہیں، اور زمینداریاں ختم ہوگئی ہیں؛ مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں دینی مدرسے چل رہے ہیں، اور ان پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے، اس سے عوامی چندے کی افادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے!

اوقاف کے سابقہ طریقے کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا، دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لئے یہ ایک ایسا مفید اور مستحکم طریقہ تھا، جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندے کی تحریک میں تبدیل کر دیا، چندے کی نسبت دارالعلوم کا شروع سے طئے شدہ اصول یہ رہا ہے کہ اس میں نہ تو چندے کے لئے کوئی لازمی مقدار مقرر کی گئی ہے نہ مذہب وملت کی تخصیص روا رکھی گئی ہے، چندے کی اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''چندے کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اور نہ خصوصیت مذہب وملت ہے''۔(۱)

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتوی نے دینی مدارس خصوصا دارالعلوم کے قیام وبقاء کے لئے جو دستور العمل تجویز فرمایا ہے، اس میں اسلامی دورِ حکومت کے سابقہ طریق کے برعکس اسی عوامی چندہ اور جمہوری طرز کے اختیار کرنے کی پرزور تلقین کی گئی ہے، دستور العمل کی دفعہ نمبر ایک میں ہے:

''اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کی اہمیت تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے''(۲)

اس دفعہ میں واضح طور تکثیر چندہ پر پورا زور دیا گیا ہے:

تکثیر چندہ کی صورتیں

سوال یہ ہے کہ تکثیر چندہ کے لئے کونسی صورتیں اختیار کی جائیں؟ ہمارے اکابر کا اس سلسلہ میں طرز عمل مختلف رہا ہے:

(۱) استغناء سے کام لیا جائے

حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: انسان واستغناء کی حقیقت اختیار کرنا چاہئے، اس میں خود یہ اثر ہے کہ دنیا کھینچی چلی آئے گی، مگر خدرا محض اس نیت سے

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/ ۱۴۸ تا ۱۵۲

(۲) أیضا: ۱/ ۱۵۳

استغناء نہ کرنا، محض اللہ واسطے مستغنی بننا چاہئے اور کسی کے سامنے حق تعالیٰ کے ہاتھ نہ پھیلانا چاہئے، یہ طریقہ علماء نے چھوڑ دیا ہے، اسی وجہ سے ان کی بات میں اثر نہیں رہا۔(۱)

ہمارے اکابر جو کہتے ہیں وہ خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں، حضرت تھانوی نے استغناء کے ساتھ مدرسہ چلایا، اس سلسلہ کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے:

حضرت تھانوی کا طریقہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر لوگ خالص نیت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں تو اپنے آپ ہی لوگ آ آ کر خدمت کریں گے، کانپور میں جب میں پڑھاتا تھا تو مدرسہ کی مسجد میں طلباء کے لئے ایک حوض تیار کرانے کی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں اور کسی سے چندہ مانگنے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا، بس میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کرو اور ایک جگہ متعین کر کے گڑھا کدھوایا اور چھوڑ دیا گیا، لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہتے کہ حوض ہے، جتنی ہماری اندر طاقت تھی اور جتنا امان ہمارے پاس تھا اتنا ہم نے کرلیا، آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، دو ایک دن تو یوں ہی پڑا رہا اس کے بعد ایک دن محلہ میں ایک بڑی بی نے مجھ کو اپنے گھر بلایا جو پہلے بھی کبھی کبھی بلایا کرتی تھیں اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض تجویز ہوا ہے، اس کا کیا انتظام کیا گیا ہے، میں نے کہا: جتنا کام ہمارے اختیار میں تھا، اتنا کرادیا ہے، کہنے لگے: کیا تخمینہ ہے؟ میں نے کہا: پانچ سو روپیئے، کہنے لگیں: میں دوں گی، میرے سوا کسی اور کی رقم نہ لگے اب اور لوگ آنے شروع ہو گئے کہ صاحب! ہمارے پانچ روپیئے قبول کر لیجئے، ہمارے دس روپیئے قبول فرمایئے، میں نے کہہ دیا کہ ایک نے بی بی ایسا کہہ دیا ہے، ہاں ایک سائبان تجویز کیا ہے اس کے اوپر ڈالا جائے، کہنے لگے: تو پھر ہم اسی کے لئے دیتے ہیں، چنانچہ اس طرح حوض بھی تیار ہو گیا اور سائبان بھی تیار ہو گیا، تھوڑا سا کام شروع کر دینے سے کام قابو میں رہتا ہے۔(۲)

---

(۱) العلم والعلماء: ۱۳۷

(۲) القول الجمیل: ۳۲

ہم نے اپنے وطن میں ایک مدرسہ کر رکھا ہے؛ مگر اس انداز سے کہ نہ کسی سے چندہ مانگا جاتا ہے، نہ کسی کو ترغیب دی جاتی ہے، طلبہ سے صاف کہہ دیا تو ہم دیں گے؛ مگر باجود اس استغناء کے مدرسہ اچھی خاصی طرح چل رہا ہے۔(۱)

حضرت بنوری کا استغناء اور ان کے جامعہ کی خصوصیات

محدث عصر حضرت مولانا یوسف بنوری (بانی جامعۃ العلوم الاسلامیۃ نیو ٹاؤن، کراچی، پاکستان) کے نام نا سے شاید ہی اہل علم میں سے کوئی ناواقف ہوں، ان کا یہ جامعہ پاکستان کے ممتاز مدارس میں شمار کیا جاتا ہے، حضرت بنوری کے حالات میں لکھا ہے:

''اخلاص وتوکل اللہ تعالیٰ نے اتنا اعلیٰ عطا فرمایا تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کسی سفیر، جلسہ، اشتہار و اعلان کی ضرورت نہیں، جس کا مدرسہ ہے وہ خود چلائے گا، چنانچہ مخلص حضرات خود آکر چندہ دے جاتے تھے، کوئی سفیر نہ تھا نہ اپیل، حتی کہ ہمارے شیخ علیہ الرحمہ بعض مرتبہ تو زکوۃ دینے والوں سے فرمادیا کرتے تھے کہ ہمارا سال بھر کا انتظام ہو چکا ہے، آپ کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیں، بعض مرتبہ خود لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیتے تھے، کتنے مدرسے ایسے تھے جن کی امداد خود ہی فرمایا کرتے تھے، نہ حکومت سے مدد لیتے تھے، نہ اوقاف سے، نہ ہی کسی اور سرکاری وغیر سرکاری ادارہ سے، بھروسہ تھا تو صرف خدا کی ذات پر، وہی دلوں کا پھیرنے والا ہے، وہ دلوں کو اس طرح پھیر دیتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی کہ لوگ پیسے دے رہے ہیں اور شیخ رحمہ اللہ استغناء سے واپس فرما رہے ہیں کہ ہمیں زکوۃ کی ضرورت نہیں، یہ بھی کوئی پیسہ ہے، تم پر ہمارا احسان نہیں کہ زکوۃ دے رہے ہو، بلکہ ہمارا تم پر احسان ہے کہ ہم تمہارے پیسے قبول کرتے ہیں اور صحیح جگہ پر لگاتے ہیں، کسی سے فرماتے کہ یہ زکوۃ کا پیسہ اس وقت قبول کریں گے جب کہ اتنی ہی مقدار میں غیر زکوۃ کا پیسہ دو، جب وہ صاحب حامی بھر لیتے تو قبول کر لیتے، فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مدرسہ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ مدرسین حضرات کی تنخواہ اس فنڈ سے دی جاتی ہے جس میں صرف عطیات وتبرعات

(۱) دعوات عبدیت: ۷/۱۶، العلم والعلماء: ۷۳۳، ۳۳۸

کا پیسہ ہو، زکوۃ وصدقات تنخواہوں میں قطعاً نہیں دیئے جاتے۔

۲۔ زکوۃ اور صدقات واجبہ کے اموال صرف طلباء کے وظائف میں لگائے جاتے ہیں، تنخواہ کے لئے اس مد سے قرض تک نہیں لیا جاتا، نہ حیلہ تملیک کر کے کسی دوسرے مصرف میں لگایا جاتا ہے۔

۳۔ ہر ضرورت کی چیز اس کے خاص فنڈ سے خریدی جاتی ہے، اگر تعمیر کی ضرورت ہے تو اس کے نام سے پیسہ آنا چاہئے اور وہ صرف اسی پر خرچ ہوگا، اگر دریاں، قالین، پنکھے وغیرہ خریدنا ہے تو اس کے نام سے قوم پیسہ دیتی ہے، اور یہ چیزیں خریدی جاتی ہیں، کتابوں کی خرید کے نام سے پیسہ لیا جاتا ہے وہ اسی جگہ پر خرچ ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ تعمیر کے نام سے جو پیسہ لیا جاتا ہے، وہ اسی جگہ پر خرچ ہوتا ہے۔

(۲) تکثیر چندہ کی دوسری صورت

تکثیر چندہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ تحریر کے ذریعے چندہ کا عام اعلان کیا جائے، مثلاً پمفلٹ شائع کر کے حسب ضرورت کسی رسالہ میں مضمون یا اعلان لکھ دیا یا مدرسہ کی سالانہ روئداد میں مدرسہ کی ضروریات لکھ دیں، وغیرہ وغیرہ، جو صاحب اموال مصارف خیر کے متلاشی ہوں گے وہ اپنی رقوم پہنچا دیں گے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا یہ بھی طریقہ رہا ہے فرماتے ہیں:

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کا قصہ ہے کہ میں نے مدرسہ کے لئے چندہ اس طرح مقرر کرایا تھا کہ ایک کاغذ پر یہ لکھ دیا کہ مدرسہ کے اخراجات کے لئے چندہ کی ضرورت ہے، جو صاحب اس میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنا نام اور رقم خود اپنے قلم سے لکھ دیں، اس کاغذ پر کسی معین چندہ دہندہ کا نام نہیں لکھا گیا، اور ایک لڑکے عبد الکریم کو وہ کاغذ دے دیا اور کہہ دیا کہ اس کاغذ کو فلاں جگہ لے جاؤ، کسی سے کچھ مت کہنا، صرف دے دینا، اگر وہ کچھ لکھ دیں تب اور نہ لکھیں تب واپس لے کر چلے آنا، یہ چندہ بالکل حلال تھا۔(۱)

(۱) العلم والعلماء: ۲۳۵

دار العلوم کے بیرونی طلباء کے قیام کے لئے کمروں کی تعمیری غرض سے حیدرآباد میں دار العلوم کے ہمدردوں نے بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا، مولوی شوکت حسین صاحب مددگار صوبیدار ورنگل حیدرآباد میں اس تحریک کے روح رواں تھے، انہوں نے دار العلوم کی اپیل پر اپنی جدوجہد سے سات ہزار روپیئے چندہ کرکے کمروں کی تعمیر کے لئے بھیجے، اس زمانہ میں موصوف نے علی گڈھ انسٹیوٹ گزٹ میں ایک طویل مضمون لکھا تھا، جس میں انہوں نے بڑے مؤثر انداز میں بتلایا تھا کہ دار العلوم کی امداد کیوں ضروری ہے؟ (۱)

(۳) فراہمی سرمایہ کی بعض مفید صورتیں

تکثیر چندہ اور فراہمی سرمایہ کی بعض مفید اور آسان صورتیں دار العلوم ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے ابتدائی دور میں اختیار کی تھیں، ان کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاریخ ندوۃ العلماء میں ہے:

قیام دار العلوم، دار الافتاء اور اشاعت اسلام کی مد میں دس بارہ لاکھ روپیئے سرمایہ کی ضرورت کا اظہار کیا گیا تھا، اس خطیر رقم کی وصولیابی کس طرح ممکن ہے، اس پر درج ذیل تجاویز پیش ہوئیں۔

۱۔ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں میں سے (اس وقت یہی آبادی تھی) ۴؍ کروڑ مسلمانوں سے فی کس چار آنے وصول کئے جائیں تو ایک کروڑ روپیہ وصول ہوسکتا ہے۔

۲۔ ہر شخص اپنے اوپر لازم کرلے کہ جس وقت وہ اپنی ضرورت سے روپیہ خوردہ کرائے تو ایک پیسہ اس کام کے لئے علاحدہ کرلے۔

۳۔ برادری میں اس بات پر عہد ہوجائے کہ تقریبات شادی، ختنہ، عقیقہ نکاح وغیرہ کے موقع پر اس اہم دینی کام کے لئے معتد بہ رقم دی جائے۔

۴۔ اپنی پہلی تنخواہ یا اس کا ایک حصہ ندوہ کے لئے نکالیں جیسا کہ میرٹھ کے عالی ہمتوں نے کیا ہے۔

---

(۱) تاریخ دار العلوم: ۱؍ ۲۰۴

۵۔ سوداگر اور ٹھیکیدار اپنے نفع میں سے ایک قلیل مقدار اس مذہبی خدمت کے لئے جدا کرتے جائیں۔

۶۔ مسجدوں یا عام نشست گاہوں میں مقفل امدادی صندوق رکھے جائیں۔

۷۔ لاولد مالدار مسلمان اپنی جائداد اور دیگر اموال ایسے کاموں کے لئے وقف کردیں۔

یہ چند آسان اور سہل طریقے ہیں ان پر جابجا عمل بھی شروع ہوگیا ہے، ندوۃ العلماء کو قائم ہوئے چار سال ہوچکے، اس کے اغراض ومقاصد کی اشاعت ہوچکی، اور اس کی آواز مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ گئی، اب کام کرنے کا زمانہ آگیا ہے۔

اس اجلاس کی روداد میں تحریک ندوۃ العلماء کے سرپرست کی حیثیت سے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کا نام نامی نمایاں ہے۔

(۴) خصوصی چندہ

مالداروں اور رؤساء کے پاس جا کر مدرسہ کی امداد کی خصوصی درخواست سے ہمیشہ ہمارے علماء نے اجتناب کیا ہے، خود بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند کے دستور العمل کے نمبر ۶ میں تحریر فرمایا ہے:

''۶/اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ إلی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہے کہ یہ خوف ورجاء۔ جو سرمایہ رجوع إلی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا؛ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بےسروسامانی ملحوظ رہے'' (۱)

البتہ جو رؤساء دینی امور میں حصہ لینے کو اپنی سعادت اور اہل مدرسہ کو اپنا محسن سمجھتے ہوں ایسے رؤساء کے دربار میں حاضر ہوکر مدرسہ کی ضروریات ان کے سامنے ظاہر کی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، ہمارے اکابر کے قائم کردہ مدارس میں اس کے نمونے بھی موجود ہیں۔

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۱۵۴

۱۳۴۲ھ میں علامہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر اکابر کو دار العلوم دیوبند کی طرف سے نواب ڈھاکہ کی خدمت دار الحدیث کی تعمیر کی اپیل کے سلسلہ میں بھیجا گیا تھا جس کی تفصیل دار العلوم میں موجود ہے۔(۱)

چندہ کے لئے ایک اہم مشورہ

ارشاد فرمایا کہ ان مدارس دینیہ کا وجود بھی ضروری ہے، اور انکی بقاء بھی چندہ پر موقوف ہے، (مگر چندہ جمع کرنے میں آج کل بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، جن میں سے سب سے بڑی خرابی چندہ جمع کرنے والے علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے، جو عوام کے لئے زہر ہے، اس لئے مناسب صورت یہ ہے کہ چندہ کی تحریک عام کی جائے، خطاب خاص سے پرہیز کیا جائے اور خطاب خاص صرف اس صورت میں جائز ہے، کہ خطاب کرنے والا کوئی بااثر شخصیت کا مالک نہ ہو جس کے اثر سے مغلوب ہو کر لوگ چندہ دینے لگیں۔

جو تحریک عام اور خاص میں امتیاز کرتا ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک مسلمان پر بار نہ ہو اور وہ بدنام نہ ہو اور دعوت عام اور چیز ہے اور انفرادی صورت میں کسی سے سوال کرنا اور چیز ہے، مجھے تجربہ ہے کہ لوگوں کی حالت معلوم ہے اس تحریک خاص کا اثر ظہور بخل قرآن مجید میں مذکور ہے، "إِن يَسۡأَلۡكُمُوهَا فَيُحۡفِكُمۡ تَبۡخَلُوا" کیوں احفاء والحاف خطاب خاص ہی سے ہوسکتا ہے، اور اس کے بعد خطاب عام کا اس عنوان سے ذکر ہے، حکیم الامت نے تحریر فرمایا کہ ہم نے تم سے اس کا کب مطالبہ کیا تھا؛ لہٰذا اسی سال سے واپس ہے۔(۲)

علماء کا نان ونفقہ قوم کے ذمے ہے

حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا: اصولی مسئلہ ہے کہ جو کوئی کسی کی خدمت میں محبوس ہو اسکا نفقہ اس کے ذمہ ہوتا ہے اور یہ قاعدہ تمام دنیا کے عقلاء کا معمول بہ ہے کہ حتی کہ سلاطین تک کے لئے بھی یہی قانون نافذ ہے بادشاہ کو جو خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے وہ بھی محض

---

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند: ۱/ ۲۳۸، ۲۳۹

(۲) تحفہ مدارس: ۲/ ۲۴۳، چندہ اور مدارس

اس لئے کہ وہ رعایا کے کام میں محبوس ہے؛ کیوں کہ بادشاہ وہ ہے جس کو ساری قوم حاکم مانتی ہے اور اس کو بیت المال کے خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے اور بادشاہ پر کیا موقوف ہے سب کو چندہ قومی ہی سے تنخواہ ملتی ہے، کلکٹر (کمشنر) کو بھی، ڈپٹی کلکٹر کو بھی، جج کو بھی، منصف کو بھی، بس یہ عقلی مسئلہ ہوا اور اسی قاعدہ کو شریعت نے تسلیم کرلیا ہے، جیسے زوجہ کا نفقہ اس کے شوہر پر اسلئے ہوتا ہے کہ وہ اس کے پاس محبوس ہوتی ہے، اب بتلائے یہ علت علماء کے استحقاق تنخواہ وغیرہ میں بھی مشترک ہے یا نہیں؛ کیوں کہ وہ بھی قوم دینی خدمت میں محبوس ہیں؛ اس لئے ان کا نفقہ بھی قوم کے ذمہ ہے، کیوں کہ جب تک وہ معاش سے فارغ نہ ہوں دین کا کام نہیں کرسکتے، اگر ان کی خدمت نہ کی جائے گی تو وہ کھائیں کہاں سے؟ غرض علماء چونکہ قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہیں، اس لئے ان کی تنخواہ یا نذرانہ قوم کے ذمہ ہے، ایسا نہ ہوتو پڑھنے پڑھانے کا اور تبلیغ کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے گا اور سارا دین درہم برہم ہوجائے گا۔

اس تقریر سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا، ایک تو یہ کہ مولوی تنخواہ وغیرہ کیوں لیتے ہیں؟ دوسری یہ کہ خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں، سمجھ لو کہ اگر یہ لوگ خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں تو بادشاہ، جج، کلکٹر سب ہی خیرات کھاتے ہیں، اگر یہی بات ہے تو کسی کو بھی تنخواہ نہ لینی چاہئے، کیوں کہ سب کو قوم ہی کے چندے سے تنخواہ ملتی ہے، سرکاری قانون ہے کہ جو شخص سرکاری ملازم ہو اس کو دوسرا کوئی کام تجارت وغیرہ کرنا ممنوع ہے، مثلاً کوئی شخص سرکاری ملازم ہے اور وہ ٹھیکہ لینے لگے تو سرکاری طور سے اس پر گرفت ہوگی، اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک شخص دو طرف پورا متوجہ نہیں ہوسکتا، اگر ملازم سرکاری دوسرا کام کرے گا تو ضرور سرکاری کام میں خلل واقع ہوگا، اس لئے اس کو اجازت نہیں کہ بحالت ملازمت دوسرا کام کرے، اسی طرح جو لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی ترقی کیوں نہیں کرتے؟ مشین اور کارخانے کیوں نہیں چلاتے؟ تو وہ مثال مذکور کو پیش نظر رکھ کر خوب سمجھ لیں کہ جب یہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں گے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ یہی ہوگا کہ دین کا کام نہ کرسکیں گے (خیر المال للرجال)۔(۱)

---

(۱) تحفۃ المدارس: ۲/۲۷۱، ۲۷۲ چندہ اور مدارس

علماء کا چندہ لینا ان کا احسان ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ لعنت ہے ایسے چندہ پر جس کی وجہ سے لوگ علماء سے یہ توقع رکھیں کہ وہ ان کی آواز پر حاضر ہوجایا کریں، اس غرض سے چندہ دیتے ہیں مہربانی کرکے وہ اپنے چندہ کو اپنے گھر میں رکھیں، علماء اپنے واسطے چندہ نہیں کرتے؛ بلکہ دینی کاموں کے واسطے کرتے ہیں اور دین سب مسلمانوں کا ہے تنہا مولویوں کا نہیں ہے، پس علماء کا تم پر یہ احسان ہے کہ وہ تمہارا مال دین کے کاموں میں لگادیتے ہیں تمہارا ان پر احسان نہیں ہے تمہارا احسان جب ہوتا جب تم ان کی ذات خاص کے واسطے چندہ دیتے، مگر جب تم خدا کے واسطے اور دین کے کاموں کے واسطے دیتے ہو تو یہ اپنے کام کے واسطے دینا ہوا تو اس دینے کا مولویوں پر کیا احسان ہے اور اس کی وجہ سے تم کو کیا حق ہے کہ مولویوں سے اپنی تعظیم وتکریم کی امید رکھو اور یہ کہ وہ تمہاری خاطر سے اپنا قیمتی وقت ضائع کریں، اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ علماء آج کل چندہ دینے والوں کا لمبے چوڑے القاب سے تذکرہ کرتے ہیں، مجھے تو یہ طرز بہت ناگوار ہے، آخر علماء پر انہوں نے کیا احسان کیا ہے، جس کا وہ شکریہ ادا کرتے ہیں، ہاں دعا دینے کا مضائقہ نہیں یہ تو نص سے ثابت ہے:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ" (۱)

آپ ﷺ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، آپ (ان کو گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کردیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے۔

اہل مدارس چندہ لیتے ہیں یہ ان کا احسان ہے

فرمایا: مدارس کے لئے عادۃً چندہ ضروری ہے؛ مگر ہم آپ سے مانگتے نہیں اور بے

(۱) التوبۃ: ۱۰۳

مانگے اگر ہم لے لیں تو اس میں عامل لغیرہ ہیں عامل لنفسہ نہیں (اپنی ذات کے واسطے نہیں لیتے) ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ جھگڑے میں پڑیں، آپ سے مانگیں، وصول کریں، پھر اس کی حفاظت کریں، حساب وکتاب لکھیں، پھر سب سے زیادہ مشکل ہے کہ اس کے مصرف میں اس کو صرف کریں اور غیر مصرف میں اس کو صرف نہ ہونے دیں، یہ سب کام تمہارا ہے ہمارا احسان ہے کہ تمہاری طرف سے ہم کردیتے ہیں، اگر ہم پر بدگمانی ہے تو ہم کو ایک پیسہ مت دو، ہمیں اور سینکڑوں کام ہیں اس کو اگر ثواب کی بات سمجھتے ہو خود کرو ہم ہی کیوں کریں۔(۱)

علماء کو ضرورت انفاق

حضرت شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر اہل علم جو اہل مدارس کہلاتے ہیں ان کو بھی حسب حیثیت کچھ نہ کچھ چندہ دینا چاہئے، جب علماء کرام انفاق کے فضائل بیان فرماتے ہیں اگر کسی وقت کوئی عامی کھڑا ہوکر دریافت کرے کہ مولانا آپ اپنی آمدنی سے کتنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو کیا جواب ہوگا، شرم سے گردن جھک جائے گی، کچھ نہ کچھ ہر اہل علم کو خواہ قلیل رقم ہی ہو انفاق عالیہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے، اس عمل سے عوام کا حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ایک قصبہ کے لوگ دعوۃ الحق کے لئے غلہ دیا کرتے تھے، ایک آسمانی آفت کھیتی پر قرب وجوار کی بستیوں پر آئی؛ مگر یہ بستی محفوظ رہی، وہاں کے لوگوں کے دلوں میں یہی خیال آیا کہ ہم لوگ اپنی کھیتی سے چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری بستی کو اس بلائے آسمانی سے محفوظ فرمایا کہ جس نے سرکار کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا (چندہ دے کر) پھر اس کو خسارہ اور نقصان کیسے ہوگا؟

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے۔

---

(۱) القول الجلیل: ۴۴؛ تحفہ مدارس: ۱۴۹/۲، چندہ اور مدارس

ارشاد فرمایا کہ اگر علماء کرام اپنا مال دیں تو اس میں زیادہ برکت ہوگی۔(۱)

خوش اخلاقی ضروری ہے

خوش خلقی ضروری چیز ہے، اور ہر شخص سے نرمی کے ساتھ پیش آئیں؛ مگر ان کے اموال پر نظر نہ رکھیں اور کسی خاص شخص کی اعانت کو دین کا موقوف علیہ نہ سمجھیں؛ البتہ ترغیب اور اظہار ضرورت کا مضائقہ نہیں، یہ طریقہ مسنون ہے، اس میں راز یہ ہے کہ فی الحقیقت کام کے کفیل اللہ میاں ہی ہیں اور ظاہری صورت میں اس کی تکمیل یہ رکھی گئی ہے کہ چند بندے ایک دوسرے کی اعانت کریں اور اس کو انجام دیں اگر بندوں کو اطلاع نہ ہوگی تو وہ کیوں کر شریک ہوں گے، یہ ضرورت ان کے اطلاع کرنے کی ہے، اطلاع نہ کرنے میں صورتا کام کو بگاڑ دینا ہے، اور خوشامد کرنے میں بندوں پر تکیہ لازم آتا ہے اس میں حقیقتا کام کو بگاڑنا ہے، اس وجہ سے خوشامد سے منع کیا گیا ہے، غرض محض اگر کوئی ظاہرا معین ہوتا ہے تو وہ اعانت بھی درحقیقت کارساز حقیقی ہی کی اعانت ہے

کار ز زلف تست مکش افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند(۲)

چندہ کے بغیر دین کا کام

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ چندہ کے بغیر دین کا کام کیوں کر چلے گا، میں کہتا ہوں کہ دین کا کام سب مسلمانوں کا کام ہے، سب لوگ مل کر کام کریں، مولویوں کا کام وعظ کہنا، تبلیغ کرنا، درس دینا وغیرہ ہے، یہ کام تو وہ کریں چندہ کرنا ان امراء ورؤساء کا کام ہے، جن پر کسی کو یہ شبہ نہ ہوسکے کہ یہ اپنے واسطے مانگ رہا ہے، کیوں کہ لوگ جانتے ہیں کہ اسی کی اتنی بڑی حیثیت ہے، کہ ہم دس روپیہ دیں گے تو یہ اپنے پاس سے پچاس دے سکتا ہے، ایسے شخص کا چندہ کرنا ذلت کا سبب نہیں ہوسکتا تو یہ کام امراء ورؤساء کریں، یہ لوگ چندہ جمع کرکے پھر علماء سے پوچھ

(۱) تحفۃ المدارس:۲/۲۷۸ چندہ اور مدارس، مجالس محی السنۃ:۴۳

(۲) تحفہ مدارس:۲/۳۳۱

کر کام میں لگا دیں، اس طرح کر کے دیکھیں معلوم ہو جائے گا کہ دین کا کام چلتا ہے یا نہیں۔

مقصود دین کی خدمت ہے

ارشاد فرمایا کہ مقصد دین کی خدمت اور دین کا فائدہ ہے، مدرسہ مقصود نہیں ہے، نہ کوئی خاص ہیئت مدرسہ مقصود ہے کہ یہ مدرسہ ضروری ہے، یہ مدرسہ رہے، جب یہ چیز پیش نظر ہو جاتی ہے تو پھر بے اصولیاں ہونے لگتی ہیں، بے اصولیوں سے چشم پوشی کی جانے لگتی ہے، نتیجہ بگاڑ اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، مقصد کام ہے، ایک جگہ مدرسہ کھولا گیا وہ کسی وجہ سے ترقی نہیں کر سکا اب اس بستی میں دوسرا مدرسہ کھلا اور اس سے لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے، تو پہلے مدرسہ والوں کو خوشی ہونی چاہئے اور ترقی کی دعا کرنی چاہئے اور یہ سوچنا چاہئے کہ بھائی مقصد دین کا کام ہے وہ کسی کے ذریعہ سے بھی ہو، ہمارے مدرسہ کے ذریعہ نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں، اسی مدرسہ کے ذریعہ ہو رہا ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کام ہو رہا ہے اور آج معاملہ الٹا ہو رہا ہے، خوشی کے بجائے حسد ہو جاتا ہے کہ وہ کیوں ترقی کر رہا ہے؟ جب مقصد کا کام تو بھائی اس دنیا کو اللہ تعالیٰ دار الاسباب بنایا، اس لئے اسباب وسائل اختیار کرے، جتنے اسباب ہوں اتنا ہی کام کرے، اگر دس کا انتظام ہے تو داخلہ دس کا کرے، ایسی حالت میں کیا ضرورت ہے کام کو بڑھانے کی؟ انتظام سو طلبہ کا ہے داخلہ ڈیڑھ سو دو سو کا کر لیا، اب ان کی رہائش کھانے پینے اور دیگر ضروریات کے لئے پریشان ہیں، کہیں ان کے پاس کہیں ان کے پاس جا رہے ہیں، مالدار اور امراء کی خوشامد کر رہے ہیں ، اس چیز نے اہل دین کی وقعت کو گھٹا دیا ہے۔(۱)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا ایک خط معاونین ومخلصین دار العلوم دیوبند کے نام

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تقریباً ساٹھ برس دار العلوم دیوبند کے مہتمم رہے، آپ کے دور اہتمام میں جو ظاہری و باطنی ترقی ہوئی وہ محتاج بیان نہیں، مالی تعاون کے سلسلے میں تحریر کردہ یہ خط اسلام کی تعلیمات اور ہمارے اکابر کے ذوق کا آئینہ دار

(۱) مجالس محی السنۃ: ۹۲

ہے، جس میں قدرے دارالعلوم دیوبند کا تعارف بھی ہے، اور پروقار انداز سے امورِ خیر میں تعاون کی اپیل ہے، حضرت کے اس خط سے اربابِ مدارس بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

پس منظر

شعبان ۱۳۷۳ھ کے اخیر میں اچانک ایسی صورتحال پیش آگئی کہ دارالعلوم دیوبند کے مالی حالات غیرِ متوازن ہوگئے، رجب اور شعبان کی تنخواہیں بھی بروقت تقسیم نہ ہوسکیں، شروع رمضان ۱۳۷۳ھ میں حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ نے ذیل کا خط معاونین دار العلوم کے نام جاری فرمایا تھا، جو ان حالات میں کافی حد تک مؤثر اور کارآمد ثابت ہوا، مگر اس وقت بھی دار العلوم کی مالی ضرورتوں کی طرف سے پورا اطمینان نہیں، ہمیں امید ہے کہ معاونین دارالعلوم کا دستِ تعاون پوری سرگرمی کے ساتھ دارالعلوم کی طرف بڑھے گا۔

حضرت محترم المقام زید مجدکم السامی

سلام مسنون، نیاز مقرون ..... دارالعلوم دیوبند کی مرکزی اور قدیم الایام درسگاہ ہے، جسے ۵۷ء کے ہنگامہ انقلاب کے بعد وقت کے اکابر اولیاء اللہ نے علم اور دین کی بقاء کے لئے قائم کیا تھا، اس درسگاہ نے اس مقصد کو بحمد اللہ اپنے بانیوں کے حسن نیت اور اخلاص وللّٰہیت کے زیر اثر بکمال حسن وخوبی انجام دیا اور اس نوے سال مدتِ عمر اسنے ہزار ہا علماء فضلاء مفتی، مناظر، مدرس، واعظ خطیب اور مصنف تیار کر کے ملک کو دیئے اور جو کچھ ملک کی جیب سے لیا اس سے بدرجہا زائد ہی نہیں؛ بلکہ بالا نرخ ہو کر بلا قیمت وعوض لاکھوں گنا حصہ علم اور دین کا ان کے جیب وگریباں کو عطا کیا، مسلمانوں نے ہندو بیرون ہند کا دین سنبھالا، عقائد وایمان کی حفاظت کی، خیالات کا راستہ سیدھا کیا، عملی زندگی کو دینی رنگ پر ڈھالا، معاندین اولین اور مبطلین کی تلبیس اور ابلہ فریبیوں کے پردے چاک کئے، خدا کی زمین پر لاکھوں نفر "قال اللہ وقال الرسول" کا درد رکھنے والے پیدا کر کے زمین کو منور کر دیا، اور "اشرقت الأرض بنور ربها" کا منظر ملک کو دکھایا، ملک سے وقتی دولت کے چند پیسے لئے اور کروڑوں کی بے بہا دولت ایمان انہیں بخشی، یہ فخر نہیں ہے تحدیث نعمت اور شکر الٰہی کا

اظہار ہے، ہمہ وقت اس درسگاہ میں ہزار ڈیڑھ ہزار طلبہ کا ہجوم چالیس پچاس مدرسین کا اجتماع اور دو ڈھائی سو عملہ دفاتر کا جم غفیر قلیل قلیل تنخواہوں پر محض اس امانت الٰہی کی حفاظت کے لئے کام کرتا ہے، اور ہر قسم کی مالی مشکلات جھیل کر اس ترکہ انبیاء کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہے، ۲۰ شعبوں پر کام تقسیم ہے، ہر سال ہزارہا فتاوی شعبہ افتاء سے، سینکڑوں تقریریں اور مواعظ اس کے شعبہ تبلیغ سے، سینکڑوں علمی مضامین اس کے شعبہ نشر واشاعت سے، سینکڑوں مدرس اس کے شعبہ تعلیم سے تیار ہو کر ملک میں منتشر ہوتے ہیں، اور علم اور اخلاق اور عمل صالح کی دولت تقسیم کرتے ہیں اور قوم جو کچھ اسے دیتی ہے وہ اسے ایک کے سات سو کر کے قوم ہی کو پھر واپس کر دیتا ہے، آج ملک کی اقتصادی بدحالی کی وجہ یہ عظیم مرکزی ادارہ بھی متاثر ہے، مالیہ کی کمی کی وجہ سے بہت سے ضروری اخراجات اکثر ترک کر دیئے جاتے ہیں؛ لیکن امسال ضرورت سے بڑھ کر بنیادی اور مقررہ اخراجات کے چلنے کی صورت بھی نہیں رہی ہے، ماہ رجب کی تنخواہیں تک پوری تقسیم نہیں ہوسکی ہیں، حالانکہ ماہ شعبان کی آج ۲۲ تاریخ آچکی ہے، گویا قلیل تنخواہوں والے کارکنوں پر ایک مہینہ صاف گذر گیا ہے کہ ان میں سے بہت سے اپنی تنخواہوں سے مستفید نہیں ہوئے اور قرض پر گذار رہے ہیں، اس سے دوسرے اخراجات کی تنگی بلکہ بندش کا اندازہ فرمالیا جائے، اگر خدانخواستہ یہی حالت رہی تو خاکم بدہن وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ اس مرکزی درسگاہ کے طلبہ ایک بڑے عدد کو جواب دے دیا جائے، منتخب اور چیدہ مدرسین ہاتھ سے کھو دیئے جائیں، متعین عملہ دفتر میں تخفیف کردی جائے، اور بہت سے مصارف خیر اور کار خیر کے سلسلے بند کر دیئے جائیں، دوسرے لفظوں میں دارالعلوم کی مرکزیت کو اپنے ہاتھوں ختم کر دیا جائے۔

یہ سب کچھ معطیان خیر کی سرد مہری کی بدولت ہوگا، ہم عنداللہ یہ کہہ کر عذر پیش کرسکیں گے کہ ہم نالائق خدام نے اس دینی سرچشمہ کی خدمت میں اپنی جان کی حد تک کمی نہیں کی؛ لیکن مالیہ ہمارے قبضہ کی چیز نہیں، ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اپنی ذات کی حد تک فقر و فاقہ کر کے بھی اس امانت الٰہیہ کی حفاظت کریں؛ لیکن مالیہ پیدا نہیں کر سکتے، یہ کام اہل خیر کا ہے کہ

اپنے دینی احساس کو بیدار رکھ کر اس امانت خداوندی کے چمن کو اپنی گاڑھی کمائی سے سینچیں اس لئے موجودہ صورتحال کی ذمہ داری ملک کے اہل خیر پر ہی عائد ہوگی، اس مرکز کی جلد سے جلد خبر لیں اور اس آنے والے برکت کے مہینہ رمضان میں اپنے مرکز کے خالی شدہ خزانہ کو بھر دیں؛ تاکہ آنے والے تعلیمی اور انتظامی حیثیت سے خسارہ میں نہ رہے اور دارالعلوم کے امور خیر میں کسی قسم کی کمی اور کوتاہی رہ نہ جائے، ہر شہر اور ہر قصبہ میں وہ حضرات جو دارالعلوم سے محبت رکھتے ہیں، کھڑے ہو جائیں اور اپنے اثرات کی حد تک حلقے قائم کر کے دارالعلوم کے لئے مالیہ فراہم کرنے کی مہم شروع فرمائیں، اگر اس قسم کے بیدار اور حساس افراد نے ضرورت ظاہر فرمائی تو دارالعلوم کی جانب سے وفود بھی روانہ کئے جائیں گے، جب کہ مقامی اہل خیر وفود کے ساتھ پورے پورے تعاون کا عزم مصمم کر لیں، زکوۃ وصدقات سے غریب طلبہ کی امداد کی جائے، اور اس کے علاوہ حسب فرمان نبی ﷺ "إن في مال المرء حقا سوي الزكاة" (آدمی کے مال میں زکوۃ کے سوا بھی حقوق ہیں) "عطایا اور رقوم چندہ اس دارالعلوم کے عام کاموں کو برقرار رکھنے کا سامان فراہم فرمائیں، اگر مستعد ہونے والے حضرات ہر شخص سے کم از کم فی روپیہ ایک پیسہ کی اپیل کریں اور ہر ہر قصبہ وقریہ سے نظم کے ساتھ وصول کیا جائے تو دینے والوں پر کوئی بوجھ نہ پڑے گا، اور دارالعلوم کا خالی خزانہ پر ہو جائے گا، حق تعالیٰ ایسے محسنوں اور خادموں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں فرماتا، وہ یہ رقوم دے کر اس سے ہزار ہا گنا دنیا وآخرت میں وصول کر لیں گے، غلہ اسکیم کے سلسلے میں ہم خدام نے بلا واسطہ غلہ دینے والے کاشتکاروں سے ان کے یہ مقولے سنے ہیں کہ جب ہم نے دارالعلوم میں غلہ کی یہ حقیر مقدار دینی شروع کی ہے، ہمارے کھیتیوں میں برکت اور پیداوار میں اضافہ ہوا ہے اور بہت سے ایسے کھیت بارآور ہو گئے ہیں جن سے اس سے پہلے کبھی کچھ وصول نہ ہوتا تھا۔

اسی طرح نقد پیسہ دینے والے بھی عقیدہ رکھیں اور تجربہ کریں (مگر نہ بہ نیت امتحان قدرت؛ بلکہ بہ نیت اطاعات وادائے فرض) کہ ان عطایا سے خود ان کے اموال میں کتنی برکت اور زیادتی ہوتی ہے حق تعالی پر اعتماد کریں اور عرض کردہ اسکیم کے مطابق نظم کے ساتھ

چندہ کی فراہمی فرمائیں اور پھر قدرت خداوندی کا مشاہدہ کریں۔(۱)

سفراء کی تذلیل سے عذابِ دنیوی کا اندیشہ

عموماً اہل مدارس کے سفراء رمضان المبارک میں چندہ وصول کرنے آتے ہیں، وہ بے چارے روزہ کی حالت میں در بدر پھر کر شام کے تھکے ماندے مسجد میں آتے ہیں، ان میں شیوخ حدیث اور بڑے بڑے علماء بھی ہوتے ہیں، جن کا اپنا حلقہ میں خاص مقام ہوتا ہے، بعض علماء صاحب نسبت بھی ہوتے ہیں، ایسے ذی وقار اہل علم کو مسجد میں قیام کرنے سے روکنا، دھکے دے کر باہر کرنا بہت ہی برا ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے دارالعلوم کراچی کے لئے محصل چندہ کسی عالم کو کبھی مقرر نہیں فرمایا، ایسا کیوں؟ اس کی وجہ خود وہاں کے ناظم (حضرت مولانا سبحان محمود) صاحب تحریر فرماتے ہیں، ان ہی کے الفاظ میں:

آپ نے (مراد حضرت مفتی شفیع صاحب) دارالعلوم کے لئے چندہ وصول کرنے کرنے والا سفیر کبھی کسی عالم یا حافظ کو مقرر نہیں کیا، فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم کی تذلیل وتحقیر ایک طرف تو علماء کی دنیوی رسوائی ہے اور دوسری طرف ذلیل سمجھنے والے کے دین وایمان کے لئے بھی بڑا خطرہ ہے، بعض اوقات علماء کی تذلیل کفر تک پہنچا دیتی ہے، اور پتہ بھی نہیں چلتا، اور اس سے بھی بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر وہ عالم اللہ والا بھی ہے تو ذلیل سمجھنے والے پر دنیا میں بھی عذاب کا اندیشہ ہے، آخرت کا معاملہ اللہ جانے، اس طرح آپ نے علماء کی عزت کے تحفظ کے ساتھ عام مسلمانوں کے دین وایمان کو بھی محفوظ کرلیا۔(۲)

سفراء کا مسجد میں قیام کرنا

حضرات فقہاء نے مسافر اور پردیسی کے لئے مسجد کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے

---

(۱) محمد طیب دارالعلوم دیوبند، ۲۲ شعبان ۱۳۷۳ھ (علماء دیوبند کی یادگار تحریریں، تحفۃ المدارس: ۲/۳۱۱، چندہ اور مدارس

(۲) البلاغ خصوصی اشاعت: ۸۹۲

مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے کہ، ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"کنا ننام علی عہد رسول اللہ ﷺ فی المسجد ونحن شاب"(۱)

ہم رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسجد میں سویا کرتے تھے دراں حالانکہ ہم نوجوان تھے۔

معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں بوقت ضرورت مسجد میں سونا صحابہ کا معمول تھا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ولا بأس للغریب ولصاحب الدار أن ینام فی المسجد فی الصحیح من المذهب، والأحسن أن یتورع فلا ینام"(۲)

مسافر اور مقیم کے لئے مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں ہے، مذہب کے صحیح قول کے مطابق، اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ پرہیزگاری اور تقوی اختیار کرتے ہوئے نہ سوئے۔

اسی طرح مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا حقوق مسجد ومصلیان کا خیال رکھتے ہوئے درست ہے، لہٰذا جو لوگ مدارس کے لئے چندہ کرنے والے سفراء کو قیام مسجد سے روکتے ہیں ان کا یہ روکنا شرعا درست نہیں، چندہ بھی ایک کارِ خیر ہونے کی وجہ سے مسجد میں انجام دیئے جائے والے امور میں داخل ہے، اس کی دلیل میں شیخ الاسلام حضرت مدنی کے ایک اہم فتوی کے دو اقتباس نقل کئے جاتے ہیں، فتوی کا پس منظر یہ ہے:

مسجد میں چندہ کا ثبوت

"۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں مساجد میں دینی وملی اجتماعات کے انعقاد کے متعلق ایک استفتاء ملک کے اہم علماء اور مراکز افتاء کو بھیجا گیا، اس استفتاء کے جواب میں ملک کے مقتدر علماء ومفتیان کرام نے فتاوی تحریر فرماتے ہوئے جو سہ روزہ الجمعیۃ دہلی کی متعدد

(۱) ترمذی: ۱/ ۴۳۷

(۲) الفتاوی الهندیة: ۵/ ۳۲۱

اشاعتوں میں شائع ہوئے، اسی ضمن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا مفصل فتوی مع تصدیقات دیگر علماء شائع ہوا، اس میں ہے:

یہ مقدس (مراد مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) زمانۂ سعادت اور اس کے بعد زمانہ ہائے خیر القرون میں صرف دار الصلاۃ والعبادات ہی نہیں رہی جیسا کہ بعض کوتاہ فہم خیال کرتے ہیں الخ''

اس کے بعد حضرت نے نمبروار تیرہ امور بتلائے ہیں جو مسجد نبوی میں انجام دیئے جاتے تھے، نمبر تیرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۔ اسی طرح یہ مسجد ''دارالاعانۃ والاستمداد'' رہی ہے، جب بھی کوئی مالی ضرورت: جنگی کاروائیوں یا ارباب احتیاج وفقر یا خون بہا اور دیات وغرامات کے لئے پیش آتی تھی، جناب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مسجد میں منادی کے ذریعہ سے بلاکر اعانت اور چندہ کی ترغیب دیتے تھے، مسجد میں ہی چندہ اصول کیا جاتا تھا، اور تقسیم بھی وہاں کیا جاتا تھا، سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ غزوہ تبوک اور دوسرے غزوات میں بارہا ترغیبیں دی جاتی تھیں، قبیلہ مضر وہوازن وغیرہ فقراء اور ارباب حاجت وفود کے لئے بار بار یہیں چندہ کیا گیا

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے جماعتی جملہ امور خواہ ان کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہو یا آخرت سے اور خواہ وہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات وغیرہ سے عموماً مسجد نبوی میں انجام پاتے تھے، اور مساجد میں وہ امور نہ صرف جائز ہیں، بلکہ مساجد کی ساخت ایسے امور کے لئے ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی وحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہا اللہ فرماتے ہیں:

''قال المهلب: المسجد موضوع لأمر جماعة المسلمين فما كان من الأعمال يجمع منفعة الدين وأهله جاز فيه'' الخ''(۱)

مہلب کہتے ہیں کہ مسجد کی وضع سے شرعی مقصود مسلمانوں کی اجتماعی

(۱) عمدۃ القاری: ۲۲۰/۴، فتح الباری: ۶۳۶/۱، فتاوی شیخ الاسلام: ۲۳۳

امور کا انصرام ہے؛ لہٰذا ہر وہ کام جس میں اسلام اور اہل اسلام کی مصلحت موجود ہو مسجد میں جائز ہو جائے گا۔

فتوی بالا کے اقتباس سے معلوم ہوا کہ دینی امور کے لئے چندہ وصول کرنے کا معمول زمانہ ہائے خیر القرون سے چلا آرہا ہے، اس کو بند کرنا، روکنا اور حقیقت کارِ خیر کو روکنا ہے، کسی مومن کا یہ کام ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

ایک کافر ولید بن مغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع میں گستاخی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے بسزا استہزاء قرآن پاک میں دس کلمات (صفات) ارشاد فرمائے، اس میں نمبر چھ کا وصف ہے "مناع للخیر" یعنی بھلے کام سے روکنے والا، حضرت شاہ صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ سب کافر کے وصف ہیں، آدمی اپنے اندر دیکھے اور خصلتیں چھوڑے۔(۱) لہٰذا چندہ سے روکنا در حقیقت کارِ خیر سے روکنا ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔(۲)

مسجد میں چندہ کا طریقہ

محصل اور سفیر کے پاس مرکزی اداروں (جیسے دار العلوم دیو بند، مظاہر العلوم) یا معتمد تنظیموں (جمعیۃ علماء ہند، مسلم پرسنلاء بورڈ) کا تصدیق نامہ ضرور ہونا چاہئے، جس علاقہ کا سفر کیا جارہا ہے وہاں کے مرجع ومقبول عالم اور متعارف شخص کی عام سفارش بھی مل جائے تو بہتر ہے، سب سے پہلے ذمہ دارانِ شہر، پھر ذمہ دارنِ کمیٹی سے اجازت حاصل کرلیں، اپنے ساتھ کوئی کارٹون (ڈبّہ) ہو جس پر مدرسہ کا نام واشتہار لگا دیا جائے، مسجد میں کسی نماز کے بعد مسجد کے اصول ومعمولات کے مطابق مختلف تعارفی اعلان کردیں، مبالغہ آرائی بھی نہ ہو، عزّت نفس کی نیلامی بھی نہ ہو، ضرور ایسی بات کہی جائے جس سے عوام کو ضروریاتِ مدرسہ کا اندازہ ہو اور انہیں ہم پر اعتماد بھی حاصل ہو، مسجد کے باہر کپڑا بچھانا مناسب معلوم نہیں ہوتا،

(۱) تفسیر عثمانی

(۲) محمود الرسائل، حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری: ۵۰۲، ۵۰۳

ایک سفیر کی موجودگی میں دوسرے سفیر کا بھی اعلان کرنا اخلاقی و مالی اعتبار سے نقصان دہ ہوتا ہے، محصل وسفیر نہایت خوددار وغیرت مند ہونا چاہئے، چندہ بڑھانے اور مدرسہ کا صحیح تعارف کرانے اور مخاطب کا اعتماد جیتنے کا ماہر ہونا چاہئے، کچھ کڑوی کسیلی نبی کی راہ سننا ہی پڑتا ہے، جو دے اس کا بھی بھلا، جو نہ دے اس کا بھی بھلا کا مزاج بنانا پڑتا ہے، چندہ دے، چندہ مخاطب مدارس کے کام کے سلسلے میں غیر غلط فہمیوں کا ازالہ کرے، اگر کچھ قابلِ اصلاح مشورہ دیئے جائیں تو اس کے مخلصانہ جذبہ دیکھ کر سن لیں اور بڑوں تک پہنچائیں، سفر وصولیٔ چندہ میں اپنے لئے ہدیہ لینا رشوت کے شبہ سے خالی نہیں ہے، ضرور احتیاط کریں، تقوی اور عملی زندگی کا زبان زوری کے مقابلے میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔

معاونین و چندہ دہندگان سے رابطہ

اکابرین دار العلوم وغیرہ کا معمول رہا ہے کہ وہ سالانہ روداد وغیرہ چھاپتے تھے، مدرسہ کی آمدنی اخراجات، تقاضے، منصوبے، تعلیمی کارگذاری وغیرہ پوری وضاحت سے بتلاتے، قومی ادارہ ہونے کے ناطے بھی ضروری ہے، اعتماد وتعاون کی فضا قائم کرنے کے لئے بھی اہم، خود دار العلوم دیوبند وقتاً فوقتاً غلہ اسکیم کا اجلاس رکھتا ہے، اطراف واکناف کے گاؤں دیہات (جو فصل کٹائی کے موقعہ پر وافر مقدار میں غلہ پوری فراخ دلی کے ساتھ پہنچاتے ہیں) کی پر تکلف مہمان نوازی کرتا ہے، سالانہ جلسوں میں بالخصوص انہیں شخصی دعوت کے ذریعہ مدعو کیا جائے، یا کبھی ان کی خصوصی نشست رکھی جائے جس میں مدارس دینیہ کی اہمیت وافادیت مال کے قبول ہونے کے ضابطے بتلائے جائیں، معاونین کا سلسلہ بڑھانے کی ترغیب دی جائے، اس موقعہ سے ان باتوں کا مذاکرہ ہوسکتا ہے:

۱۔ دین اور دین کا کام ہمارا محتاج نہیں ہے، ہم ان کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے مال کو قبول کیا، مقام شکر ہے، مقام فخر نہیں ہے۔

۲۔ سمجھنا چاہئے کہ مسجد بنانے سے فجر معاف نہیں ہوجاتی، زکاۃ صدقہ دینے سے روزہ معاف نہیں ہوسکتا، قرآنی علوم کی اشاعت وترویج پر خرچ کرنے کے ساتھ بھی

پڑھنے کی فکر کرے، اپنی معاشرت ومعاملات کو علماء کرام سے ضرور سیکھیں۔

۳۔ باغ والوں کا واقعہ (سورۃ القلم) اور دیگر واقعات بتلاتے ہیں کہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا سلسلہ روکنے سے کتنا نقصان ہوسکتا ہے۔

۴۔ کپڑے دھوکر دھوبی نے احسان کردیا کہ اس کی اجرت دی جاتی ہے، اہل مدارس نے زکوۃ، صدقات لے کر ہمارے نفس کو بخل وحرص سے مال کو آفات وبلیات سے پاک کرکے احسان کررہے ہیں۔

۵۔ اہل مصارف کا احسان ہم پر زیادہ ہے کہ ہم نے فانی مال دیا، انہوں باقی اجر دیا

۶۔ خود مال پہنچانے کی فکر کریں: ”مناولۃ ید المسلمین تقی میتۃ السوء“۔

۷۔ اپنے اولاد کو مدارس مکاتب میں داخلہ کروائیں۔

۸۔ خدا کے لئے! کبھی مالی تعاون کرکے مدرسہ کے نظام تعلیم میں بے جا مداخلت نہ کیجئے، ہاں! اس شعبہ کے ماہرین دیگر ذمہ دارانِ مدارس سے مشورہ وصلاح ضرور لیں۔

نظام چندہ اور ہمارے اکابر کا احتیاط

حضرت تھانوی کی نظماء سے کچھ باتیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مدرسہ امداد العلوم سے متعلق اپنی وصایا میں فرماتے ہیں کہ ...... میرے بعد جو بھی اس مدرسہ کا منتظم ہو وہ چند باتوں کا اہتمام کرے ۔

دیکھو ایک ہے مدرسہ کی آمدنی یہ تمہارے اختیار میں نہیں، البتہ مدرسہ کے اخراجات تمہارے اختیار میں ہیں . اسلئے نظر اخراجات پر رہے نہ کے آمدنی پر ۔ یہ ایسا نسخہ ہے اگر اپنالو گے تو کبھی پریشانی نہ ہوگی ۔

یاد رکھو! ہم نے مدرسہ کھولا علم دین پڑھانے کے لیے . اب جتنی وسعت ہو اتنا کام کیا جائے، آمدنی زیادہ ہے کام بڑھادو، کم ہے کم کردو، طلبہ کو کھانا کھلانے میں دشواری ہے طلبہ کم کرو . ، آخرت میں تم سے سوال یہ نہیں ہوگا کہ ۲۰۰ طلبہ کیوں نہیں رکھے . ، سوال یہ ہوگا ۲ بھی رکھے تو کام کے کیوں نہیں بنائے۔

اگر دو طلبہ بھی سال بھر میں ہم کام کے نہ بنا پائے اور انکا وقت ہم نے ضائع کرادیا تو آخرت میں ہم سے انکے متعلق باز پرس ہوگی ۔

اور یہ جو آجکل چندہ کنندہ حضرات کی جگہ جگہ بھر مار ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ پریشانی ہم نے خود اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہے، مدرسہ میں مثلا طلبہ کے قیام کی گنجائش ۵۰ ہے، رکھ لیے ۱۰۰۔

اب جب پریشانی لاحق ہوئی تو ہوسٹل کی تعمیر کا چندہ شروع کر دیا، اب کوشش کے بعد ہوسٹل بن گیا تو پھر آئندہ سال طلبہ ۱۵۰ کر لیے، اب ہوسٹل کا نظام درست ہوا تو مطبخ کے اخراجات آسمان چھونے لگے، ادھر سہولت ہوئی ادھر پریشانی کھڑی ہوگئی، سکون پھر ختم ہوگیا. یاد رکھیے اعتبار کمیت کا نہیں کیفیت کا ہوتا ہے، جتنا کام آسانی سے ہوا تنا کیا جائے، حضرت تھانوی کا یہ ملفوظ میں نے سلسلہ اشرفیہ کے بڑے بزرگوں سے بارہا سنا ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ امراء سے کم ملیں، اور انکے دروازوں پر دستک نہ دیں. ،اسلیے کے اگر علما امراء کے سامنے دست سوال دراز کریں گے تو علما کا وقار مجروح ہوگا. اور علم دین اور مدارس کی ساکھ خراب ہوگی .

اسی لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خانقاہ میں جو مدرسہ امداد العلوم چلتا تھا اور چند طلبہ زیر تعلیم ہوتے تھے اور مدرسہ کی نگرانی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بھتیجہ مولانا شبیر احمد صاحب اور مولانا سید ظہور الحسن کسولوی ثم تہانوی کے ہاتھوں میں تھی. حضرت کا زیادہ تر مشغلہ اپنا تصنیف وتالیف اور خانقاہی نظام سے متعلق تھا. ،الحمد للہ آج بھی حضرت کے دور کے اس مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے ایک طالب علم جنہوں نے حضرت تھانوی سے میزان ومنشعب پڑھی ہے حیات ہیں ،جن کو آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں، خطیب الاسلام۔ برکت العصر حضرت مولانا سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم صدر مہتمم دار العلوم وقف دیوبند ہیں. ،آپ نے حضرت تھانوی سے صرف میزان ومنشعب ہی نہیں پڑھی؛ بلکہ حضرت تھانوی کے ہاتھوں سے پٹائی بھی کھائی ہے۔

خیر .....اس زمانہ میں جب مدرسہ امداد العلوم حضرت تہانوی رحمہ اللہ علیہ چلاتے تھے ،تو حضرت تھانوی کے پاس اخراجات ختم ہوگئے ،رقم اپنے پاس بالکل نہ رہی. ،تو حافظ منفعت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سابق استاذ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی نے طلبہ کو جمع کر کے فرمایا کہ دیکھو بھائی میرے پاس اس وقت مدرسہ کے اخراجات ختم ہوگئے ،تم میں اگر استطاعت ہو وہ اپنے کھانے کا نظم خود کر لے ،اور سبق یہاں رہ کر

پڑھتا رہے. اور جسکے اندر اخراجات کی استطاعت نہ ہو وہ جلال آباد مدرسہ میں چلا جائے. انشااللہ مولانا مسیح اللہ صاحب تم کو کھانا بھی دیں گے اور تعلیم بھی، اور جب میرے پاس نظم ہو جائے گا میں تمکو یہاں بلالوں گا، اس طرح تمہارا کھانے کا نظم بھی ہوجائے گا اور تعلیمی حرج بھی نہیں ہوگا .

واضح رہے کے حضرت تھانوی نے اپنے مدرسہ کا اصول یہ بنایا تھا کہ اگر حضرت کے پاس آمدنی زیادہ ہوتی کام بڑھا دیتے، کم ہوتی کم کر دیتے، اور پھر اخیر عمر میں فرمایا تھا کہ کوئی وقت ایسا آئے کہ مدرسہ کے اخراجات کے لیے رقم پاس نہ ہو تو مدرسہ بند کر دیا جائے لیکن امراء کے سامنے کسی صورت دست سوال دراز نہ کیا جائے۔

اللہ کو منظور ہوگا وہ اس جگہ سے کام لے لے گا،نہیں تو کوئی حرج نہیں، اس سے آپ کا استغناء ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ کا کمال احتیاط

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالی بخاری وترمذی کے محشی جب مظاہر العلوم کی قدیم تعمیر کے چندے کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے خصوصی تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد وخرچ کا مفصل حساب مدرسے میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں مولانا زکریا رحمہ اللہ نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگر چہ وہاں چندہ خوب ہوا؛ لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی ؛ چندہ کی نہیں ؛ اس لئے وہاں کی آمد ورفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کرلیا جائے۔

اساتذہ مظاہر العلوم کا کمال احتیاط

مظاہر العلوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا تو میں نے اکابر مدرسین وملازمین میں سے کسی کو جلسے کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا، جملہ مدرسین اپنا اپنا کھانا کھاتے

تھے، البتہ حضرت قدس سرہ مدرسے کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، جب کہ مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے، مدرسے کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا، مولانا عنایت اللہ علی رحمہ اللہ شب وروز مدرسہ میں رہتے اور دن کو ظہر کے وقت اور رات کو ۱۲ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا کھالیتے تھے۔(۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے، مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹین روشن کردے انہوں نے فوراہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہوتو لانا اور اگر مدرسہ کا تیل ہوتو مت لانا، وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرماتھے، جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں، کہنے لگے: کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے، ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں، مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق کے مطابق ہو۔(۲)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک صاحب نے تھانہ بھون کے مدرسہ میں دوسو روپیہ بھیجے اور خط میں اتنا لکھ دیا کہ زیارت کا بہت شوق ہے، کوئی تاریخ مقرر فرمائی جائے تو بہت عنایت ہو، میں نے روپیہ واپس کردیا اور لکھ دیا کہ خط میں اگر میرے آنے کی تحریک نہ ہوتی تو میں روپیہ وصول کرلیتا، مگر اب نہیں لے سکتا، کیوں کہ مجھے شبہ ہوگیا ہے شاید آپ مدرسہ میں یہ رقم دے کر مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں کہ اب ضرور آؤں گا، کیوں کہ ہم مدرسہ کے اتنے بڑے معاون ہیں، تھوڑے دنوں کے بعد روپیہ پھر واپس آیا، جس کے ساتھ ایک خط بھی آیا اس میں لکھا تھا کہ واقعی مجھ سے بڑی بدتہذیبی ہوئی مجھے رقم بھیجنے کے ساتھ شوق زیارت کا ذکر نہ کرنا چاہئے تھا، اب میں اپنی اس

---

(۱) آپ بیتی

(۲) تحفت المدارس: ۲/ ۲۷۴، چندہ اور مدارس

تحریک کو واپس لیتا ہوں، اللہ کے واسطے آپ یہ رقم وصول کر کے مدرسہ میں داخل کر دیجئے میں تو مدرسہ میں یہ رقم دے رہا ہوں، آپ کو تھوڑا ہی دے رہا ہوں، اس لئے آپ کا اس پر کوئی احسان بھی نہیں، اس شائستہ جواب کے بعد میں نے رقم مدرسہ میں داخل کر دی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ایک صاحب نے طلبہ کے لئے پانچ روپیہ بھیجے اور ساتھ میں دعا کی استدعا بھی لکھی، میں نے روپیہ واپس کر دیا کہ یہاں دعا کی دکان نہیں، ہم بدون ہدیہ بھی سب مسلمانوں کی بھلائی کے لئے دعاء کرتے ہیں، روپیہ پھر واپس آیا اور ساتھ میں خط بھی آیا کہ مجھ سے حماقت ہوئی، واقعی مجھے ہدیہ کے ساتھ دعا کی درخواست نہ کرنی چاہئے تھی، اب میں دعا نہیں کرانا چاہتا، آپ للہ طلبہ کے لئے یہ ہدیہ قبول فرمالیں، اب میں نے لے لیا اور ان کو لکھا کہ آپ کے مقصد کے لئے دعا بھی کر دی گئی، تو جہاں روپیہ لینے سے دین کی وقعت کم ہوتی ہو وہاں ہر گز روپیہ نہ لیا جائے واپس کر دینا چاہئے، واللہ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ بھی ملتے ہوں مگر دین کی عزت کم ہوتی ہو تو ایسے روپیہ بھی ملتے ہوں مگر دین کی عزت کم ہوتی ہو تو ایسے روپیہ پر لعنت بھیجنی چاہئے۔(۱)

حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے چندہ کا طریقہ

حضرت مفتی محمود صاحب سہارنپور سے چندہ کے لئے بھیجے گئے، بمبئی تشریف لے گئے، لوگوں سے صاف صاف فرما دیتے تھے کہ عربی مدرسہ ہے، اس میں باہر کے اتنے لڑکے ہیں، اتنے مدرس ہیں، یہ تعلیم ہوتی ہے، جو کچھ دینا چاہتے ہیں دے دیجئے، کسی کی خوشامد نہیں کرتے تھے۔(۲)

مدارس کے مال میں احتیاط:

بڑے حضرت (شاہ عبد الرحیم رائپوری) فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جتنا مدارس کی

(۱) خطبات حکیم الامت

(۲) افادات صدیق: ۱۲۲، محمد زید مظاہری ندوی، افادات اشرفیہ دوبا گا لکھنو

سرپرستی سے ڈر لگتا ہے اتنا کسی اور چیز سے نہیں؛ چونکہ مدارس کی رقم کے ہم تو مالک ہیں نہیں، مختلف لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے، اگر کسی کا حق دبا دیا ہے تو اس سے معافی مانگنا آسان ہے، لیکن جہاں بہت سارے لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے، ہر ایک سے معاف کرانا ناممکن ہے،، لہٰذا اس سے گریز کرنا چاہئے، مدرسہ کے مال میں بے احتیاطی نہ ہو، مدارس کے بقاء کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک مالی شعبہ میں خرد برد نہ ہو، دوسرے آپس میں اتفاق ہو، یہ دونوں چیزیں مدرسہ کے تحفظ کی ضامن ہیں۔(۱)

مولانا اکرام الحسن صاحب کی امانت داری

ارشاد فرمایا: کہ مولانا اکرام الحسن (والد ماجد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب) مدرسہ مظاہر العلوم کا حساب دیکھ رہے تھے، دوپہر کے کھانے میں حضرت شیخ کے یہاں تاخیر سے پہنچے، ان کی ہمشیرہ (امۃ الودود) نے معلوم کیا، کہ بھائی آج اتنی دیر کیوں ہوئی، مولانا اکرام الحسن صاحب نے فرمایا: کہ حسابات دیکھ رہا تھا، اس میں چار آنے کی کمی ہو رہی تھی، ان کی ہمشیرہ نے کہا کہ چار آنے ہی تو تھے، فرمایا: ہاں تھے تو چار آنے ہی، مگر تھے مدرسے کے، یہ تھی امانت داری۔(۲)

مکان فروخت کرکے مدرسہ کی امانت ادا کی

ارشاد فرمایا: کہ حضرت مولانا منیر احمد صاحب مدرسہ دار العلوم دیوبند مہتمم کے کام سے دہلی تشریف لے گئے، ان کے پاس مدرسہ کی رقم تھی، وہ چوری ہوگئی، انہوں نے مدرسہ سے ہفتہ عشرہ کی رخصت لی، اور دہلی سے گھر تشریف لائے، مولانا کی ایک جائیداد تھی، وہ فروخت کردی، رقم لے کر دہلی تشریف لے گئے اور کام پورا کرکے دیوبند آئے، بعد میں مہتمم صاحب نے ان کے منشی سے معلوم کیا کہ مولانا تو مدرسہ کے کام میں بہت محتاط تھے، مگر انہوں نے اتنی لمبی رخصت کیوں لی؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت مدرسہ کی رقم چوری ہوگئی تھی، یہ گھر

---

(۱) ارشادات افتخار الاولیاء: ۲/۷۹

(۲) ارشادات افتخار الأولیاء: ۱/۱۴۱-۱۴۲

تشریف لے گئے اور ایک بڑی جائیداد فروخت کر کے مدرسہ کا کام مکمل کیا ہے، حضرت گنگوہی (۹/ جمادی الثانی: ۱۳۲۳ھ) کے پاس سوال لکھ کر بھیجا، حضرت نے تحریر فرمایا: کہ اگر انہوں نے اپنی رقم کی طرح حفاظت کی اور پھر چوری ہوئی تو تاوان نہیں، وہ جواب مولانا محمد منیر صاحب کو دکھلایا کہ آپ کے شیخ کا فتوی ہے، مولانا نے فرمایا: کہ مولانا گنگوہی نے فقہ میری ہی لئے پڑھی تھی، ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ یہ معاملہ ان کے ساتھ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتے، میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا۔(۱)

محصلین عاملین کے حکم میں نہیں

زکوۃ کی رقم وصول کر کے لانے والوں کو اسی رقم میں سے اجرت عمل دینے کی گنجائش ہے، خواہ وہ غنی ہوں، مگر کسی حال میں ان کی وصول کی ہوئی رقم نصف سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ کی رقم کسی عمل کے معاوضہ میں (سوائے تحصیل وجمع زکوۃ کے) نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ زکاۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، ملازمین مد تبلیغ وتعلیم کو تنخواہ بطور عقد اجارہ ہوتی ہے، جو تملیک بلاعوض نہیں ہے۔(۲)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کے اتفاق وتراضی سے امیر شرعی ہو امارت شرعیہ کا نظام قائم ہو اور امیر شرعی نے اپنی طرف سے عمال مقرر کئے ہوں، وہاں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ انہیں عاملوں کو زکوۃ حوالہ کردیں۔۔۔۔۔اور جہاں ایسا نظام شرعی موجود نہ ہو وہاں دینی ادارے اور درس گاہیں زکوۃ کے اجتماعی طور پر اکٹھا کرنے اور مستحقین تک پہنچانے کا نظم کر سکتے ہیں، اس لئے کہ دینی مدارس کے طلباء بھی زکاۃ کا بہترین مصرف ہیں، وہاں ان اداروں کی طرف سے وصولی زکاۃ کا کام کرنے والے جزوی طور پر عاملین ہی کے حکم میں ہیں کہ گو وہ امیر المسلمین کی طرف سے اس کام پر مامور نہیں ہیں؛ لیکن وصولی زکاۃ کا حق

(۱) حوالہ سابق: ۱/ ۱۹۳

(۲) کفایۃ المفتی: ۷/ ۱۰۳، ۱۰۴، دارالاشاعت کراچی

امیر کوتفویض کرنے سے شریعت کا جو اصل مقصود ہے یعنی اجتماعی طور پر زکوۃ کی وصولی وتقسیم کا نظم کرنا وہ اس طرح پورا ہو جاتا ہے، البتہ ان کو زکاۃ کا حوالہ کرنا واجب نہیں۔(۱)

یہی بات مفتی شعیب اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:

عام طور پر مدارس میں وصولی چندہ کے لئے سفراء رکھے جاتے ہیں اور ان کو ان کا حق الخدمۃ دیا جاتا ہے، ان کے متعلق سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ ''العاملین علیھا'' میں داخل ہو کر مستحق زکاۃ ہیں؟ اور کیا ان کو زکاۃ کی رقم ان کا معاوضہ دینا جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہاں یہ عاملین صدقہ کے حکم میں داخل ہیں، اور چونکہ عاملین صدقہ کی حیثیت وکیل فقراء کی ہونے کی ہے، اس لئے ان کو زکاۃ کی مد میں سے ان کا حق خدمت دینا جائز ہے، جیسے کوئی فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنادے اور اس کا حق الخدمۃ زکاۃ کا مال، وصول کر کے اس سے ادا کرے تو جائز ہے، حضرت مفتی شفیع صاحب نے تفسیر معارف القرآن میں اگر چہ یہ لکھا ہے کہ مدارس کے سفراء عاملین صدقہ کے حکم میں نہیں اور ان کو زکاۃ کے مد سے معاوضہ دینا جائز نہیں (۲) مگر امداد المفتیین میں صراحۃ اس سے رجوع فرمالیا ہے، اور سفراء اور اہل مدرسہ کو صدقہ کے عاملین کے حکم میں داخل فرمایا ہم، اور حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی وحضرت سہارنپوری کا یہی مسلک رہا ہے۔(۳)

کمیشن پر چندہ کرنے پر انعام لینے کا حکم

کمیشن پر چندہ کرنا بچند وجوہ ناجائز ہے:

(۱) اجرت من العمل ہے، جو ناجائز ہے یعنی اس جمع شدہ چندہ میں سے یہ اجرت دی جاتی ہے تو یہ معاملہ نہیں؛ کیوں کہ صورت ''قفیز طحان'' کی ہے، جو حدیث شریف کی رو سے ممنوع ہے (اگر مدرسہ اپنے فنڈ سے دے گا تو یہ وجہ ناجائز ہونے کی باقی نہ

---

(۱) قاموس الفقہ: ۴/۸۲، زمزم پبلیشر، پاکستان

(۲) معارف القرآن: ۴/۳۹۹

(۳) امداد المفتیین: ۱۰۸۵

رہے گی، مگر دوسری مندرجہ ذیل وجوہ قائم رہیں گی)۔

(۲) اجیر اس عمل پر قادر نہیں، قادر بقدرۃ الغیر ہے، اس کا عمل چندہ دینے والوں کے عمل پر موقوف ہے، اور قادر بقدرۃ الغیر بحکم عاجز ہے، جب کہ صحت اجارہ کے لئے بوقت عقد اجیر کا قادر علی العمل ہونا اور مستاجر کا قادر علی تسلیم الاجرۃ ہونا، صحت عقد کے لئے شرط ہے، لہٰذا یہ اجارہ باطلہ ہوا، اس لئے چندہ لانے کے لئے اس کی اجرت بصورت حصہ مقررہ حلال نہیں ہے۔(۱)

(۳) اسی طرح اس میں اجرت اور منفعت بھی مجہول ہے، کیوں کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، ان تمام وجوہات کی بناء پر کمیشن کی بنیاد پر چندہ کرنا ناجائز ہے۔

(۴) سفیر کے لئے چندہ جمع کرنے پر اجرت کا بے غبار طریقہ یہ ہے کہ مہتمم مدرسہ جس شخص کو چندہ کرنے کے لئے مقرر کرے، اس کے چندہ کرنے کے عمل میں کوئی معین اجرت طئے کردے، خواہ ماہانہ ہو یا یومیہ اور وہ شخص اس طئے شدہ معاملہ کے مطابق چندہ جمع کرے، تو یہ صورت بلا شبہ جائز ہے، اور اگر سفیر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی حسن کارکردگی یا متعینہ مقدار (وصولیابی کی) پوری کرنے کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم بطور انعام دینا تو جائز ہے، لیکن زکاۃ کے پیسے سے دینا جائز نہیں؛ بلکہ زکاۃ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنا لازم ہے اور یہ انعام مدرسہ اپنے امدادی فنڈ سے (جس سے تنخواہ دی جاتی ہے) دے سکتا ہے۔

اب یہاں دو باتیں ہوئی کمیشن پر چندہ کرنا (جو کہ ناجائز ہے) دوسرے تنخواہ پر چندہ کرکے اخیر میں انعام کا دیا جانا، یہ جائز ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کمیشن اجرت کے درجہ میں ہوتا ہے، جس کا اجارہ فاسدہ میں داخل ہونا اوپر ذکر کیا جاچکا، اور انعام اجرت کے علاوہ کارکردگی پر اضافی طور پر دیا جاتا ہے، جو شرعا نا جائز ہے، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری

(۱) احسن الفتاوی

ہے کہ اگر انعام بطور فیصد دیا جائے تو بھی اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ یہ اصل اجرت نہیں ہے کہ اجرت مجہول میں داخل ہونے کا گمان ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ خاص چندہ کی رقم، جو عموماً زکوۃ، صدقات واجبہ کے مد کی ہوتی ہے، اس میں سے کمیشن یا انعام دینا جائز نہیں، بلکہ مدرسہ اپنے عمومی فنڈ سے تنخواہ یا انعام دے، جس طرح مدرسہ کے دوسرے جائز مصارف میں خرچ کرنے اور ملازمین کو تنخواہ دینے کا مہتمم مجاز ہے، اس کا بھی مجاز ہوگا، معطیین کی زکوۃ وغیرہ رقم خاص سے نہیں دیا جاتا کہ معطیین کو اعتراض یا اشکال ہو، ہاں ارباب حل وعقد یا شوری اس کے صواب وناصواب ہونے کی جانچ کر سکتے ہیں، اور جہاں کہیں معطیین کی رقم خاص سے تنخواہ یا انعام کمیشن لے لینے کا طریقہ ہو، وہاں معطیین کا اعتراض بجا ہوگا۔(۱)

کمیشن پر چندہ کرنا

جو سفراء باقاعدہ مدرسہ کے تنخواہ دار ملازم ہیں، ان کو حسن کارکردگی کی بنیاد پر تنخواہ سے زائد متعینہ اضافی رقم دینے کی گنجائش ہے، اور یہ انعام کے درجہ میں ہوگی، جو مدرسہ کے امدادی فنڈ سے دی جائے گی، نہ کہ زکاۃ وصدقات واجبہ کی رقم سے، اور جو سفراء مدرسہ کے ملازم نہیں ہیں؛ بلکہ محض کمیشن پر کام کرتے ہیں تو اجارہ فاسدہ کے ہونے کی بناء پر اس معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں اور نہ اس طرح چندہ کرنا جائز ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزدور کو اجرت کی وضاحت کے بغیر اجرت پر لینے سے منع فرمایا ہے ''نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره ''(۲) ہدایہ میں ہے:

''ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة''(۳)

---

(۱) چند اہم عصری مسائل: ۲۸۸، مکتبہ دار العلوم دیوبند

(۲) السنن الكبرى للبيهقي: باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة، رقم الحديث: ۱۱۸۵۵

(۳) الهداية: كتاب الإجارات: ۳/ ۲۹۳

اجرت پر لینا صحیح نہیں جب تک کہ اجرت معلوم نہ ہو۔

تملیک کے صحیح طریقے

تملیک کے دو طریقے ہیں:

(۱) مہتمم مدرسہ کسی (مستحق مصرف زکوۃ) سے مدرسہ کے لئے قرض طلب کرے، وہ قرض دے دے خواہ اپنے پاس سے خواہ کسی اور سے لے کر اس کے بعد مہتمم مدرسہ زکوۃ کی رقم اس کو دے دے تاکہ وہ اپنا قرض ادا کر لے۔

(۲) مستحق طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے کھانا وغیرہ نہ دے؛ بلکہ کہہ دے کہ اتنا وظیفہ تم کو دیا جائے گا، اور کھانے کا اتنا کرایہ وصول کیا جائے گا، مہینہ پورا ہونے پر وظیفہ ان کو دے دے، پھر کھانے کی قیمت اور کمرہ کا کرایہ وصول کر لے، وظیفہ اتنا مقرر کرے کہ معاوضہ طعام اور سیٹ کی اجرت وصول کرنے کے بعد طلبہ کے پاس صابن وغیرہ ضرورت کے لئے بھی کچھ بچ جائے۔

اب رہا تملیک کا مسئلہ تو بعض مدارس میں باقاعدہ تملیک کا سلسلہ قائم ہے، کیوں کہ زکاۃ میں تملیک فقراء شرط ہے، یہ بات اہل مدارس اچھی طرح جانتے ہیں وہ لوگ زکاۃ کی رقم کو تملیک کرا کے خزانے میں رکھتے ہیں؛ تاکہ حسب ضرورت خرچ کرتے رہیں۔

☆ یہ تملیک حیلۂ شرعی ہے جس کی مفتیان کرام نے اجازت دی ہے؛ کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مدرسہ چلانا مشکل ہو جائے، بعض محتاط مفتیان کرام نے زکوۃ کی رقم مدرسے کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہوں میں بھی استعمال کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ اس کے لئے حیلۂ شرعی اختیار کیا جائے

☆ مثال کے طور پر طلبہ کی تعلیمی فیس اور خوراکی فیس اور رہائشی فیس متعین کر دی جائے اور ان کو زکاۃ سے وصول شدہ رقم دے کر مالک بنا دیا جائے اور پھر ان سے ان کے فیسوں کی رقم وصول کر کے مدرسے کے خزانے میں جمع کر لی جائے، اب اس رقم کو مدرسے کے مختلف ضروریات پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

☆ بعض مدارس نے (مثلاً دارالعلوم دیوبند نے) یہ تدبیر اختیار کی ہے کہ طلبہ سے داخلے کے وقت ہی یہ تحریر لی جاتی ہے کہ وہ مہتمم مدرسہ کو اموال زکوۃ کی وصولی اور وصول شدہ رقم کو کھانے، کپڑے، تعلیم اور رہائش وغیرہ جیسی ضروریات پر خرچ کرنے پر اپنا وکیل مقرر کرتے ہیں، اس سلسلے میں کئی سال پہلے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے ایک فتوے کو بنیاد بنا کر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری نے طلبہ سے وکالت نامہ حاصل کرنے کی تجویز پاس کی تھی اسی پر عمل ہو رہا ہے۔(۱)

تملیک کے سلسلے میں دارالعلوم کا فتوی

یہاں مزید وضاحت کے لئے دارالعلوم دیوبند کا فتوی مع سوال کے لکھ دیا جاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں؟

مدارس میں اموال زکاۃ کے استعمال میں خرد وبرد ہو رہا ہے، وہ واضح ہے، بالخصوص رمضان المبارک کے موقع پر مدارس والے مال زکاۃ وصول کرتے ہیں؛ البتہ اس کے صرف کرنے کے سلسلے میں بے احتیاطی برتتے ہیں، اکثر بغیر تملیک کے مال زکاۃ تنخواہ بابت استعمال کرتے ہیں، اس مسئلہ کی وضاحت کے واسطے مندرجہ ذیل استفتاء کیا جارہا ہے، برائے کرم مع دلائل وحوالہ ان کی تصریح کردی جائے، نوازش ہوگی۔

مسئلہ نمبر (۱) زکاۃ کا مال یا رقوم وصولی کے بعد بہ ذریعہ تملیک استعمال کرنے کا عام رواج ہے، تملیک کی چند مروجہ شکلیں درج ذیل ہیں، ان کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

(الف) کسی مستحق زکاۃ کو بلا کر زکاۃ کے رقوم اس کو دے دیا، اس کو معلوم ہے کہ یہ رقوم زکاۃ کی ہیں، اور مجھے واپس بھی کرنا ہے، لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق یہ رقوم معطی کو واپس کر دیتا ہے۔

(ب) کسی مستحق زکاۃ کو مال زکاۃ کی تملیک کا مسئلہ بتا کر اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ

---

(۱) اس سلسلے میں فتاوی دارالعلوم ۱۴/ ۱۲۵ پر مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری کا مضمون ''مہتمم کی شرعی حیثیت'' بھی ملاحظہ کیا جائے۔

میں آپ کو زکاۃ کے رقوم دوں گا، آپ اگر چاہیں تو اس کو اپنے کام میں لگا سکتے ہیں اور چاہیں تو کسی دینی کام مثلاً مدرسہ، مکتب وغیرہ میں استعمال کے لئے میرے حوالے کر سکتے ہیں، اس صورت میں پوری رقم صدقہ کرنے کا ثواب اب آپ کو ملے گا۔

پھر دوسری مجلس میں اس شخص کو زکاۃ کا مال یہ کہہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ زکاۃ کا مال ہے، اسے لے جاؤ، البتہ دینے کے لئے دل میں یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص مجھے زکاۃ کا مال واپس کر دے گا اور لینے والا بھی دل میں سوچتا ہے کہ مجھے بھی یہ واپس کر دینا ہے، لیکن زبان سے کوئی کسی کو کچھ نہیں کہتا۔

(ج) کسی غریب کو زکاۃ کے رقوم دے دیا گیا، پھر اس شخص سے یہ رقوم مدرسہ میں چندہ لے لیا گیا اور غریب شخص کو کچھ رقم دے دیا گیا۔

(د) مدارس میں زیر تعلیم بچوں کے لئے ماہانہ فیس مقرر کر دی جائے، پھر زکاۃ کے رقوم سے ان کی طرف سے فیس ادا کر دی جائے۔

مسئلہ نمبر (۲) اکثر مدارس میں اساتذہ کو مکمل تنخواہ ملتی، اساتذہ کو مکمل تنخواہ نہیں ملتی، اساتذہ رمضان المبارک یا دیگر اوقات میں اموالِ زکاۃ وصول کرتے ہیں، اپنی ضرورت اور بقیہ تنخواہ بابت اموالِ زکاۃ وصول کرتے ہیں، اپنی ضرورت اور بقیہ بابت اموال زکاۃ براہِ راست خرچ کرتے ہیں، ان کا یہ خرچ کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ایسے حالات میں اساتذہ کے لئے مالِ زکاۃ خرچ کرنے کی کوئی بھی جائز صورت ہو تو اس کی تصریح فرما دیں۔

مسئلہ نمبر (۳) مدرسہ کے مہتمم صاحب زکاۃ کھانے کے مستحق طلبہ کی طرف سے وکیل بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وکیل بن سکتے ہیں تو ان کی یہ وکالت تملیک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر: (۴) سفراء مدارس مدرسہ کے مہتمم صاحب کی طرف سے وکیل بن سکتے ہیں یا

نہیں؟ اگر وکیل بننے کی گنجائش ہے تو ان کی یہ وکالت تملیک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۵) مدرسہ کے لئے وصول شدہ اموالِ زکاۃ اسی مدرسہ کے متعلقہ مصرف زکاۃ استاذ صاحب اپنی ذاتی حوائج میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۶) حیلہ تملیک کی ضرورت کے وقت کس حد تک گنجائش ہے؟ برائے کرم مفصلا بیان فرمادیں۔

مسئلہ نمبر (۷) مدارس کی تعمیرات خواہ دار الاقامہ یا درسگاہ یا مہمان خانہ یا گیٹ وغیرہ ضرورت کی حد میں شامل ہے یا نہیں؟۔

الجواب بتوفیق اللہ عز وجل:

مسئلہ نمبر (۱)۔ (الف) اس صورت میں ''تملیک شرعی'' کا تحقق نہیں ہوا، اس لئے کہ جس شخص کو یہ رقم دی جا رہی ہے، وہ اس رقم میں حسبِ منشاء تصرف کرنے کا مختار نہیں ہوتا، جب کہ تملیک شرعی کے لئے اس طرح مالک بنا دینا ضروری ہے کہ جس شخص کو زکاۃ کی رقم دی گئی وہ اس میں حسبِ منشاء تصرف کر سکے ''ھی۔الزکاۃ۔ تملیک جزء مال مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ہاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملك من کل وجہ''۔(۱)

(ب) واپس کرنے والا شخص اگر رقم کو اس استعمال کرنے میں اپنے آپ کو مالک ومختار سمجھتا ہے، پھر کسی دباؤ کے بغیر اپنی مرضی سے مدرسہ میں دے دیتا ہے، تو یہ طریقہ درست ہے، ورنہ نہیں، ''والحیلۃ فی الجواز فی هذه الأربعة أن یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یأمره بعد ذلك بالصرف إلی هذه الوجوه، فیکون لصاحب المال ثواب الزکاة وللفقیر ثواب هذه القرب''(۲)

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۱۷۳/۳ (۲) البحر الرائق: ۴۲۴/۲

(ج) ''چندہ لے لیا گیا'' مبہم تعبیر ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے، بہر حال اگر یہ صورت ہے کہ ایک غریب آدمی کو زکاۃ کی رقم پورے طور پر مالک بنا کر دے دی جاتی ہے، پھر یہ شخص کچھ رقم اپنے پاس رکھ کر مابقیہ مدرسہ میں بہ طور چندہ دے دیتا ہے، تب اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر مراد یہ ہے کہ وہ شخص مالک بننے کے بعد پوری رقم مدرسہ کے حوالہ کر دیتا ہے، پھر ذمے داران مدرسہ کچھ رقم اس غریب کو دے دیتے ہیں، تو ذمہ داران کا اس طرح رقم دینا درست نہیں ہے، اس لئے ذمہ داران مدرسے کے امین ہوتے ہیں، اس لئے ضروریاتِ مدرسہ کے علاوہ دیگر امور میں مدرسے کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس صورت میں تو رشوت کا بھی شائبہ ہے، جس کا جائز نہ ہونا واضح ہے، مراعاة غرض الواقفين واجبة (۱)

(نوٹ) ان تمام صورتوں میں معطیین کی طرف سے صراحۃ یا دلالۃ اجازت کے بغیر طلبہ کے علاوہ کسی اور شخص کو رقم دے کر تملیک کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ مدرسہ میں زکاۃ، صدقات وغیرہ دینے والوں کا منشاء طلبہ کا خرچ کرنا ہوتا ہے نہ کہ غیر متعلقہ شخص پر، اور ذمہ داران پر منشاء معطیین کی رعایت ضروری ہے۔ الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره (۲)

(د) یہ شکل سب سے بہتر ہے کہ مدرسے کا جتنا ماہانہ خرچ بہ شمول مطبخ، تعلیم، تنخواہ مدرسین وغیرہ آتا ہو، اس کو طلبہ پر تقسیم کر کے جو حاصل آئے اس رقم کو ہر طالب پر بہ طور فیس مقرر کر دیا جائے اور ہر مہینہ فیس کے بہ قدر رقم طالب علم کو دے کر اس سے بہ مد فیس وصول کر لیا جائے ۔۔۔۔۔ ہر مہینہ کے بجائے

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار: ۶/ ۶۶۵، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة

(۲) المصدر السابق: ۳/ ۱۸۹

سالانہ فیس کی شکل میں پورے سال میں فیس یکمشت بھی طالب کو دے کر اس سے واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اس صورت میں اگر یہ وضاحت کردی جائے تو بہتر ہے کہ اس مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کی سالانہ فیس اتنی رقم ہے، خواہ طالب علم پورے سال پڑھے یا بیچ میں چھوڑ کر چلا جائے۔

مسئلہ نمبر (۲) اساتذہ یا ملازمین کا زکاۃ کے حق دار مستحقِ زکاۃ نادار طلبہ ہیں، انہیں بہ طور ملک دے دینا ضروری ہے، تنخواہ کی ادائیگی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وصول کنندگان پوری رقم مدرسہ میں جمع کردی، پھر ذمے داران مدرسہ طلبہ کو بہ مد وظیفہ دے کر بہ طور فیس مدرسے کے فنڈ میں جمع کرالی، پھر اس میں اساتذہ کو حسبِ ضابطہ بہ طور تنخواہ رقم دے دی جائے۔

مسئلہ نمبر (۳=۴) اس سلسلے میں محتاط قول یہ ہیکہ مدرسہ کے مہتممین (اوران کے واسطے سے) مدرسہ کے نمائندہ سفراء معطین کے وکیل ہیں اور معطین کا منشاء نادار طلبہ پر زکاۃ وغیرہ کا خرچ کرنا ہے؛ لہٰذا جب تک یہ رقومات طلبہ پر خرچ نہ کی جائیں ''تملیکِ شرعی'' کا تحقق نہ ہوگا ''إذا قیّدت الوکالۃ بقید فلیس للوکیل مخالفتہ''(۱)

اگر مہتممین کو وکیل طلبہ قرار دیا جائے جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے تو اس کا صرف اتنا فائدہ ہوگا کہ ''زکاۃ'' مہتممین اور سفراء کے ہاتھوں میں آتے ہی معطیین کا ذمہ فارغ ہوجائے گا اور وہ دوبارہ اس کا مطالبہ نہیں کرسکتے؟ لیکن اس کی وجہ سے مہتمم کو یہ اختیار نہ ملے گا کہ وہ مالِ زکاۃ جہاں مرضی ہو خرچ کریں؛ بلکہ اب بھی ان پر ضروری ہے کہ مصرفِ زکاۃ طلبہ پر خرچ کریں اس لئے کہ اسلامی حکومت کے ''بیت المال'' کے ''عاملوں'' کے ہاتھ زکاۃ وغیرہ آتے ہی معطیین کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، لیکن اس کے باوجود زکاۃ کی رقم مصارف ہی میں خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے ''بیت المال'' کے سارے مد لگ الگ رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ ہر ایک کو اس کے مصارف ہی میں صرف کیا جائے ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

(۱) مجلۃ الأحکام العدلیۃ، الفصل الثانی فی بیان الوکالۃ بالشراء المادۃ: ۱۴۷۹

" ولما حصل فی ید الإمام حصلت الصدق موداة حتی لو هلکت المال فی ید تسقط الزکاۃ عن صاحبہا" (۱)

اور درمختار مع الشامی ہے:

" بیوت المال أربعة لکل مصارف بینتہا العالمون ، وقال الشامی۔۔۔۔ ذکرو أنہ یجب علیہ أن یجعل لکل نوع منہا بیتا یخصہ ولا یخلط بعضہ ببعض الخ (۲)

مسئلہ نمبر (۵) مدرسے میں جو حضرات زکوۃ، فطرہ اور دیگر رقومات دیتے ہیں، ان کا منشاء طلبہ یا ضروریاتِ مدرسہ میں خرچ کرنا ہوتا ہے، لہٰذا زکوۃ کی رقوم اساتذہ کو دینا جائز نہیں، اگرچہ وہ مستحقِ زکاۃ کیوں نہ ہوں:

"إذا قیدت الوکالة بقید فلیس للوکیل مخالفته "(مجلة الأحکام العدلیة المادة : ۱۴۷۹، الفصل الثانی فی الوکالة بالشراء)وفی رد المحتار : الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل وقد أمرہ بالدفع إلی فلان، فلا ن یملك الدفع إلی غیرہ کما لو أوصی لزید بکذا لیس للوصی الدفع إلی غیرہ "(۳)

مسئلہ نمبر: (۶) اصل تو یہ ہے کہ زکوۃ صدقات واجبہ مستحق زکوۃ غرباء، فقراء یتیموں اور بیواؤں پر صرف کی جائیں، لیکن اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے چوں کہ آج کل دینی مدارس کی پشت پناہی حکومت کی طرف سے نہیں ہو پاتی، اس لئے علماء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جہاں مدارس اور دینی اداروں کے واقعی اخراجات پورے کرنے کے لئے بھی امداد اور عطیات کی رقم کافی نہیں ہوتی ، وہاں بہ قدر

(۱) بدائع الصنائع: ۱۵۲/۲، فصل: وأما الذی یرجع إلی المودی

(۲) ردالمحتار علی الدر المختار: ۲۸۱/۳، مطب فی بیوت المال ومصارفہا

(۳) ردالمحتار علی الدر المختار: ۱۸۹/۳

ضرورت اموالِ زکاۃ ''شرعی حیلہ تملیک'' کے بعد مدرسے کی عام ضروریات میں صرف کئے جاسکتے ہیں۔(۱)

مسئلہ نمبر (۷) ان میں زکاۃ کی رقوم خرچ کرنا جائز نہیں ہے، یہ ضروریات طلبہ نہیں ہیں، طلبہ کی ضروریات میں تو صرف ان کا کھانا، پینا، علاج ومعالجہ، نقد وظیفہ اور وہ مصارف شامل ہیں، جن کا تعلق براہ راست طلبہ سے ہے اور انہی کی ذات پر منتہی ہوجائیں ''ولا یجوز أن یبنی بالزکاۃ المسجد، وکذا القناطیر۔۔۔۔ وکل ما تملیک فیہ الخ''۔(۲)

وصول زکاۃ کے سلسلے میں مدرسہ کے مہتمم کی حیثیت

مدرسہ کے مہتمم وناظم کی حیثیت میں دو پہلو ہیں:

اول زکاۃ وصول کرنے کے تعلق سے تو اس میں وہ طلبہ کے وکیل ہیں، اور ان کے لینے سے زکاۃ ادا ہوجائے گی، اور من وجہ مالدار معطیین کے بھی وکیل ہیں جس مصرف کے لئے دیا اسی میں خرچ کرسکتے ہیں۔

چنانچہ مفتی سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فتاوی دارالعلوم دیوبند کے حاشیہ میں بھی تحریر فرماتے ہیں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی تائید سے مزید فرمایا ہے:

مدارس کے مہتمم ایک طرف تو چندہ دہندہ کے وکیل ہوتے ہیں، اس طرح کہ چندہ دینے والے اگر مصرف متعین کرکے دیں تو مہتمم صاحب اسی مصرف میں خرچ کرنے کے پابند ہیں، مثال کے طور پر چندہ (غیر زکاۃ) دینے والے نے مدرسہ کی عمارت میں خرچ کرنے کی قید لگائی تو مہتمم صاحب اس کی اجازت کے بغیر دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کرسکتے۔(۳)

---

(۱) المصدر السابق: ۳/ ۲۹۴ (۲) الفتاوی الہندیۃ: ۱/ ۱۸۸، چند اہم عصری مسائل: ۲

(۳) فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۱۲۵ / ۱۲

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: ظاہراً مہتمم وکیل معطی کا ہے“(۱)

مدارس کے مہتمم دوسری طرف طلبہ کے قیم اور نائب بھی ہوتے ہیں، اس لئے ان کا قبضہ طلبہ کا قبضہ کہلائے گا، چندہ دیتے ہی چندہ دہندگان کی ملکیت سے چندہ خارج ہوجاتا ہے، اور اس پر طلبہ کی ملکیت ہوجاتی ہے، مدارس بیت المال کی طرح ہیں اور مہتمم صاحب نگراں کی طرح، اس میں طلبہ کا معلوم ومتعین ہونا بھی ضروری نہیں ہے جس طرح بیت المال کے مستحقین کا معلوم ومتعین نہیں ہوتے۔(۲)

مدرسہ کا مہتمم کس کا وکیل ہے؟

اصل میں مدرسہ کا مہتمم چندہ دہندگان کا وکیل ہے کہ وہ اس چندہ کی رقم کو مصارف میں خرچ کرے، لیکن بعض اکابر نے اسے بعض خاص مسائل میں من وجہ طلبہ مدرسہ کا بھی وکیل مانا ہے، اسی بناء پر مہتمم کے قبضہ میں آتے ہی معطیان کی زکاۃ کی ادائیگی کا قول کیا جاتا ہے۔(۳)

مہتمم کی حیثیت میں دوسرا پہلو ان رقوم کے خرچ کرنے کے سلسلے میں ہے تو اس میں وہ امین ہے اور امانت داری سے خرچ کرنا ضروری ہے، اور جس نے جس مصرف کی تعیین کی ہے اس کے خلاف میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ذاتی استعمال میں لانا قطعا جائز نہیں ہے۔

اور جو ایسا کرتا ہو وہ خائن اور مجرم ہے، اسے اس جگہ اور عہدے سے معزول کرنا لوگوں پر ضروری ہے، اگر ذمہ داری جاننے اور قدرت کے باوجود ایسے خائن کو نہ ہٹائیں تو وہ بھی مجرم ہیں۔

مدزکاۃ سے فیس کی وصولی

اس حوالہ سے مفتی شعیب اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:

---

(۱) امداد الفتاوی:۱۳۱/۳ (۲) فتاوی دار العلوم:۱۲۵/۱۲

(۳) مستفاد: تذکرۃ الرشید:۱۶۲۔۱۶۵

مستحق زکاۃ طالب علم پر بسلسلہ قیام وطعام وتعلیم پر جو خرچ آتا ہے، مدرسہ کی مدزکاۃ سے اہل مدرسہ کیا اس کو ادا کر سکتے ہیں، یا اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دے کر کیش کرنے کے بعد اس سے وصول کر کے مدرسے میں جمع کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری (چیک والی) صورت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، یہ تملیک کی معقول صورت ہے، اور بلا شبہ جائز ہے، البتہ پہلی صورت میں احتیاط یہ ہونا چاہئے کہ پہلے طالب علم، اہل مدرسہ کو اس بات کا وکیل بنا دے، جب اہل مدرسہ طالب علم کے وکیل کی حیثیت سے مدزکوۃ سے مقررہ رقم فیس میں ادا کر دیں گے تو جائز ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مہتمم مدرسہ طلبہ کا وکیل ہے یا نہیں؟ نیز زکاۃ دہندگان کا وکیل ہے یا نہیں؟

اس بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ایک فتوی تذکرۃ الرشید میں واضح وصریح ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے نزدیک مہتمم طلباء کا وکیل ہے، اور بعض اعتبارات سے زکاۃ دہندگان کا بھی وکیل ہوسکتا ہے، وہ فتوی یہ ہے:

''مہتمم مدرسہ کا قیم ونائب جملہ طلبہ جیسا کہ امیر نائب جملہ عالم کا ہے، پس جو شیء کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اور مہتمم بعض وجوہ سے وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے۔(۱)

یہی حضرت خلیل احمد سہارنپوری کی رائے ہے اور حضرت تھانوی نے بھی آخر میں اسی کی طرف رجوع فرما کر اس کے خلاف اومولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندی نے بھی اسی کو اختیار فرما کر اس کے خلاف سے رجوع کر لیا تھا۔(۲)

الغرض مہتمم واہل مدرسہ وکیل فقراء ہیں؛ لہٰذا جب وہ وکیل ہوئے تو طلبہ کی طرف سے ان کی ضروریات میں مدزکاۃ سے خرچ کرنا ان کے لئے جائز ہے، پھر بھی اگر صراحۃ توکیل ہو جائے تو احتیاط کا تقاضا ہے۔(۳)

---

(۱) تذکرۃ الرشید: ۱/۱۶۴، امداد المفتیین: ۱۰۸۵ (۲) معارف القرآن: ۴/۳۹۹

(۳) احکام زکاۃ، اور جدید حالات: ۴۴، مفتی شعیب اللہ خان صاحب

کیا اموال زکاۃ بغیر تملیک خرچ کر سکتے ہیں؟

اس بارے میں حضرت مفتی سعید صاحب فرماتے ہیں:

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فتوے میں اس کی وضاحت نہیں تھی اور مسئلہ اس طرح چلتا رہا کہ تملیک ضروری ہے، اس لئے دارالعلوم نے یہ طئے کیا کہ داخلہ کے وقت طالب علم سے ہی وکالت واجازت لے لی جائے اس صورت میں بلا تملیک ضروریات میں خرچ کرنا درست ہوگا، اور وکیل مان لینے کی صورت میں تو بلا کسی حیلہ تملیک کے ضروریات طلبہ میں خرچ کرسکتا ہے۔

لیکن اس میں ایک تفصیل ہے جو حضرت مفتی سعید صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ جن چیزوں کا فائدہ براہ راست ان تک پہنچتا ہے جیسے کھانا یا کپڑا وغیرہ اس میں بلا تملیک خرچ کرسکتے ہیں۔

اور جن چیزوں میں بالواسطہ طلبہ پر خرچ ہوتا ہے جیسے مدرسے کے بل، اساتذہ کی تنخواہیں یا جو چیزیں طلبہ کو مستعار دی جاتی ہیں جیسے کتابیں، پلنگ وغیرہ اس میں تملیک ضروری ہے۔(۱)

لہٰذا طلبہ کے وکیل ہونے کی بنا پر ان کی ضرورتوں میں خرچ کیا جاسکتا ہے، البتہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور بلا ضرورت کا خرچ نہ ہو اس کی ذمہ داری مہتمم کے اوپر ہے۔

حیلۂ تملیک کی چار صورتیں

حیلہ تملیک کی ضرورت اس لئے بھی پیش آتی ہے غیر مصارف زکاۃ میں خرچ کرنے کے لئے رقم نہیں ہوتی، جب کہ ایک دینی مدرسہ کو جاری رکھنے کے لئے دیگر اہم ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے رقوم درکار ہوتی ہیں، زکاۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے ذریعے خرچ کر کے ضروریت پوری کی جاتی ہیں، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایسا بے غبار حیلہ تملیک اختیار کرنا چاہئے کہ زکاۃ کی ادائیگی میں کوئی خلجان نہ رہے:

(۱) حاشیہ فتاوی دارالعلوم: ۱۲۵/ ۱۲

ا۔ مہتمم معطیین زکاۃ کی وکیل ہے یا بحکم عامل؟

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اب تک کے تعامل امت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ عاملین زکاۃ کے زکاۃ وصول کرتے ہی مالِ زکاۃ معطی کی ملک سے نکال جاتا ہے (گو حکام کی یہ ذمہ داری پھر بھی رہتی ہے کہ زکاۃ کو ان کے مصارف میں ہی خرچ کریں) کیوں کہ مختلف مالکان کے مال زکاۃ کو الگ الگ رکھنے اور قبل الصرف مالک کی موت کی صورت میں مال ورثاء کو لوٹانے کا رواج نہیں تھا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ مہتمم مدرسہ معطیین زکاۃ کا وکیل بالصرف اور امین محض ہے یا حکومت اسلامیہ کے مقرر کردہ عاملین زکاۃ کے حکم میں ہے؟

اگر پہلی صورت تو مدرسہ میں رقم جمع کرنے سے معطیین کے ملک سے نہیں نکلے گی اور وہ تمام مشکلات پیش آئیں گی جو اوپر مذکور ہوئیں، اور اگر عاملین کے حکم میں تو مہتمم یا اس کے کسی کارندے کے وصول کرنے سے مالِ زکاۃ کی ملک سے نکل جائے گا اور مذکورہ بالا مشکلات میں سے بیشتر مشکلات پیش نہیں آئیں گی، البتہ مصارف زکاۃ میں خرچ کرنے کی اہم ترین ذمہ داری باقی رہے گی۔

حضرت حکیم الامت مجدد تھانوی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی سید عبد الکریم گمتھلوی صاحب رحمہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے یہی تھی کہ مہتمم عاملین کے حکم میں نہیں؛ بلکہ امین محض ہے۔

امداد الأحکام میں حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب کا فتوی ہے، جس میں مدارس کے مالی امور پر سوالات کے جوابات ہیں، اور اس فتوے پر مولانا ظفر أحمد عثمانی رحمہ اللہ کی بھی تصدیق ہے۔

البتہ ابو حنیفہ وقت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ اور فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ علیہ کا فتوی یہ ہے کہ مہتمم حکومت اسلامیہ کے مقرر کردہ عاملین کے حکم میں ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "إمامة التشکیک فی إناطة الزکاة بالتملیک" میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ والا موقف اختیار کیا تھا، بعد میں حضرت مفتی صاحب نے رجوع فرما کر حضرت گنگوہی وحضرت سہارنپوری رحمہما اللہ والا موقف اختیار کرلیا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تملیک زکاۃ کے مسئلہ سے متعلق میرا رسالہ جو سن ۱۳٦۱ھ لکھا گیا تھا.........اس میں مہتممین مدرسہ کا حکم عاملین صدقہ کے حکم سے مختلف اسی شبہ کی بنیاد پر لکھا گیا تھا، جو خود سیدی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ کا وہ شبہ رفع ہوگیا اور اسی حکم پر مطمئن ہوگئے جو حضرت ممدوح نے لکھا تھا"۔(۱)

حضرت گنگوہی حضرت سہارنپوری اور حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہم اللہ کی ان تصریحات کے بعد راجح یہ ہے کہ مہتمم عاملین صدقہ کے حکم میں ہے، مہتمم یا اس کے کارندے کے وصول کرنے سے مال مالک کی ملکیت سے نکال جائے گا، مالک کی ملکیت سے نکالنے کے لئے تملیک کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جن حضرات کے نزدیک مہتمم عاملین کے حکم میں نہیں ہے، ان کے نزدیک صرف معطیین کا وکیل بالداء فی المصارف المخصوصہ ہے اور جو حضرات مہتمم کو عاملین کے حکم میں مانتے ہیں ان کا وصول کرنا فقراء کا ہی وصول کرنا ہے۔

اس لئے مہتمم یا اس کے کارندے کے وصول کرنے سے ہی مالِ زکاۃ معطیین کی ملک سے نکل جائے گا۔(۲)

---

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند، امداد المفتیین: ۱۰۸۵، کتاب المتفرقات، رسالۃ "إماطۃ التشکیک فی إناطۃ الزکاۃ بالتملیک" مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی۔

(۲) حیلہ تملیک سے متعلق تحقیق، مفتی غفران، ادارہ غفران راولپنڈی۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب مہتمم کا وصول کرنا فقراء کا وصول کرنا ہے تو پھر تملیک کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، اس کا جواب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے امداد الفتاوی جواب نمبر ۱۳ جلد ۲/ ۱۷ کے قلمی حاشیہ میں میں دیا ہے:

''بعد کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ متولی مدرسہ وناظم معطیین کے وکیل نہیں ہوتے؛ بلکہ معطی لھم کے وکیل ہوتے ہیں، تو ناظم ومتولی کا قبضہ طلبہ ہی کا قبضہ شمار ہوگا اوران کے قبضہ کرنے سے زکاۃ معطیین کی ادا ہوجائے گی؛ لیکن یہ صرف وکیل بالقبض ہیں نہ کہ وکیل بالصرف اور یہ توکیل عملی ہے یا اقتضائی؛ لہٰذا متولی وغیرہ کے لئے ضروری یہ ہوا کہ اس مال کو معطی لھم تک پہنچائیں یا ان کی مرضی سے صرف کریں یا ان کے مصارف میں استعمال کریں۔

۲۔تملیک کی دوسری ضرورت کا حل

مال زکاۃ وصدقات واجبہ مدرسہ کی ملک میں آنے کے باوجود اس مال کو مصارف زکاۃ میں خرچ کرنا ضروری ہے، کبھی بلکہ عموماً مدارس میں اموال زکاۃ کو غیر مصارف میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، جس کے لئے حلیہ تملیک کی ضرورت پڑتی ہے۔

فقہاء کی عبارات اور اکابر کے تعامل سے اس کی چار صورتیں سمجھ میں آتی ہیں:

ان چار صورتوں میں سے ہر ایک صورت کی بحث الگ الگ جاتی ہے تاکہ منافع ومفاسد معلوم ہوکر احوط صورت کی تعیین ہوسکے۔

۱۔حلیۂ تملیک کی پہلی صورت (فقیر کو دے کر مدرسہ کے لئے لینا)

تملیک کا معروف حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو مال زکاۃ دے دیا جائے اور اسے کہا جائے کہ اس مال کے آپ مالک ہیں، آپ اپنی طرف سے اسے فلاں کار خیر میں صرف کریں۔

عموماً یہ لین ودین صرف ہزل اور مذاق ہوتا ہے، تملیک وتملک مقصود نہیں ہوتا۔ فقیر اس کو اپنی کسی ضرورت یا مرضی میں کچھ بھی خرچ نہیں کرسکتا، اس میں تملیک کہاں ہوئی۔

۲۔حلیۂ تملیک کی دوسری صورت: (فقیر کا قرض لے کر عطیہ کرنا)

تملیک کی ایک صورت حضرت تھانوی رحمہ الہ نے لکھی ہے جس کی تفصیل حضرت ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

''اگر کہیں ایسے ہی موقع پر زکاۃ سے امداد کرنے کی ضرورت ہو، اس کی ایک اور تدبیر جو کہ بالکل قواعد کے مطابق ہے یہ ہے کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جائے کہ تم دس روپیئے مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں سید کو دے دو، یا فلاں مسجد ومدرسہ میں دے دو، ہم تمہاری اعانت اداءِ قرض میں کرائیں گے، جب وہ مسکین وہاں دے دے، تم اس مسکین کو دس روپیئے زکاۃ میں دے دو، پھر اس سے اس کا قرض خواہ وصول کر لے گا، اس میں مسکین کو دینا بھی حقیقتاً ہوا اور اس مسکین پر صدقہ دینے میں جبر بھی نہ ہوا، کیوں کہ وہ آزاد ہے خواہ قبول کرے یا نہ کرے بخلاف حلیہ تملیک کہ اگر وہ مسکین موافق تعلیم کے نہ دے تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہو جائے، اور ہر چند کہ بعد مل جانے اس روپیہ کے قرض خواہ اس سے جبراً لے سکتا ہے، مگر قرض تو حق واجب عبد کا ہے، اور اس میں جبر جائز ہے، اور چونکہ وہ روپیہ حقیقتاً اس فقیر کا ہو گیا، اس لئے اس کو جبراً اپنے قرض میں لے لینا سہل ہے، جیسے اس مسکین کے پاس خاص اس کا مکسوبہ ہوتا اور اس کو جبراً لینا جائز ہوتا''۔(۱)

کثرت استعمال سے اس صورت میں بھی ہزل اور مذاق محسوس ہونے لگا، اس امر ذوقی کی تعبیر تو مشکل ہے، لیکن کسی درجہ میں اس احساس کو الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ ہزل کے اس شائبہ سے بچنے کے لئے صورت یہ ہے کہ مسکین اپنے حلقہ واقفیت سے قرض لے کر اور مدرسہ کا تعاون کرے، دوسری مجلس میں مہتمم صاحب اسے مال زکاۃ دے دیں اور اس حیلہ کو احیاناً استعمال کیا جائے۔

---

(۱) اصلاح انقلاب امت حصہ اول: ۱۵۰

۳۔حیلہ تملیک کی تیسری صورت: (مستحق طلباء کو نقدی دے کر اخراجات وصول کرنا)

تیسری صورت یہ ہے کہ مستحق زکاۃ طلباء کو کثیر نقد رقم دے کر ان سے اخراجات وصول کر لئے جائیں، مستحق کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ جس جگہ بیٹھ کر بڑے طلباء کو وظیفہ دیا جائے وہاں جلی حروف میں لکھ کر لٹکا دیا جائے کہ ''یہاں زکاۃ اور صدقات واجبہ کے مال سے مدرسہ ہذا کے طلبہ کو وظائف دیئے جاتے ہیں'' اس طرح کی پہچان کے لئے زیادہ چھان بین کی ضرورت نہیں، غیر مستحق ہونے کی صورت میں وضاحت کرنا خود طالب علم کا کام ہوگا، چھوٹے طلباء سے تحقیق کا طریقہ یہ ہو کہ ایک فارم پر نابالغ کے مستحق زکاۃ ہونے یا نہ ہونے کا ضابطہ شرعیہ لکھ کر والد سے دریافت کرلیا جائے کہ اس ضابطہ کے مطابق آپ کا بچہ زکاۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟ اس صورت میں نقد تو بچوں کو دیئے جاسکتے ہیں، آٹا، چاول وغیرہ اشیاء ان اجناس کو طلباء کو دینے میں مشقت ہے؟

اس صورت میں کھانے کی قیمت وصول کرنے کی تین صورتیں:

طلباء سے کھانے کی قیمت وصول کرنے کی تین صورتیں ہیں:

۱) طلباء سے آنے والے ماہ کے کھانے کے انتظام کے لئے رقم وصول کر کے ان کی طرف سے منتظمین مدرسہ کھانے کے انتظام کے لئے رقوم وصول کر کے ان کی طرف سے منتظمین مدرسہ کھانے کا انتظام کریں۔

۲) مدرسہ میں آئے ہوئے عطیات کی رقم سے کھانا تیار کر کے طلباء کو فروخت کیا جائے۔

پہلی صورت میں مطبخ کے انتظامات میں طلباء اصیل ہوں گے اور اہل مدرسہ وکیل ہوں گے، مطبخ کے انتظامات میں طلباء کو دخل دینے کا حق ہوگا اور کھانے کی لاگت کا حساب کر کے بقایا رقم واپس کرنی ہوگی۔

دوسری صورت میں طلباء تیار شدہ کھانے کی خریدار ہوں گے اور اور امور مطبخ میں دخل دینے کا حق نہ ہوگا اور منافع کے ساتھ بھی فروخت کیا جاسکے گا۔

۳) طلباء سے کھانے کی قیمت وصول کرنے کی ایک بے غبار تیسری صورت یہ ہے کہ طلباء

سے کھانے کی قیمت بطور فیس وصول کی جائے اور اس مقصد کے لئے مد زکاۃ وغیرہ میں سے ان کا ماہانہ وظیفہ بڑھا دیا جائے۔

اس طرح وظیفہ میں زکاۃ وغیرہ بے غبار ادا ہوگی اور پھر طلباء سے بطور فیس وصول ہو کر مدرسہ کی ملک ہوگی (کراچی میں جامعۃ الاسلامیہ نیوٹاؤن میں تقریبا اسی صورت پر عمل ہوتا ہے)۔(۱)

اور دراصل یہ بھی تملیک کا ایک مناسب طریقہ ہے، جس کو متعدد اہل علم نے اختیار فرمایا ہے، چنانچہ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں:

''مہتمم ہر مستحق طالب علم کا ہانہ وظیفہ مقرر کردے، اور یہ وظیفہ اس کو پکڑا بھی دیا جائے تو اس میں سے کچھ رقم چھوڑ کر (کہ طالب کے ناشتے اور بعض دیگر ضروریات کے لئے ہو) باقی رقم قیام، طعام اور تعلیم کے اخراجات کی مد میں اس سے لے لی جائے مثلا چار زار روپیئے اس کو دیے، اور اس میں سے تین ہزار روپیئے اس سے مذکورہ اخراجات کے لئے لئے، اس طریقے سے طعام کے اخراجات تو واضح ہیں، قیام کے اخراجات میں سے بجلی، گیس، پانی، مدرسے کے خدمتی عملے کی تنخواہیں (بشمول ان کی رہائش) مدرسے کی تعمیر و مرمت کے خرچے نکالے جاسکتے ہیں، تعلیم کے اخراجات میں سے اساتذہ کی تنخواہیں اور ان کی رہائش کے خرچے ارو درسی کتابوں کے اخراجات نکالے جاسکتے ہیں، اس کے بعد صرف چند ہی اخراجات رہ جاتے ہیں، مثلا مدرسے کی تشہیر، یا درسی کتابیں اور اکرام ضیوف وغیرہ تو ان کے لئے غیر زکاۃ فنڈ میں موصول ہونے والے چندوں سے کام نکالا جائے۔(۲)

۴۔ حیلۂ تملیک کی چوتھی صورت (طلباء کا مہتمم کو وصول اور خرچ کا وکیل بنانا)

تمام مستحق زکاۃ طلبا (یعنی بالغ فقیر، غیر بنو ہاشم یا نابالغ سمجھدار جن کا والد اور وہ خود فقیر ہوں) مہتمم صاحب کو زکاۃ وصدقاتِ واجبہ وصول کرنے اور مصارفِ مدرسہ میں خرچ

(۱) بندہ عبدالرؤف سکھروی، جامعہ دارالعلوم کراچی

(۲) فقہی مضامین: ۲۷۶، ۲۷۷، تاریخ اشاعت: ۲۰۰۶ء

کرنے کا اپنی طرف سے وکیل بنادیں۔

فقہائے کرام نے مسکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے زکاۃ کی رقم وصول کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے، اور وکیل بن جانے کے بعد وہ دوسرا شخص مسکین کی اجازت سے اس کا قرض بھی ادا کرسکتا ہے، اور دوسرا تصرف بھی کرسکتا ہے۔(۱)

وحیله أخری أن یقول الطالب للمطلوب من الابتداء ، وکل أحدا من خدمی لیقبض لك زکاة مالی، ثم وکله بقضاء دینك، فإذا قبض الوکیل یصیر المقبوض ملکا لمؤکله وهم المدیون، والوکیل بالقبض وکیل بقضاء دینه، فیقضی دینه من هذا المال وکالته"(۲)

اس صورت میں مہتمم صاحب کے زکاۃ وصدقات واجبہ وصول کرتے ہی معطی کی ملک سے نکل کر متعین طلباء کی ملک میں آجائے گی، اس صریح توکیل سے پہلے مہتمم صاحب غیر معلوم الکمیت والکیفیت طلباء کے وکیل تھے، جس سے مہتمم صاحب کے وصول کرنے سے زکاۃ معطیین کی ملک سے نکل جاتی تھی، لیکن متعین طلباء کی ملک میں نہیں آتی تھی، طلباء کا زکاۃ دینے تک تملیک کا فریضہ مہتمم صاحب کے ذمہ رہتا تھا، مستحق زکاۃ طلباء کی طرف سے صراحتا توکیل کے بعد مہتمم صاحب کے زکاۃ وصول کرنے سے طلباء مالک ہوجائیں گے، زکاۃ میں جو تملیک ضروری ہے وہ فریضہ بھی پورا ہوجائے گا۔

اس لئے چوتھی صورت میں بہتر یہ ہے کہ طلباء مہتمم صاحب کو صرف وکیل بالاخذ نہ بنائیں؛ بلکہ مہتمم صاحب کو اس چیز کا بھی وکیل بنائیں کہ وہ زکاۃ وصول کر کے طلباء کی طرف سے مدرسہ کو عطیہ دیدیں، چنانچہ دارالعلوم کراچی کے عربی داخلہ فارم کی عبارت یہ ہے:

"اخیّر رئیس دار العلوم ونائبه أن یستلم أموال الزکاة

---

(۱) کذا فی احسن الفتاوی: ۲۶۰/۴، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید، کمپنی، کراچی

(۲) عالمگیری: ۳۹۲/۶

والصدقات الواجبة وكيلا منی ثم ينفقها فی مصارف الطلبة
أو يجعلها وقفا علی دار العلوم"

اردو والے فارم کی عبارت اس طرح ہے:

''تا قیام دارالعلوم میری طرف سے صدر دارالعلوم کراچی کو یا جس کو وہ اجازت دیں اس کا اختیار ہوگا کہ وہ زکاۃ وغیرہ کی رقم یا اشیاء وصول کر کے طلباء کی ضروریات طعام وقیام وتعلیم وغیرہ میں حسب صوابدید خرچ کریں یا دارالعلوم کو وقف کریں''(۱)

مگر اس فرم پر وہی طلبہ دستخط کریں جو مذکورہ تفصیل کے مطابق مستحق ہوں۔

اس طرح روز کے روز اموالِ زکاۃ وصدقاتِ واجبہ عطیات سے تبدیل ہوتے رہیں گے، طلباء کی ملک میں آنے اور مہتمم صاحب کے مدرسہ کو عطیہ کرنے کے بعد ان کی ملک سے نکلتے رہیں گے اور کسی طالب علم کو مطالبے کا حق نہیں رہے گا، اور ان کی ملک میں مال جمع نہ ہونے کی وجہ سے کوئی طالب علم غنی نہیں ہوگا۔

نیز طالب علم کے فوت ہوجانے کے بعد مدرسہ میں جمع شدہ رقم سے اس کے ترکہ کا کوئی تعلق نہ ہوگا، اور طالب علم کے مدرسہ چھوڑ کر چلے جانے سے بھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوگا؛ لیکن اس صورت میں مہتمم صاحب کے لئے لازم ہے کہ وہ مدرسہ کو عمومی اخراجات کی نیت کے ساتھ مالِ زکاۃ وصدقاتِ واجبہ ہبہ وعطیہ کرتے رہیں۔(۲

مدارس میں جمع شدہ رقم پر زکاۃ

وجوب زکاۃ کی جو شرط یہاں زیر بحث آئی ہے یعنی ''ملک'' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مال کا کوئی متعین مالک نہ ہو جیسے مدارس اداروں میں جمع شدہ رقوم ان پر بھی زکوۃ نہیں ہے۔

---

(۱) حیلہ تملیک کے متعلق تحقیق: ۱۶۹، مفتی غفران صاحب، ادارہ غفران راولپنڈی

(۲) حاشیہ فتاوی دارالعلوم: ۵/ ۱۲۵/ ۱۲

علامہ یوسف القرضاوی نے ''فقہ الزکاۃ'' میں لکھا ہے کہ ایسا مال جس کا کوئی متعین مالک نہ ہو اس پر زکاۃ نہیں، مثلاً حکومت زکاۃ اور ٹیکس وغیرہ سے جو مال حاصل کرتی ہے، اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس مال کا کوئی متعین مالک نہیں ہے؛ بلکہ یہ مال تمام امت کی ملکیت ہے۔(۱)

اور بعض علماء نے رقوم مدرسہ وادارہ پر زکوۃ کے عدم وجوب کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ رقم صدقات واجبہ کی ہے تو اس لئے اس پر زکاۃ نہیں کہ اگر یہ رقم اصل مالک کے پاس ہی ہوتی اور وہ چندہ میں نہ دیا ہوتا تو تب بھی اس پر زکاۃ نہیں ہے، کیوں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زکاۃ اگر نہ دیا تو آئندہ سال کی زکاۃ کی مقدار وضع کر کے باقی مال پر زکاۃ واجب ہوگی (۲) اور اگر وہ رقم مدعطیہ کی ہو تو مہتمم کی تحویل میں دینے کے بعد چونکہ وہ معطی کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر بھی زکاۃ ہے اور یہ بمنزلہ غلۃ الوقف ہے۔(۳)

---

(۱) فقہ الزکاۃ: ۱/۱۷۶

(۲) احسن الفتاویٰ: ۱/۴۳۱-۴۳۲

(۳) احکام زکاۃ اور جدید حالات: ۱۳۱، مفتی شعیب اللہ خان صاحب)

مدرسہ کے اخراجات

پہلا مؤثر طریقہ کار توفیس کے وصول کرنے کا نظام ہے کہ تمام اخراجات مدرسہ کو (تعمیرات کے علاوہ) تمام طلبہ پر تقسیم کر دیا، اور وہی مقدار فیس قرار پائے، پھر اگر طالب علم یا اس کے سرپرست اس فیس کو ادا ہی نہیں کر سکتے ہیں یا کچھ کم ادا کر سکتے ہیں تو اچھی طرح شرعی مسئلہ سمجھائیں یا یہ کہ زکاۃ کی وصولی کے مستحق ہونے نہ ہونے کا اندازہ کر لیا جائے، کوشش اور ذہن سازی تو یہ ہونی ہی چاہیے، کہ وہ مکمل فیس ادا کریں ورنہ باقی رقم مدرسہ عطیہ، صدقہ نافلہ کی مد سے (اگر وہ زکوۃ کے مستحق نہیں ہیں) یا زکوۃ کی مد سے پوری کر لی جائے، دوسرے ذریعہ آمدنی فدیہ، زکوۃ، صدقہ فطر، کفارات، وغیرہ ہو سکتے ہیں، جس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

مفت تعلیم، رہائش اور طعام

بلا شبہ مسلم دنیا میں شروع ہی سے تعلیم مفت رہی ہے، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تعلیم کی مفت فراہمی کوئی شرعی حکم ہے، دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اور پھر اس کے بعد بھی طالب علموں سے فیس وصول کر کے پڑھانے کا طریقہ جزئی (partial) طور پر رائج تھا- اس ٹیوشن فیس کی شرح کا تعین، استاد شاگرد کی باہمی رضامندی سے ہوتا تھا۔ زجاج نے لکھا ہے کہ ابوالعباس مبرد، لوگوں کو مفت تعلیم نہیں دیتا تھا۔ تاہم مسلمان ماہرین تعلیم اور علمائے کرام کے مابین متعدد فقہی اختلافات کی طرح یہ بھی مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے۔ بعض نے اسے مباح سمجھا، کچھ نے اس سے روگردانی کی۔ بعض علماء نے فیس لینے میں اس حد تک اجتناب کیا کہ خلفاء کے ہدایا اور بادشاہوں کے عطیات تک قبول کرنے کو برا سمجھا۔ وہ حضرات جنھوں نے تعلیم کا معاوضہ لینا حرام سمجھا، ان میں امام غزالیؒ بھی تھے۔ مگر بعد ازاں امام غزالیؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم، میں کسی حد تک توازن اور اعتدال پیدا کر لیا تھا، اور اس بات کو جائز قرار دیا تھا کہ: طلبہ اور معلم، مدارس کی طرف سے جاری کردہ تنخواہوں اور وظائف سے اس حد تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ وہ اپنی ضرورت پوری کر سکیں۔ معلم کو معاشی لحاظ سے آسودہ خاطر ہونا چاہیے، مگر اپنا مطلوب و مقصود علم ہی کو قرار دینا چاہیے۔(۱)

اس لئے اس میں کسی ایک لگے بندھے طریقے پر اصرار یا صرف سو فی صد مفت تعلیمی سرگرمی ہی کو اسلامی طریقہ سمجھنا اور کہنا صحیح نہیں ہے، جب، جس جگہ اور پیش آمدہ حالات میں جو طریقہ مقصد کے حصول کے لئے مناسب نظر آئے اسے اختیار کیا جائے۔

تعلیم و تدریس کے مصارف میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، طریق تدریس میں عصری

(۱) امام غزالیؒ، فاتحہ العلوم، ص ۱۵، بحوالہ اسلامی جامعات، ص ۳۲۰

تقاضوں کے مطابق ایسی تبدیلیاں لانا پیش نظر ہو کہ جس سے طالب علموں میں جستجو، نئی دریافت کا حوصلہ، تحقیق کا ذوق اور تخلیق کی صلاحیت پروان چڑھائی جائے تو لازمی بات ہے کہ اخراجات بڑھیں گے، اساتذہ کو بہتر تنخواہیں دینا ہوں گی، تاکہ وہ وقار اور دلجمعی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں، خود اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اندرون و بیرون ملک سے عطیات اور اعانتوں کا سلسلہ بھی حالات کے تناظر میں کم پڑ جائے گا۔

عام تعلیم کے لئے اگر صرف صاحب ثروت ہی نہیں؛ بلکہ وسائل والدین بھی اپنے بچوں کی تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات برداشت کرتے ہیں تو پھر دینی تعلیم وتربیت جیسی قیمتی چیز کی یکسر مفت فراہمی پر کیوں زور دیا جائے اس مقصد کے لئے کم از کم صاحب استطاعت والدین سے ضروری فیس لینی چاہئے، کچھ طلبہ سے آدھی فیس لی جائے، اور جو نہ دے سکیں انہیں مستثنیٰ قرار دیا جائے۔(۱)

مدارس کے مالیات کے یہ ذرائع ہو سکتے ہیں، جن میں زکاۃ، صدقات، چرم قربانی، صدقہ فطر اور دیگر فدیوں وغیرہ سے مدارس کے مالیات کا انتظام ہوسکتا ہے، جب کہ اس کو اس کے مستحق طلباء اور مستحق مصارف میں یا تملیک کے ذرائع وغیرہ کے ذریعہ استعمال کیا جائے۔

دینی مدارس میں انحطاط کی وجہ

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی فرماتے ہیں:

دینی مدارس تو بہت زیادہ قابل رحم ہیں، ان میں روحانیت کی بیحد ضرورت ہے، پہلے زمانہ میں جب دورہ شروع کرتے تھے تو بسا اوقات ان پر آثار ذکر ظاہر ہوتے تھے، اور نسبت کامل ہوجاتی تھی، اب انحطاط کی وجہ سے نہ علوم میں انہماک ہے نہ اعمالِ صالحہ کی طرف التفات، اللہ تعالی رحم فرمائے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جیسی غذا پہنچتی ہے، ویسے ہی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

---

(۱) دینی مدارس میں تعلیم: کیفیت، مسائل، امکانات

دینی مدارس میں جیسا پیسہ آتا ہے، وہ آپ جانتے ہیں، اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ جس کو نہ آدمی خود کھا سکتا ہے، نہ اہل وعیال کو کھلا سکتا ہے،، وہ پیسہ مدارس میں آتا ہے وہی اساتذہ کو تنخواہ میں ملتا ہے، وہی طلبہ کو وظائف میں ملتا ہے، انسان کے بدن میں جو چیز سب سے پہلے آتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے، حرام روزی جب پیٹ میں پہنچے گی اور اس سے خون تیار ہوگا وہی قلب وجگر اور دماغ میں پہنچے گا ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے، پاکیزہ مال کھایا جائے تو اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو "کلوا من الطیبات واعملوا صالحا" اللہ پاک حلال روزی دے۔(۱)

۱)زکوۃ

صدقات فرض وواجب کو زکاۃ کہتے ہیں:

صدقات فرض حسب ذیل ہیں:

(۱) عشر کی ادائیگی، کھیت یا باغ کی پیداوار سے پانی بلا قیمت، بلا محنت ہو، محض بارش یا زمین کی نمی سے ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ یعنی عشر دینا فرض ہے، اور اگر پانی قیمت یا محنت یا دونوں سے ہو جیسے نہر کا پانی، ٹیوب ویل کا بڑے ڈول یا بیلچہ سے دیا ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ دینا فرض ہے جو کچھ بھی پیدا ہو غلہ وغیرہ میں سے۔

(۲) زیور کی زکوۃ: سونے چاندی اور نقد رقم میں سے چالیسواں حصہ دینا فرض ہے۔

(۳) جانوروں کی زکوۃ: اسی طرح وہ جانور جو خود رو گھاس کھا کر پرورش پائیں اور محض اون گوشت یا دودھ کے لئے پالے جائیں، اونٹ، بکری، گائیں وغیرہ تو ان میں ان کے قاعدے کے مطابق زکاۃ دینا فرض ہے، تجارتی مال پر بھی چالیسواں حصہ زکوۃ دینا فرض ہے۔

۲)صدقہ واجبہ

صدقات واجبہ جیسے فطرہ، فدیہ، کفارہ، قربانی کی کھال کی قیمت اور نذر ومنت۔

(۱) تربیت الطالبین، ما یتعلق بالمدارس: ۲۶۱، جامعہ محمودیہ نوگزہ، علی پور، ہاپوڑ، میرٹھ، یوپی

۳) چرمِ قربانی

چرم قربانی بعینہ اپنے یا غیر کے استعمال میں لائی جاسکتی ہے اور صدقہ بھی کی جاسکتی ہے لیکن جب اسے فروخت کر دیا جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے، اور مدارس کے نادار بچے بہر صورت اس صدقہ کا بہترین مصرف ہیں، تاہم اس کی وصولیابی کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اہلِ مدارس کی حیثیت عرفی مجروح ہو یا آپس میں رسہ کشی کی کیفیت ہو نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ جن مدارس میں طلباء کا قیام نہیں وہاں چرم قربانی کا استعمال درست، اس لئے کہ اس کو غرباء اور مساکین اور نادار طلباء پر صرف کرنا ہے نہ کہ مدرسہ کی ضروریات کے لئے:

"ویتصدق بجلدها ... فإن بیع اللحم أو الجلد به أی بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه"(۱)

مدرسین کا چرمِ قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم

قربانی کے موقع پر چرم قربانی کی وصولی مدرسین کے ذمہ لازم نہیں ہوتی ہے، اور یہ ایام چھٹی کے ہوتے ہیں اور جب چھٹی کے ایام میں مدرسین اپنی چھٹیوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے چرم قربانی کی وصولی پر محنت کریں تو ان کو فی چرم دس روپیہ یا پندرہ روپیہ محنتانہ کے طور لینا جائز اور درست ہے، اس لئے کہ اس محنت کا تعلق تنخواہ سے نہیں۔ وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتين (۲)

یاد رکھیں کہ قربانی کا چمڑا وصول کرنے میں دوسرے مدرسوں سے چپقلش یا عوام الناس کے درمیان اپنی تذلیل وتحقیر ہرگز نہیں کرنی چاہئے، نمازیں ہرگز قضا نہ کریں، صفائی کا بطور خاص اہتمام فرمائیں، جہاں وصول کر کے جمع کریں یا خود مدارس میں جب ذبح کا انتظام ہو تو ضرور مکمل اچھے سے اچھے انداز میں صاف بھی کریں، قربانی اور چمڑا وصول کرنے کی نیکی ایذاء مسلم اور گندگی پھیلا کر اسے گناہ نہ بنائیں۔

---

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۹/ ۴۷۵، بحوالہ کتاب النوازل: ۱۴/ ۶۰۹

(۲) درمختار: کتاب الاجارۃ، زکریا: ۹/ ۷

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے: "یجوز أن یطعم من الأضحیة کافرا" (۱) قربانی کا گوشت کافر کو کھلانا جائز ہے۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں: " وللمضحی أن یهب کل ذلک أو یتصدق به أو یهدیه لغنی أو فقیر مسلم أو کافر" (۲) قربانی دینے والا اس کو دے سکتا ہے، صدقہ کرسکتا ہے، یا کسی فقیر، مسلم یا کافر کو ہدیہ کرسکتا ہے۔

اس زمانے میں اڑوس پڑوس کے غیر مسلم برادران وطن سے صلہ رحمی، ودلجوئی اور اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرنے کا اچھا موقع ہے کہ جس جانور کا (جیسے بکری، بیل، بھینس) جس کا وہ گوشت پسند کرتے ہوں انہیں ضرور تقسیم کیا جائے، عیسائیت زدہ، قادیانیت سے متأثرہ علاقوں تک ضرور پہنچایا جائے۔

۴) فدیہ، کفارات

فدیہ میں صدقہ فطر داخل ہے۔

اس کے علاوہ سب سے بڑا فدیہ نماز کا ہے، کیوں کہ نمازیں دن کی چھ ہیں، پانچ فرض اور وتر واجب اور ہر نماز کا فدیہ پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت ہے، چھ نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس کلو گندم یا اس کی قیمت ہوئی اور مہینہ کے احتیاطا تیس دن کے ۳۱۵ (تین سو پندرہ) کلو گویا سات من پینتیس کلو گیہوں بنے، پھر اس کو بارہ ماہ کے لئے بارہ سے ضرب دیں تو ۸۸ من ۲۰ کلو گیہوں ہوتے ہیں، یہ صرف ایک سال کے نمازوں کا فدیہ ہے۔

اب جتنے سال کی نمازیں رہ گئیں ہوں ان کو اتنے سے ضرب دے کر معلوم کیجئے کہ کتنے من گیہوں اور کتنے لاکھ روپیئے بنتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کثیر رقم کو ادا کریں یا ہر مرد و عورت اپنی نمازوں کی قضا کریں۔

---

(۱) إعلاء السنن: ۷/۲۸۸، کراچی

(۲) إعلاء السنن / باب بیع جلد الأضحیة: ۱۷/ ۲۶۲، إدارة القرآن، کراچی

روزے کا فدیہ اس سے کم ہوگا، لیکن نمازوں کے ساتھ مل کر تو وہ بھی بہت ہو جائے گا۔

سجدہ تلاوت کا فدیہ

سجدہ تلاوت کا فدیہ بعض فقہاء کے یہاں ایک سجدہ کا فدیہ پونے دوکلو گیہوں ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کو زندگی میں خود ہی ادا کریں۔

کفارہ: بعض جملے یا بعض کام اس قسم کے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کا ارتکاب کرے تو اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس پر کچھ جرمانہ عائد ہوتا ہے، جس کو کفارہ کہتے ہیں، جس کی ادائیگی فرض ہے، اگر اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو اس کی وصیت کرنا ضروری ہے، اور تہائی مال سے اول ان کی ادائیگی کی جائے، پھر ترکہ تقسیم کریں، اگر وصیت نہیں کی تو ضروری تو نہیں لیکن ورثہ کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے اب ادا کردیں؛ تاکہ وہ عذاب آخرت سے بچ سکیں۔

الف: کفارہ قسم، یعنی اگر کسی نے قسم کھائی تھی کہ ایسا کروں گا، پھر نہیں کیا تو قسم کا کفارہ فرض ہے کہ دس غریبوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں، اس کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھیں۔

ب: جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ: اگر فرض روزہ میں قصداً صحبت کرلی یا کچھ جان بوجھ کر کھا پی لیا تو رزہ ٹوٹ گیا، اس پر کفارہ واجب ہے، یعنی ساٹھ روزے مسلسل رکھے، اگر بہت کمزوری ہے یا بیماری کی وجہ سے مسلسل روزہ نہ رکھ سکیں تو ساٹھ غریبوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں، اگر ایسا ہوگیا ہو اور وہ ادا نہ ہوا ہو تو وارثوں کو اپنے اعزہ کو عذاب سے بچانے کے لئے ان کی طرف سے ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلانا ہے۔(۱)

اس لئے فتاوی محمودیہ میں ہے کہ ان تمام زکاۃ، صدقات اور چرم قربانی، فدیہ اور کفارے وغیرہ کی رقم کو مدرسہ کے مستحق طلباء کو دی جاسکتی ہے۔

---

(۱) فدیہ وقضا: ۸۔۱۷، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب:، انجمن احیاء السنۃ لاہور

مہتمم مدرسہ مستحق طلبہ کی طرف سے حکما قبضہ کا وکیل ہوتا ہے؛ لہٰذا مدرسہ کے فنڈ میں فدیہ یا صدقات کی رقم آتے ہی معطی کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، بریں بنا اگر اس رقم کو طلبہ کے درمیان تقسیم کرنے میں بالفرض فدیہ کی مقدار میں کمی بیشی ہوجائے تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں، اور بیک وقت متعدد فدیوں کی رقم ایک فقیر کو دینا بہر حال جائز ہے، اس سے تمام فدیہ دہندگان کا فدیہ ادا ہوجاتا ہے۔(۱) "یجوز إعطاء فدیة صلوات وصیام أیام ونحوها لواحد من الفقراء جملة" (۲)

۵) اوقاف

اوقاف کے مصرف مدارس شروع سے رہے ہیں، جس کا رواج آج کل نہیں رہا، حالانکہ یہ مدارس کی مالیات کے استحکام کا بہترین اور مستقل ذریعہ ہے، تاریخ میں مدارس دینیہ استحکام کے لئے یہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے، تاریخ ملاحظہ کیجئے:

بے شمار مدرسے بھی جن پر بڑے بڑے اموال وقف کئے تھے، یہ اوقاف نہ صرف امور دین پر تھے، اس میں بہت سے اوقاف مدارس فقہ، طب، تنظیم وادارت کے تخصص کے مدارس قائم کرنے کے لئے وقف تھے۔ چھوٹی چھوٹی مسجدوں کو بھی مدارس سے ملحق کر دیا گیا تھا۔

سبکی کہتے ہیں: وزیر نظام الملک کے دور میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی گئی، یہ مدرسہ کی بنیاد سال (۴۵۷ھ ۱۰۶۴م) کو رکھی گئی اور اس میں تعلیم کی ابتداء سال (۴۵۹ھ ۱۰۶۶م) میں ہوئی۔

نظام الملک نے اس کے علاوہ مدرسہ بغداد، مدرسہ بلغ، مدرسہ نیشاپور، مدرسہ بہرات، مدرسہ اصبہا، مدرسہ بصرہ، مدرسہ مرو، مدرسہ طبرستان، مدرسہ موصل، کی تعمیر کی، بلکہ مورخین کا کہنا ہے کہ اس نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں مدرسہ بنایا۔ ان تمام مدرسوں میں طلباء کو وظیفہ دیا جاتا۔(۳)

(۱) مستفاد فتاوی محمودی: ۱۰/ ۱۷۷، ڈابھیل

(۲) مراقی الفلاح علی الطحطاوی: ۴۳۹۔ ۴۴۰، المکتبة الأشرفیہ، دیوبند، کتاب النوازل: ۱۴/ ۲۱۶۔ ۲۱۷

(۳) طبقات الشافعیہ للسبکی، ۴/ ۳۱۴

نظام الملک کے علاوہ سلاجقی امراء نے بھی علم اور علماء کی قدردانی اور مدارس کے لئے بہت سارے اموال وقف کئے۔

اسی طرح شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کا بھی ایک مدرسہ تھا جس پر بہت سارے اوقاف تھے، ابھی تک بھی یہ مدرسہ قائم ہے اور اسی اوقاف سے مدرسہ کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے (۱) اسی طرح غازی بن سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی قلعہ حلب کے پاس ایک مدرسہ بنایا۔ (۲)

علامہ سیوطی نے مصر کے بہت سارے مدارس جن میں مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ کاملیہ وغیرہ ہیں، مدرسہ صالحیہ کو ملک صالح نجم الدین ایوب بن الملک الکامل نے بنایا، مدرسہ ظاہریہ کو ملک ظاہر بیبرس البندقداری نے اور مدرسہ منصوریہ اور ناصریہ بھی تعمیر کروائے، اسی طرح مدرسہ صرغتمس، مدرسہ سلطان حسن بن الناصر محمد قلاوون وغیرہ مدارس قابل ذکر ہیں، جن کو اس کے دور کے بادشاہوں نے بنایا۔ (۳)

کتب خانے

اسی طرح کتابوں کی طباعت کے لئے کتب خانوں پر بھی اموال وقف کئے جاتے، جس کی وجہ سے عربی اسلامی کتابوں کی طباعت آسان ہوگئی، کاتب اور خطاط ہاتھوں سے کتابوں کو تحریر کرتے جن کی ضروریات کی تکمیل وغیرہ علمی اداروں اور مکتبوں پر وقف اموال سے ہوتی، اسی طرح ان کتب خانوں میں کتابیں بھی وقف کی جاتیں۔

ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سن ۵۰۹ میں اپنی ایک ملکیت کو بیچ کر اس کی قیمت سے کتاب الفنون ابن عقیل اور کتاب الفصول خرید کر اس کو

---

(۱) شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، لابن العماد الحنبلی: ۵/ ۴۵-۴۶

(۲) حوالہ سابق

(۳) أثر الوقف فی نشر التعليم والثقافة: ۳۰۵، الدتور یاسین بن ناصر الخطیب، المجمع الفقهی الاسلامی، رابطہ عالم اسلامی، سعودیہ

مسلمانوں کے لئے وقف کردیا (۱) اس کے علاوہ بے شمار کتب خانے تھے جن سے علماء استفادہ کرتے، ابن جوزی نے سن ۴۸۳ھ۔۱۰۹۰ میں شہر بصرہ کے جل جانے اور اس کی وجہ سے ایک بہت بڑے کتب خانے کے جلنے کا ذکر کیا ہے، جس کی تعمیر چوتھی صدی ہجری میں ہوئی تھیں، ابن الاثیر نے اس حادثہ کے بارے میں مزید لکھا ہے: ان مجموعی جلے ہوئے کتب خانوں میں ایک کتب خانہ وہ تھا جس کو عضد الدولۃ بن بویہ کے زمانہ میں وقف کیا گیا تھا، دوسرا وہ تھا جس کو وزیر منصور شاہ مردان نے وقف کیا تھا، جس میں نہایت نفیس اور قیمتی کتابیں تھی۔(۲)

نہایت معتبر ذرائع سے پتہ چلتا ہے: کہ سابور بن اردشیر نے کرخ بغداد میں سال ۳۸۱ھ۔۹۹۱م) ایک کتب خانہ تعمیر کیا، جو علماء اور باحثین کا مرجع وماوی تھا، جو سن ۴۵۱ھ ۱۰۵۹م میں جل گیا۔

جس میں بے شمار کتابیں جل گئیں۔

اس طرح اہل علم، محبان علم اور امراء نے ہر مدرسہ اور مسجد کے تحت کتب خانے وقف کئے، اس کے علاوہ بھی امراء، وزراء، علماء وغیرہ کے پاس ذاتی کتب خانے ہوتے، جس پر وہ خود اپنی ذات سے خرچ کرتے، یہاں ان کتب خانہ میں ان کے نگران، خزانچی اور خادم ہوتے جو وہاں کے انتظامی کاموں کو انجام دیتے، یہاں افادہ واستفادہ کی مختلف خدمات انجام دیتے، ان کتب خانوں میں اوراق اور روشنائی بھی ہوتی، منظم ہال ہوتے، جس میں مطالعہ کے لئے جگہیں ہوتی، یہاں نسخ وکتابت کا بھی کام ہوتا، ان کتب خانوں میں فہارس ہوتیں، تاکہ کتب خانوں سے کتابیں بآسانی نکالی جاسکیں، یہ فہرستیں بھی نہایت منظم ہوتی، یہاں کی تنظیمی امور کے ذمہ دار اس فہرست سازی کا کام کرتے، مکتبہ نظامیہ کے خزانے میں ایک نہایت دقیق اور باریک فہرست تھی، جس میں مدرسہ نظامیہ میں وقف کردہ کتابوں کو درج کیا گیا تھا، یہ تقریبا چھ جلدوں پر مشتمل تھی، یہاں بھی اس قیمتی کتابوں کے خزینہ کی حفاظت کے لئے نگراں تھے۔

---

(۱) المنتظم لابن الجوزی: ۹/ ۱۸۳ (۲) حوالہ سابق

قطفی نے اخبار العلماء باخبار الحکماء میں یہ ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ناصر الدین عباسی کا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا، جس میں کا بڑا حصہ اس خزانہ دار المسناۃ = جس کو خلیفہ ناصر نے بنایا تھا۔ اور رباط خاتونی کے خزانہ کتب اور مدرسہ نظامیہ کے خزانہ کتب پر وقف کر دیا تھا۔(۱)

ایک کتب خانہ وزیز ابن شاہ مردان کا بصرہ میں تھا، جس کو اس نے طلبہ علم کے لئے وقف کر دیا تھا۔(۲)

اس کے علاوہ پبلک کتب خانے ہوتے، جہاں مدارس، مساجد اور رباطوں پر وقف کی ہوئی کتابیں ہوتی، مدرسوں کے کتب خانے بھی عمومی کتب خانے ہوتے جہاں سے طلبہ، علماء، اساتذہ وغیرہ استفادہ کرتے، اس کے خدمات سے مستفید ہوتے، مدرسہ نظامیہ کے کتب خانہ میں ہر نادر، قیمتی، ہر فن کی تالیفات تھیں، اس کتب خانہ پر اس کی اصلی کتابوں کے علاوہ بہت ساری کتابیں وقف کی گئی تھی،، خلیفہ ناصر نے اپنے خزانہ کتاب خاص سے اس پر وقف کیا تھا۔(۳)

سبکی نے عبدالسلام بن بندار قزوینی متوفی ۴۸۸ھ، کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے نظام الملک کو چار چیزیں بطور ہدیہ دی تھیں، یہ نہایت نادر چیزیں تھیں، جن میں غریب الحدیث ابراہیم حربی جو دس جلدوں پر مشتمل تھی، جس کو نظام الملک نے دار الکتب بغداد کو وقف کر دیا تھا۔(۴)

مورخ محب الدین بن نجار متوفی سن (۶۴۳ھ) نے نظامیہ کے کتب خانے میں ایک ہزار دینار کے مساوی کتابیں وقف کی تھیں، جس کی خلیفہ معتصم نے اجازت دی تھی۔(۵)

---

(۱) اخبار العلماء لابن الجوزی، ۹/۶۶

(۲) المنتظم لابن الجوزی: ۹/ ۱۵۳، الکامل لاثیر: ۸/ ۱۵۳

(۳) الکامل لابن اثیر: ۹/ ۲۲۹، عسیری

(۴) طبقات الشافعیۃ للسبکی: ۳/ ۲۳۰

(۵) البدایہ والنہایۃ لابن کثیر: ۱۲/ ۱۶۶

ابن الجوزی کہتے ہیں کہ: یہ خزانہ کتب چھ ہزار جلدوں پر مشتمل تھا، جو مختلف فنون میں تھا، یہ وہاں کتب خانہ جاتے تھے۔(۱)

مدرسہ ابوحنیفہ کا کتب خانہ جس کی تعمیر شرف الملک، ابومنصور العمید الخوارزمی نے کی تھی، جس کی افتتاح سن ۵۴۹ھ میں ہوئی، یہ بہت ساری نفیس اور قیمتی کتابوں اور مصنفات پر مشتمل تھا جو طلبہ علم کے لئے وقف تھے۔(۲)

اس کتب خانہ کی اہمیت کو بتلانے کے لئے ابن الساعی بغدادی نے اس کی ذمہ داری ضیاء الدین ابوالفضل احمد بن مسعود ترکستانی نے لیا تھا، جس میں انہوں نے یہ کہا: کتب خانہ میں موجود تمام جلدوں کی فہرست سازی کی جائے اور جو چھوٹ گئی ہوں اس کو شامل کیا جائے ، اور خازن اس کی اصلاح کے بعد اس کی نگہداشت کرے، اس کی کوئی بھی کتاب صرف امانتدار اور اس پر رہن دینے والے کو دی جائے (۳) اس کتب خانہ کو مختلف اوقات میں بہت ساری کتابیں وقف کی گئیں، ایک موقع سے اس کتب خانہ کے لئے ایک بڑی مقدار میں کتابیں وقف کی گئیں، جن میں تفسیر کبیر تیس جلدوں میں، اس کو ابو یوسف عبدالسلام بن محمد بن نبدار قزوینی متوفی ۴۸۸ھ نے وقف کیا، یہ طلباء کے لئے وقف تھی، اسی طرح ابن جزلہ طبیب بغدادی متوفی سن ۴۹۳ھ میں اپنے مرض الموت میں اپنے کتب خانہ کے تمام کتابوں کو مدرسہ مشہد الامام ابوحنیفہ کو وقف کیا۔

خطیب بغدادی حافظ احمد بن علی بھی ایک بڑے کتب خانہ کے مالک تھے جس کو انہوں نے مسلمانوں پر وقف کردیا تھا۔(۴)

ابوالحسن محمد بن ہلال الصابی، المقلب بغرس النعمۃ، متوفی سن ۴۸۰ھ، انہوں نے

---

(۱) صید الخاطر لابن الجوزی: ۳۶۶-۳۶۷

(۲) صید الخاطر لابن الجوزی: ۳۶۷

(۳) الجامع المختصر للساعاتی: ۹/۲۳۶

(۴) معجم البلدان یاقوت الحموی: ۱/۲۵۹

شارع ابن ابی عوف میں ایک کتب خانہ بنایا، وہاں چار سو جلدیں وقف کیں، جو مختلف علوم وفنون میں تھیں،، ابن کثیر کہتے ہیں، یہاں غرس النعمۃ کی وقف کردہ کتابوں کی تعداد چار ہزار جلدیں تھیں۔(۱)

اسی طرح مؤرخ ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر فتوح الحمید المغربی اندلسی متوفی ۴۸۸ھ کا ایک خزانہ کتاب تھا جس کو انہوں نے طلبہ پر وقف کیا تھا۔(۲)

جن کتب خانوں کا تاریخ اسلامی میں اہم ثقافتی کردار رہا ہے، یہ وہ کتب خانہ ہے جس کو بنوعمار نے ملک شام کے طرابلس میں وقف کیا تھا، یہ نہایت وسیع وعریض کتب خانہ تھا، یہاں صرف کتابیں لکھنے والوں کی تعداد ۱۸۰ خطاط تھے، یہ رات ودن کام میں مشغول ہوتے، نسخ وکتابت کا کام بالکل نہیں رکتا۔ یہاں ملینوں کتابیں تھیں۔(۳)

اگر ان مساجد، مدارس اور کتب خانوں کی پشت پناہی یہ اوقافی اموال نہ کئے ہوتے تو یہ زمانہ کی دست وبرد کے نذر ہوجاتے، اس لئے بہت سارے علمی ادارے اوقافی اموال کے نہ ہونے سے ختم ہوگئے، مقریزی کا کہنا ہے کہ: بے شمار مدرسے ایسے تھے جن کی تعمیر وتاسیس ہوئی؛ لیکن ان کا تعلیمی سلسلہ اس کے منافع اوقاف کی آمدنی کی شکل میں نہ ہونے کی وجہ سے منقطع ہوگیا۔(۴)

اگر اوقافی جائدادیں نہ ہوتی تو یہ علمی مراکز کا مسابقی علمی میدان نظر نہ آتا، اور یہ مساجد، مدارس اور کتب خانوں کی شکل میں یہ ہل چل نظر نہ آتی، ان مدارس کے چلانے اور کارکنوں کو آگے بڑھانے اور برقرار رکھنے میں ان اوقافی جائیدادوں کا بہت اثر رہا ہے۔

اب اس اوقافی جائداد کو ہر طرح کے مصرف میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۱۲/ ۳۱۶

(۲) المنتظم لابن الجوزی: ۹/ ۹۶

(۳) اثر الوقف فی نشر التعلیم والثقافۃ: ۳۰۷ - ۳۱۳

(۴) الخطط المقریزیۃ للمقریزی: ۲/ ۳۷۴

کتاب النوازل میں ہے:

اوقاف کی زمینوں کو مسلمانوں کے مفاد کے مطابق حسبِ ضرورت مساجد، مدارس، عیدگاہ، اور قبرستان وغیرہ کے لئے استعمال کرنا بلاشبہ درست ہے:

"فیزول ملک الواقف عنه إلی اللّٰه تعالی علی وجه تعود منفعته إلی العباد، فلیزم ولا یباع ولا یوهب ولا یورث"(١)

٦) ہدایا

ہدیہ اور تحفہ کی شکل میں مدارس کو کچھ امداد دی جاتی ہے تو اس کے جواز کے سلسلہ میں تو کوئی شک نہیں، اس کو مدرسہ کی ہر آمدنی میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس کو ہر موقع اور محل میں استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

(١) الہدایۃ: کتاب الوقف ٢/ ٦٤٠، دار المعارف دیوبند، کتاب النوازل: ١٣/ ٥٧، المرکز العلمی للنشر والتوزیع، لال باغ، مراد آباد

مدارس اور نظام مالیات

جامعات و مدارس کا نظامِ مالیات اتنا صاف اور بے غبار ہونا چاہئے کہ ''حق بحقدار رسید'' کا مصداق ہونے کے ساتھ عدل و انصاف اور امانت و دیانت، احتیاط اور صفائی معاملات کا مظہر ہو۔

مدرسہ میں آنے والی رقوم یا کسی بھی قوم کی چیز کے بارے میں تھوڑی سی مراجعت کے بعد پتہ چلایا جاسکتا ہو کہ وہ کب آئی، کس مقدار میں آئی، کس مصرف کے لئے آئی؟ کہاں اور کن اصولوں کے تحت استعمال کی گئی، یا صرف کی گئی، صرف کرنے یا استعمال کرنے کے بعد بچی یا نہیں؟ اگر بچی تو کس مقدار میں؟

جامعات و مدارس کے نظام مالیات کی نسبت سے دو عنوان اہمیت رکھتے ہیں:

آمدنی　　　مصارف

آمدنی

اس عنوان کے تحت بہت سی باتیں قابلِ توجہ ہیں:

۱۔مقامِ وصولیابی　　　۲۔وصول کنندہ

۳۔رسیدات　　　۴۔طریق وصولیابی

۵۔رسید بک　　　۶۔دفتر حسابات

دفتر زکاۃ وصدقات وعطیات

زکوۃ وصدقات، عطیات اور دوسرے سامان کی وصولیابی کے لئے مدرسہ میں باقاعدہ

ایک دفتر ہونا مناسب ہے، یہ دفتر محفوظ ہونے کے ساتھ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ایسا ہونا چاہئے کہ وہاں پہنچنا بھی آسان ہو اور اس کی طرف رہنمائی بھی آسان ہو، ضرورت کے موقع پر استقبالیہ سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے، یہاں وصولیابی سے متعلق ضرورت کا ہر سامان مثلا رسیدات، قلم، پینسل، کیلکو لیٹر وغیرہ موجودہ ہونا چاہئے، نیز ایک لاکر کا انتظام بھی مناسب ہے جس میں فوری پر طور رقوم وغیرہ کو محفوظ کیا جاسکے۔

اس مقام پر ٹیلیفون وغیرہ کا انتظام بھی مناسب ہے۔

یہ مقام ایسا ہونا چاہئے کہ رقم جمع کرانے والے کو تحفظ کے ساتھ پرائیوی بھی حاصل ہو، قریب میں واش روم وغیرہ کی سہولت بھی حاصل ہو تو بہتر ہے۔

زرِتعاون کا وصول کنندہ

زکاۃ وصدقات وعطیات کا وصول کنندہ حساب کتاب کا ماہر تعلیم یافتہ، نمازی، دیانتدار، سلیقہ مند، بااخلاق شخص ہونا چاہئے۔

رسیدات

وصولیابی کی رسیدات کی اہمیت مسلم ہے۔

رسیدات وصولیابی دو طرح کی ہونی چاہئے۔

رسید نقود، رسید اشیاء۔

رسید نقود اس طرح ہونی چاہئے۔

ادارہ کا نام مع مکمل پتہ

فون نمبر.............فیکس وغیرہ...............بک نمبر..........

رسید نمبر.............تعاون از محترم.................دامت فیوضہم

فون نمبر.............ای میل.................................

پتہ..

فون نمبر.............ای میل.................................

مبلغ..................

(عبارت میں)........................ہندسوں میں..........

چیک نمبر/پے آرڈر نمبر...............بینک

مد..............

مورخہ.............۱۴ھ مطابق...............۲۰۱ء

دستخط محصل...............دستخط معطی....................

دستخط تصدیق کنندہ.............

دینی تعلیم وتربیت کی جدو جہد میں اس تعاون پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور آپ کی جان ومال کی حفاظت فرما کر برکت عطا فرمائے آمین

دستخط رئیس الجامعۃ.............

طریق وصولیابی

رسید مکمل دیانت، پوری وضاحت اور احتیاط کے ساتھ تیار کی جانی چاہئے، ضروری ہے کہ رسید ہو کاربن کے ذریعہ اس کی نقل رسید بک میں موجود رہے۔

رسید کے دینے یا پہنچانے کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔

رسید بک

رسید بک کا اجراء محاسبی سے مکمل اندراج کے ساتھ ہونا چاہئے یعنی یہ واضح چاہئے کہ رسید بک کا نمبر کیا ہے؟ اس میں رسید کس سیریل سے کس سیریل تک ہیں؟ یہ رسید بک کس کے نام پر جاری کی گئی؟ اور کس تاریخ کو جاری کی گئی؟

نقد رقومات کا اسی دن محاسبی میں جمع کرایا جانا ضروری ہے۔

جمع کراتے وقت یہ وضع ہونا ضروری ہے کہ حاصل ہونے والی کل رقم کتنی ہے؟

اس رقم کا تعلق فلاں رسید بک نمبر کی رسید نمبر فلاں سے رسید نمبر فلاں تک ہے۔

جب ایک رسید بک پوری ہوجائے تو اس کے مندرجات پر مبنی ایک گوشوارہ تیار کیا

جانا چاہئے، مناسب یہ ہے کہ یہ گوشوارہ محاسبی میں جمع کردیا جائے اوراس کی کاپی اپنے پاس بھی محفوظ رکھی جائے۔

رسید بک کے مندرجات پر مشتمل گوشوارہ اس طرح ہونا چاہئے۔

نام ادارہ

رسید بک کے مندرجات کا گوشوارہ

رسید بک بنام..........رقم جمع کرانے کی تاریخ..........واؤچر نمبر

رسید بک نمبر..........رسید نمبر از..........تا..........

جمع شدہ رقم (عبارت میں)..........(ہندسوں میں)..........

نمبر شمار	تفصیل مدات آمدنی	رقم (روپیئے)
(۱)	صدقات واجبہ	
	زکاۃ	
	کفارہ قسم رمنت رعشر رنذر رظہار	
	فدیہ نماز رروزہ	
	صدقہ فطر	
(۲)	صدقاتِ غیرواجبہ	
	نفلی صدقہ	
	عطیات	
	نفلی خیرات	
(۳)	صدقہ جاریہ	
	تعمیر مسجد	

	دیگر تعمیرات	
(۴)	آمدنی برائے مصارف طلبہ	
(۵)	یوٹیلیٹی (مثلاً بجلی، پانی، گیس اور فون	
(۶)	آمدنی برائے مطبخ	
(۷)	وصولی بابت قرض رپیشگی رتحویل بنام	
	میزان	

رقم جمع کرانیوالے کی دستخط............دستخط تصدیق کنندہ............

تاریخ............ تاریخ............

تصدیق ناظم محاسبی............

محاسبی بھی رقم وصول کرتے وقت وصولیابی کی پختہ رسید جاری کرے، ناظم محاسبی کی ذمہ داری ہوگی، کہ وہ پوری احتیاط کے ساتھ امکانی حد تک از جلد رقوم کو محفوظ طریقے سے مدرسہ کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کراکر پختہ ثبوت حاصل کرے۔

ادارہ (مدرسہ یا جامعہ) کا اکاؤنٹ خواہ ایک ہو اس کے شعبۂ حسابات کو تمام مدات کو الگ الگ اپنے لیجز (تفصیل نامہ) میں رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیئے، ہر مدتک الگ الگ کھاتہ ہو، ہر کھاتے کا الگ نمبر ہو، رجسٹر میں سارا محفوظ کیا جائے۔

کمپیوٹر پر حسابات کا ریکارڈ

کمپیوٹر بھی جدید اصولوں کے مطابق حسابات کا اندراج اور پورا ریکارڈ محفوظ ہونا ضروری ہے، ایسی صورت میں کمپیوٹر پروگرام بنوانے کی ضرورت پیش آئے گی، اچھے ماہر فن سے یہ کام کرایا جانا بہتر ہ جو ادارے کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمپیوٹر پروگرام بنائے۔

ادارے کے حسابات کا تمام ریکارڈ کمپیوٹر پر محفوظ ہو (یہ کمپیوٹر اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ''دفتر حسابات'' میں ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے) اور احتیاط کے طور پر رجسٹروں میں بھی اس کا اندراج اہمیت رکھتا ہے۔

دفتر حسابات

پچھلی سطور اور مضمون کے اگلے حصوں سے محاسبی کی ضرورت واہمیت واضح ہے، چنانچہ ہر منظم ادارہ (مدرسہ جامعہ) میں شعبہ محاسبی یا دفتر حسابات ضروری ہے، یہ دفتر ایسا ہونا چاہئے جہاں حسابات سے متعلقہ تمام سامان موجود ہوں، کمپیوٹر سمیت تمام ضروری سہولتیں مہیا ہوں، سافٹ ویئر کی نسبت سے کمپیوٹرا اکاؤنٹنگ کی لائن کا ہر مستند تعلیم یافتہ تجربہ کار ہو جسے عصری اصطلاح میں چیف اکاؤنٹینٹ کہا جاتا ہے۔

اساتذہ کرام اور ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی، طلبہ کے وظائف اور نقد انعامات وغیرہ کی ادائیگی اس کی ذمہ داری ہو، خواہ براہ راست یا بینک کے واسطے سے حسبِ ضرورت وحالات، اسی طرح واجبات کی وصولیابی بھی اس کے ذمہ ہو، مثلاً بجلی، پانی یا گیس بل وغیرہ۔

اس شعبہ میں اکاؤنٹنگ کا تعلیم یافتہ کیشئر ہونا بھی ضروری ہے، جس کے ذریعے سے رقوم کا لین دین ہو، اس شعبہ میں حسبِ ضرورت وحالات افراد میں اضافہ ہوسکتا ہے، مدرسہ کے تمام تر حسابات کی ذمہ داری اس شعبہ کی ہوگی، آڈٹ کرانا بھی اس شعبہ کی ذمہ داری ہے۔

رسید اشیاء

نقود کی رسیدات کا ضروری تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے، سامان واشیاء کی رسید کا ہونا بھی ضروری ہے۔

رسید اشیاء کا ایک نمونہ پیش ہے:

ادارہ کا نام مکمل پتہ

رسید............... بک نمبر...............

تاریخ............... ۱۴ھ مطابق............... ۲۰ء

جناب............... دامت برکاتہم

پتہ...

فون نمبر/دفتر...............................

نمبر شمار	تفصیل اشیاء	مد	تعداد	وزن گرام۔کلو گرام	نام اسٹاک رجسٹر	صفحہ رجسٹر	دستخط وصول کنندہ

دستخط معطی .... دستخط محصل .... دستخط تصدیق کنندہ...............

دینی تعلیم وتربیت کی جدوجہد میں اس تعاون پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور جان ومال کی حفاظت فرما کر عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین

دستخط رئیس الجامعۃ رمہتمم ....

واضح رہے کہ رسید اشیاء کے تین پرت ہوں گے، یعنی رسید اشیاء تہ بہ تہ تین کاغذوں پر مشتمل ہوگی اوپر والی رسید اصل ہوگی جو معطی کو دیجائیگی، دوسری کاربن کاپیاں ہوں گی، ایک کاپی کو استقبالیہ والے اس رسید پر حاصل کردہ اشیاء کو اسٹور میں جمع کراتے وقت ناظمِ اسٹور سے تصدیقی دستخط وصولیابی لے کر اپنے پاس محفوظ کریں گے جب کہ رسید کی تیسری کاپی ناظم اسٹور کے ریکارڈ میں محفوظ ہوگی۔

اسٹور

ہر منظم ادارہ میں اسٹور کا ہونا بھی ضروری ہے اور اسٹور ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں۔

مثلا (۱) مطبخ کے سامان کا اسٹور

(۲) تعمیراتی اسٹور (سیمنٹ، سریا، پلمبرنگ، بجلی وغیرہ)۔

رسید اشیاء کے ذریعے وصول ہونے والا تمام سامان یعنی صدقات، عطیات وغیرہ کا اسٹور میں جمع کرانا ضروری ہے، اسی طرح مطبخ اور شعبہ تعمیرات کے سامان کا بھی اسٹور میں اندراج ضروری ہے۔

واضح رہے کہ باہر سے آنے والا صدقات وعطیات کا سامان براہِ راست اسٹور میں وصول نہیں کیا جائے گا، بلکہ استقبالیہ یا یا دفتر صدقات وزکوۃ میں آنے والی اشیاء کی پختہ رسید برائے اشیاء کاٹی جائے گی۔

استقبالیہ یا دفتر صدقات وزکاۃ میں رسید کاٹنے والے حضرات رسید کاٹنے سے قبل اشیاء کی تعداد یا مقدار کو اچھی طرح چیک کریں گے اور اسٹور میں مختص مقام تک پہنچانے کے پابند ہوں گے۔

ان اشیاء کے اسٹور میں جمع ہونے اور ناظم اسٹور کی وصولیابی سے قبل ذمہ داری رسید کاٹنے والے حضرات ہی کی سمجھی جائے گی اور جب تک وہ ناظم اسٹور سے وصولیابی کے تصدیقی دستخط نہ لے لے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے۔

اسٹور میں وصولی اشیاء کا طریقہ کار

اسٹور میں پہنچنے والے سامان کی رسید اشیاء کے مطابق چیکنگ اور رسید وصولیابی کی کاپی پر اسٹور میں وصولیابی کے تصدیقی دستخط ناظم اسٹور کی ذمہ داری، اس موقعہ پر متعلقہ اسٹاک رجسٹر میں سامان کا اندارج ضروری ہوگا، اس میں رسید نمبر کا بھی حوالہ دیا جائے گا۔

اسٹاک رجسٹر

پچھلی سطور سے اسٹاک رجسٹر کی ضرورت واضح ہے۔

اسٹاک رجسٹر ایک بھی ہوسکتا ہے اور حسب ضرورت ومصلحت ایک زائد بھی ہو سکتے ہیں۔مثلا:

۱- اسٹاک رجسٹر برائے مطبخ۔

۲- اسٹاک رجسٹر برائے تعمیراتی سامان۔

۳- اسٹاک رجسٹر برائے غیر تعمیراتی سامان وغیرہ حسبِ ضرورت۔

اسٹور کے سامان سے متعلق اہم باتیں

۱) اسٹور میں آنے والی تمام اشیاء کو حفاظت وصفائی سے رکھنا ناظم اسٹور کی ذمہ داری ہوگی، اس کام کے لئے وہ خادم اسٹور سے مدد لے گا۔

۲) تمام اشیاء کو صحیح ترتیب سے رکھنا بھی ضروری ہے۔

۳) اسٹور میں موجود تمام سامان کا ریکارڈ میں محفوظ کرنا بھی ناظم اسٹور کے فرائض میں شامل ہے۔

[۴) ہر ماہ اختتام پر اسٹور میں موجود تمام اشیاء کی فہرست محترم مہتمم صاحب کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

۵) فراہم کردہ فہرست سے متعلق محترم مہتمم صاحب کی تحریری ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے گا اور اسٹاک میں اس کا ضروری اندراج کیا جائے گا۔

تحویلی رقم

اکثر مدارس وجامعات میں مختلف شعبہ جات ہوتے ہیں، ہر شعبہ کا کوئی ذمہ دار یا ناظم ہوتا ہے، اس ناظم کے مخصوص اختیارات ہوتے ہیں۔

اپنے اختیارات کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہر ناظم کو بسا اوقات مختلف قسم کے سامان اور ضروری اشیاء کی خریداری کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ایسی صورتحال میں تعلیمی ادارے کے ذمہ دار کے لئے مناسب ہے کہ ہر ناظم کے مناسبِ تحویلی رقم کا تعین کرکے ناظم شعبہ کے حوالے کرے، ناظم شعبہ اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے حسب ضرورت ومصلحت اس رقم کو صرف کرے گا اور اس کی مدد کی ضروریات کا سامان حاصل کرے گا، ناظم شعبہ جب اپنا بل شعبۂ حسابات میں جمع کرائے گا، تو صرف کردہ رقم اس کو واپس مل جائیگی، شعبہ میں دوسری ضرورت پیش آنے پر وہ اس رقم کو دوبارہ استعمال کر سکے گا مثلاً اگر کسی ناظم شعبہ کی تحویلی رقم پانچ ہزار روپیئے ہو وہ شعبہ کی کسی ضرورت پر صرف ہوگئے، تو

شعبۂ حسابات میں بل جمع کرانے پر پانچ ہزار کی رقم واپس اس کے پاس آجائیگی۔

اسی طرح ضرورت کے موقع پر یہ تحویلی رقم گردش کرتی رہے گی اور صرف ہونے کے بعد واپس ملتی رہے گی، اس انداز کی تحویلی رقم سے آسانی بھی پیدا ہوتی ہے، اور کاموں کی روانی بھی متاثر نہیں ہوتی۔

شعبہ جات کا خرید کردہ سامان

سامان اگر شعبہ جات کا خرید کردہ ہو اس سامان کا اسٹور میں اندراج اور ناظم اسٹور کو دکھانا ہے، خرید کردہ سامان کو دکھلانا شعبہ جات کی ذمہ داری ہے؛ البتہ سامان کے زیادہ ہونے یا وزنی ہونے کی صورت میں ناظم اسٹور متعلقہ شعبہ میں ہی چیک کرنے کا پابند ہوگا۔

''سامان رسیدات خریداری کے مطابق ہے'' اس کی تصدیق کرنے کا ناظم اسٹور ہی مجاز ہے۔

اس مرحلہ پر ناظم اسٹور اسٹاک وصولی سلپ بھی جاری کرے گا، اور اسٹاک اجراء سلپ بھی، دونوں کا حاصل یہ کہ شعبہ کی خرید کردہ چیز کا مدرسہ کے اسٹور میں باقاعدہ اندراج بھی ہوگیا اور پھر وہ شعبہ کو جاری بھی کردی گئی۔

اسٹاک وصولی سلپ کا ایک نمونہ

اسٹاک وصولی سلپ

نام ادارہ (شعبہ اسٹور)

جلد نمبر.............. تاریخ خریداری مطابق رسید..............

سلپ نمبر.............. تاریخ وصولی اور اسٹور..............

نام سپلائر/دکاندار.............. نام خرید کنندہ..............

نمبر شمار	نام سامان	تفصیل	وزن/ناپ/تعداد	قیمت (روپئے)

کل رقم الفاظ میں			کل رقم (ہندسوں میں	

اسٹور کیپر..............

اسٹاک اجراء سلپ کا ایک نمونہ

اسٹاک اجراء سلپ

نام ادارہ (شعبہ اسٹور)

جلد نمبر............ تاریخ درخواست برائے سامان...........

سلپ نمبر............. تاریخ اجراء از اسٹور...............

نام استعمال کنندہ......................

مقام وتفصیل استعمال......................

نمبر شمار	نام سامان	تفصیل	وزن/ناپ/تعداد	قیمت (روپیئے)
کل رقم الفاظ میں				کل رقم ہندسوں میں

اسٹور کیپر..............دستخط کنندہ..............

اشیاء کے اجراء کا طریقہ کار

شعبہ جات کی خرید کردہ اشیاء کی اسٹور میں وصولی اور اسٹور سے اجراء کا ذکر ہو چکا، استقبالیہ، یا دفتر زکاۃ وصدقات کے واسطے سے اسٹور میں آنے والی چیزوں کا طریق وصولیابی بھی پیچھے آچکا۔

بہت سی چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو ضرورت کے تحت خود ادارہ خرید تا ہے، مثلا مطبخ کی مختلف اشیاء یا تعمیرات کا سامان یہ سب چیزیں اصولوں کے مطابق اسٹور کی وصولیابی

میں شامل ہوکر وہاں جمع ہوتی ہیں۔

اسٹور میں موجود سامان ضرورت پڑنے پر متعلقہ شعبہ کو جاری کیا جائے گا، اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کا اہتمام ضروری ہے۔

(۱) مہتمم مدرسہ سے تحریری اجازت حاصل کرلی گئی ہو۔

(۲) ڈیمانڈ (طلب) فارم پر کر کے وصول کیا جائے۔

ڈیمانڈ فارم کا ایک نمونہ

ڈیمانڈ فارم (ادارہ کا نام)

مورخہ.............شعبہ............. میں مندرجہ ذیل اشیاء کی ضرورت ہے۔

نمبر شمار	نام اشیاء	مقدار	حوالہ رجسٹر	تفصیل
۱				
۲				
۳				
۴				
۵				
۶				
۷				
۸				
۹				
۱۰				

دستخط وصول کنندہ.............دستخط ناظم شعبہ.............

دستخط اسٹور انچارج.............

(۳) اسٹاک رجسٹر پر روانگی کا اندراج کر دیا جائے۔

(۴) اجراء سلپ کا جاری کرنا بھی مناسب ہے، اگرچہ ڈیمانڈ فارم پر اکتفار کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

(۵) مطبخ کا اور تعمیراتی سامان متعلقہ عملہ کو بروقت جاری کیا جائے گا اور اس کے استعمال پر نظر رکھی جائے گی کہ سامان اجراء بقدر ضرورت ہو۔

بہر حال اجراء کردہ سامان اگر پورا استعمال نہ ہوا تو بقیہ سامان کی واپسی اسٹور میں ضروری ہے، ایسی صورت میں محسوبی فارم پر کیا جائے گا۔

محسوبی فارم

(اسٹور/ادارہ کا نام)

تاریخ قمری............تاریخ شمسی............فارم نمبر............

نمبر شمار	نام اشیاء	اجراء اشیاء مقدار	تعداد استعمال	قابل واپسی	حوالہ رجسٹر	کیفیت
۱						
۲						
۳						
۴						
۵						
۶						
۷						
۸						
۹						
۱۰						

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا سامان خالصۃ (ادارہ کا نام) کے مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور اس کے جملہ اندراجات درست ہیں۔

دستخط استعمال کنندہ..............

تصدیقی دستخط ناظم جامعہ..............

دستخط قابل واپسی سامان کی وصولیابی از اسٹور کیپر..............

تاریخ..............   تاریخ..............

اشیاء کی تقسیم کار کا طریقہ کار

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا جاچکا ہے کہ اسٹور میں موصول ہونے والی تمام اشیاء کی فہرستیں محترم مہتمم صاحب کی خدمت میں حسب مصلحت ہر ہفتے / ہر ماہ پیش کی جائیں گی، ان فہرستوں میں مدات کی صراحت ضروری ہوگی، محترم مہتمم صاحب کی اجازت سے قابل تقسیم اشیاء مستحق طلبہ و کارکنان وغیرہ میں تقسیم کی جائینگی۔

(۱) مستحق طلبہ کی فہرست ناظم دارالاقامہ فراہم کریں گے جس کے مطابق سامان کی تقسیم کی جائے گی۔

(۲) فہرست بنانے میں اس کا خیال رکھا جائے کہ اشیاء طلبہ کے درمیان انصاف کے تقاضوں کے مطابق تقسیم ہوں۔

(۳) سامان فہرستوں کے مطابق قیم حضرات کے حوالہ کیا جائے گا، وہ براہِ راست مستحق طلبہ کو دیں گے یا اپنی نگرانی میں تقسیم کرادیں گے۔

(۴) تقسیم کے وقت سامان وصول کرنے والے طلبہ سے دستخط لئے جائیں گے۔

(۵) دستخط شدہ فہرستوں ناظم اسٹور کے پاس جمع کرادی جائیں گی۔

(٦) اسٹور میں ان فہرستں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے گا۔

منتقلی سامان

کوئی شعبہ یا فرد اسٹور سے جاری کردہ سامان کو اپنی تحویل سے کسی دوسرے شعبہ یا

فرد کی تحویل میں براہِ راست منتقل نہیں کرے گا، اس کے لئے اولاً مہتمم صاحب سے منظوری حاصل کی جائے گی، ثانیاً وہ سامان شعبہ اسٹور کو باضابطہ طور پر واپس ہوگا، ثالثاً: حسبِ ضابطہ کسی دوسرے شعبہ یا شخص کو منتقلی کی کاروائی ہوگی۔

فروختگی سامان

کوئی ناظم شعبہ اپنی تحویل میں موجود سامان خود فروخت نہیں کرے گا؛ بلکہ وہ سامان اگرچہ ناکارہ ہو چکا ہوا سٹور میں جمع کرایا جائے گا، اور بعد میں ممکنہ داموں میں اس کی فروختگی کی کوشش کی جائے گی۔

صحیح سامان نسبۃً کارآمد سامان درج ذیل ضوابط پر عمل کرتے ہوئے فروخت کیا جائے گا۔

(۱) اعلان فروختگی نمایاں جگہوں پر لگایا جائے۔

(۲) سامان کی فروختگی کمیٹی کے ذریعہ ہونی چاہئے۔

(کمیٹی کا تعین محترم مہتمم صاحب خود بھی کرسکتے ہیں یا اپنے اعوان وانصار کے ذریعہ کرا سکتے ہیں)۔

(۳) سامان کے کم ہونے، غیر اہم ہونے یا قیمتی نہ ہونے کی صورت میں فروختگی سامان کے بارے میں کمیٹی خود مختار بھی بنائی جائے گی، بصورت دیگر محترم مہتمم صاحب کی منظوری لازم ہوگی۔

(۴) اجازت کے ضروری ہونے کی صورت میں جس پارٹی کی جانب سے سب سے زیادہ قیمت کی پیشکش ہوگی اس کے بارے میں کمیٹی فروختگی کی سفارش کرے گی۔

(۵) سامان کی فروختگی میں ادارے کے متعلقہ اساتذہ کرام اور کارکنان کو امکانی طور پر ترجیح دی جائے گی۔

(۶) فروختگی کی رقم ادارے کے استقبالیہ/دفتر زکاۃ وصدقات کی چالان بک کے ذریعے وصول کی جائی گی۔

چالان بک کا ایک نمونہ

ادارہ کا نام

فون نمبر.............. جلد نمبر..............

فیکس.............. رسید نمبر..............

چالان بک

تاریخ..............۱۴ھ مطابق..............۲۰

جناب..............دامت برکاتہم

پتہ..............فون رہائش/دفتر..............

نمبر شمار	تفصیل اشیاء	مقدار	نرخ	رقم (روپیئے)
رقم (عبارت میں)			رقم ہندسوں میں	

دستخط خریدکنندہ.............. دستخط محصل..............

(۷) چالان بک کا حوالہ اسٹاک رجسٹر میں درج کیا جائے گا۔

(۸) حاصل شدہ رقم جلد از جلد محاسبی میں جمع کر کے جمع کرانے کا ثبوت حاصل کیا جائے گا

مثلاً درج ذیل ایسی رسید کی صورت میں ....

شعبہ جات

ادارہ کا نام

کیش رسید نمبر.............. شعبہ..............

تاریخ..........

مبلغ..............روپیئے مبلغ..............روپیئے

(ہندسوں میں) (عبارت میں)

بابت..........

جناب..............دامت فیوضہم سے نقد ربصورت چیک نمبر..............

وصول پائے۔

کیشیئر:..............

شعبہ حسابات یہ رسید استقبالیہ کی جانب سے جمع کرائی جانے والی رقوم پر جاری کرے گا خواہ یہ رقم استقبالیہ میں زکاۃ صدقات وعطیات کی صورت میں آئی ہوں یا کسی چیز کو چالان کے واسطہ سے فروخت کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہو۔

فروختگی طعام ٹوکن

بہت سے مدارس میں اساتذہ وکارکنان کو طعام مفت دیا جاتا ہے، گویا ایسی صورت میں وہ ملازمت کی مراعات کا حصہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ معاہدۂ ملازمت کے وقت مراعات ذیل میں اس کی تصریح کردی جائے، تاکہ استاذ وکارکن کا طعام وغیرہ لینا بے غبار ہو۔

بعض مدارس میں اساتذہ اور کارکنان کو طعام وغیرہ خریدنا ہوتا ہے، یہ صورت زیادہ احتیاط والی ہے۔ (خریدے جانے کی صورت میں رعایتی قیمت پر خریدنے کا حق حاصل ہونا مراعات کا حصہ ہوگا)۔

بہر حال فروخت کی صورت میں طعام کے یا روٹی، سالن، دال سبزی کے ٹوکن ہونے چاہئے۔

اس نظم میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱) طعام ٹوکن خریدنے کا حق غیر امدادی طلبہ، اساتذہ کرام، کارکنان ادارہ یا اس شخص کو ہوگا جس کو مہتمم اجازت دے۔

۲) مصلحت کے خلاف نہ ہو تو طلبہ کو مہمان کے لئے ٹوکن خریدنے کا حق بھی تحدید کے ساتھ دیا جا سکتا ہے۔

۳) طعام ٹوکن اسٹور سے خریدے جائیں گے۔

۴) اسٹور طعامی ٹوکن شعبہ حسابات سے حاصل کرے گا۔

۵) ٹوکن کی فروخت سے حاصل شدہ رقم استقبالیہ یا دفترِ حسابات میں جمع کرا کر باضابطہ رسید حاصل کی جائے گی، ان رسیدات کو اسٹور کے ریکارڈ میں رکھا جائے گا۔

اساتذہ وکارکنان کی تنخواہیں اور گریڈنگ

اساتذہ اور ملازمین کی تنخواہوں کے تعین میں گریڈ سسٹم ہونا مناسب ہے؛ بلکہ ضروری ہے، حالات کی روشنی میں گریڈنگ اس لائن کے ماہرین سے حسب ضرورت ومصلحت کرائی جا سکتی ہے۔

گریڈنگ کی صورت میں ناخواندہ، غیر تجربہ کار خادم کا گریڈ کچھ کم ہوگا اور خواندہ او رتجربہ کار کا کچھ اور، ناظرہ قرآن کے استاذ کا گریڈ کچھ اور ہوگا اور حفظ قرآن کریم کے استاذ کا کچھ اور مدرسہ کے ابتدائیہ کے استاذ کا گریڈ کچھ اور ہوگا اور مرحلہ متوسطہ کے اساتذہ کا کچھ اور تربیت یافتہ اساتذہ کا گریڈ کچھ اور ہوگا غیر تربیت یافتہ کا کچھ اور، اور متوسط تعلیم یافتہ اساتذۃ کا گریڈ کچھ اور ہوگا اور اعلی تعلیم سے آراستہ اساتذہ کا گریڈ کچھ اور، غرض گریڈ سسٹم میں خواندہ، تربیت یافتہ غیر تربیت یافیہ اور تجربہ کار، غیر تجربہ کار وغیرہ تمام امور کو حسب مراتب ملحوظ رکھا جائے گا۔

اساتذہ کی تنخواہوں کی نسبت سے چند باتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں

(۱) ملک میں حکومت کی جانب سے کم از کم تنخواہوں کی جو مقدار مقرر ہو اساتذہ کرام کی تنخواہ اس سے کم نہ ہونی چاہئے ، نیز نبی کریم ﷺ کے فرمان **"أنزلوا الناس منازلهم"** کو بھی ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔

(۲) مدرسہ اور ادارے کے جو دستیاب وسائل ہوں ان کو استعمال کر کے حتی الامکان فراخی اور وسعت کی کوشش کی جائے ،بعض اداروں کی نسبت یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسباب و وسائل مہیا ہونے کے باوجود اساتذہ کی تنخواہوں کی نسبت سے بخل سے کام لیا جاتا ہے،اس سلسلہ میں حوصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے رئیس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت اقبالہم فرماتے ہیں: جب بھی ہم نے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا،اس کی خاص برکات نظر آئیں،منجانب اللہ پہلے سے زیادہ وسعت پیدا ہوئی۔

اساتذہ کی تنخواہوں میں ادارہ کی بساط کے مطابق وسعت پیدا کرنے کی تعلیمی اہمیت بھی ہے، اس لئے کہ جب استاذ اپنی روزمرہ کی زندگی میں معاشی وسعت پائے گا تو تعلیمی خدمات انجام دینے میں یکسوئی پیدا ہوگی ، اور کیفیت کے اعتبار سے اس کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا،اس کے مقابلے میں جو استاذ معاشی طور پر دباؤ میں ہوگا تو اسے اطمینان اور یکسوئی حاصل نہ ہوگی ، اور وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے گا، کہیں ٹیوشن پڑھائے گا،کہیں مؤذن بنے گا،کہیں امامت کی سعی کرے گا،اوران کاموں کے لئے مختلف اوقات میں مسافت طئے کرے گا،نتیجۃً پورے اطمینان وانشراح کے ساتھ تعلیمی خدمات انجام نہ دے سکے گا اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

(۳) اساتذہ کی تنخواہوں میں سالانہ کم از کم دس فیصد اضافہ مناسب ہے، البتہ یہ اضافہ متعلقہ نگراں اور ناظم تعلیمات کی سالانہ تسلی بخش رپورٹ کی روشنی میں محترم مہتمم صاحب کے فیصلہ کے تحت ہونا چاہئے۔

(۴) تنخواہیں بروقت یعنی مہینہ کی شروع میں دیئے جانے کی پوری کوشش کی جائے اور ایسی صورت سے بچا جائے کہ اساتذہ کی ایک ماہ یا زائد مہینوں کی تنخواہیں ادارے کی ذمہ میں دین ہوجائیں؛ اس لئے کہ اس جیسی صورتحال سے تعلیمی ادارے کی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے، اور اساتذہ کو بھی ناقابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے اور ہر اعتبار سے مدد فرمائے۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ البلاغ: مالیات اور مدارس: ۶۰، ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء

نظام تنخواہ

صحابہ تعلیم پر اجرت نہیں لیتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لئے مکاتب (کتاتیب) کا انتظام کیا، اوران کے معلمین کے لئے مشاہرہ اور تنخواہ جاری کی؛ مگر فقہاء صحابہ کے تعلیمی حلقے اور مجلسیں حسبۃ للہ تبلیغ دین اوران أجری إلا علی اللہ کے اصول پر منعقد ہوتی تھیں، اوراس کے لئے مشاہرہ اور وظیفہ مقرر نہیں تھا، ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے وظیفہ کا انتظام کیا اور حسب حیثیت لوگوں کے جو وظیفے مقرر کئے گئے وہی ان کے کافی تھے، دینی علوم کی تعلیم اور شہروں کی امامت، جہاد کی امارت، قضاء اور اسی قسم کے منصب کے لئے علاحدہ رقم اور وظیفہ کا انتظام نہیں تھا، حضرات صحابہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا وظیفہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور بعض مقررہ وظیفہ سے کم لیتے تھے، وہ کار نبوت پر اجرت تو کیا لیتے تھے، خود طالب علموں کو اپنے مال سے حصہ دینے پر آمادہ تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابوحمیرہ سے کہا تھا کہ تم میرے یہاں رہو، میں تم کو اپنے مال سے حصہ دوں گا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اہل دمشق کو علم کی ترغیب دیتے ہوئے ان سے کہا تھا ”ما یمنعکم من مودتی وإنما مؤنتی علی غیرکم“ تم کو میری مؤدت وصحبت سے کیا چیز مانع ہے؟ میرا بار تمہارے علاوہ (اللہ تعالیٰ اور بیت المال) پر ہے، البتہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے وظیفہ کے علاوہ اپنے قرابت داروں کو زائد مدد دی تھی، انہوں نے عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا تھا، اسی کے ساتھ

حضرت عثمان بن حنیف کو عراق کی زمین پیمائش پر مقرر کیا تھا اور ان تینوں حضرات کے لئے روزانہ ایک بکری کا حکم دیا جس کا آدھا گوشت عمار بن یاسر کو اور ایک چوتھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اور ایک چوتھائی عثمان بن حنیف کو ملتا تھا، یہ تعاون حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صواب دید اور مصلحت کے تحت کیا تھا، اس میں ان حضرات کی طلب وخواہش کو دخل نہیں تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کی رقم بیت المال میں پڑی تھی، ان کے انتقال کے بعد ان کے وصی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھے دیدیں، ان کے اہل وعیال بیت المال سے زیادہ اس کے حقدار ہیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکو پندرہ ہزار دراہم دیئے، جن حضرات کے استغناء کا یہ حال تھا کہ ان کے وظیفہ کی رقم بیت المال میں پڑی رہتی تھی، وہ دینی خدمت پر اجرت کیا لیتے؟ کمال درجہ تو یہی ہے مگر متاخرین نے دیکھا کہ عوام الناس علماء کرام کی طرف سے بے رغبتی برتنے لگی، تو خود علماء کرام صفات کے اعتبار سے بھی کمزور ہوئے تو اجرت لے کر ہی صحیح کام انجام دینے پر ابھارا، اگر تنخواہ نہ ہو تو دوسرے کاروبار وغیرہ اپنانا پڑھتا ہے، پھر تدریسی یکسوئی باقی نہیں رہتی، تعلیم کا حرج ہوتا ہے۔(۱)

اس زمانہ میں تنخواہ لے کر بھی سلیقہ سے خدمتِ دین ہوجائے تو بہتر ہے، تنخواہ حضرات مدرسین کی خدمت کا معاوضہ نہیں حق الحبس ہے، چونکہ وہ دنیوی کاروبار کو چھوڑ کر اس خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے قوم ان کو مستغنی کردے، عادۃ اللہ یہی رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیشتر تعداد فقراء کی ہے، تجربہ یہ ہے کہ جس کے پیشواؤں کو مال کی فراوانی مل گئی انہوں نے مذہب کو برباد کردیا، ماتحت عوام ان کے ناقدرے بھی بن گئے، حضرت ہردوئی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''تألم تنعم'' کے درمیان کی تنخواہ مل رہی ہو تو اس کے باوجود نقل مکانی اختیار کرنے والے کی نیت میں فتور ہے، اخلاص مشتبہ ہے، خدمت دین کے وسیع اہم مفید بنے بنائے نظام کو چھوڑ کر معیارِ زندگی کے لئے مدرسہ نہ بدلیں۔

---

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۱۱۳۔ ۱۱۴

اکابر اور ان کی تنخواہیں

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: حضرت مولانا محمد سہول عثمانی صاحب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی کے ممتاز شاگردوں اور دار العلوم دیوبند کے ان مقبول اساتذہ میں سے تھے جن کو بیک وقت حدیث اور فقہ دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا تھا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ: حضرت! ہم دینی علوم پڑھاتے ہیں اور ان پر تنخواہ بھی لیتے ہیں تو کیا ایسی تدریس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟

حضرت شیخ الہند نے فرمایا: مولوی صاحب! ثواب کی بات کرتے ہو؟ اس تدریس میں جو کچھ کوتاہیاں ہم سے ہوتی ہیں، اگر ان پر مواخدہ نہ ہو تو اسکو غنیمت سمجھو'

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد تشریحاً فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تنخواہ لینے کے بعد ثواب کی کوئی امید نہیں، کیوں کہ اگر نیت بخیر ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں بھی ثواب کی امید ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ تنخواہ کا حق پورا پورا ادا کیا ہو اور اگر مقررہ وقت سے کم پڑھایا، غیر حاضریاں کیں اور پڑھانے کے لئے جس محنت اور مطالعے کی ضرورت ہے اس میں کوتاہی کی تو تنخواہ کا حلال ہونا بھی مشکوک ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الہند کا تنخواہ میں کمی کا مطالبہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ ہمارے ماضی قریب کی ان شخصیتوں میں سے تھے جن کی مثالیں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں، ان کا اردو ترجمہ قرآن وتفسیر مشہور ومعروف ہے، اس کے علاوہ آزادی ہند کے سلسلے میں ان کی تحریک ریشمی رومال، اور تحریک خلافت میں ان کی سرگرم خدمت ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں، وہ دار العلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے، اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند ہی میں عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک

کہ ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہوئے اور ماضی قریب کے بے شمار مشاہیر نے ان کی شاگردی کا اعزاز حاصل کیا۔

جب یہ دارالعلوم دیوبند میں ''شیخ الحدیث'' کے طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے تو دارالعلوم کی مجلس شوری نے محسوس کیا کہ ان کی تنخواہ ان کے منصب، ان کے علم وفضل اور ان کی خدمات کے لحاظ سے بہت کم ؛ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، ان کا کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں ہے، اور ضروریات بڑھتی جارہی ہیں، چنانچہ مجلس شوری نے باتفاق رائے فیصلہ کیا کہ مولانا کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے اور اس مضمون کا ایک حکم نامہ مجلس شوری کی طرف سے جاری کردیا گیا۔

جو صاحب مولانا کے پاس مجلس شوری کے فیصلے کی خبر لے کر گئے انہیں یقینا یہ امید ہوگی کہ مولانا یہ خبر سن کر خوش ہوں گے، لیکن معاملہ برعکس ہوا، مولانا یہ خبر سن کر پریشان ہوگئے اور فوراً مجلس شوری کے ارکان کے نام ایک درخواست لکھی جس کا مضمون یہ تھا کہ:

''میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے میری تنخواہ میں اضافہ کیا جارہا ہے، یہ اطلاع میرے لئے سخت تشویش کا موجب ہے، اس لئے کہ میری عمر کی زیادتی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے اب دارالعلوم میں میرے ذمہ پڑھانے کے گھنٹے کم رکھے گئے ہیں، جب کہ اس سے پہلے میرے ذمے زیادہ گھنٹے ہوا کرتے تھے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ مجلس شوری میری تنخواہ کم کرنے پر غور کرتی، چہ جائے کہ میری تنخواہ میں اضافے پر سوچا جائے ، لہٰذا میری درخواست ہے کہ میری تنخواہ بڑھانے کا فیصلہ واپس لیا جائے اور اوقات کے لحاظ سے تنخواہ کم کرنے پر غور کیا جائے۔

اکابر کا تنخواہ کو زائد سمجھنا

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میرے حضرت کی تنخواہ مظاہر علوم میں چالیس اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کی دارالعلوم دیوبند میں پچاس روپیئے تھی، ان دونوں کے

متعلق جب بھی ممبران اور سرپرستان کی طرف سے ترقی تجویز ہوتی تو دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ یہ کہہ کر ترقی سے انکار کردیا کرتے تھے کہ ہماری حیثیت سے بھی زیادہ ہے، دونوں مدرسوں میں جب بھی مدرس دوم کی تنخواہ کے برابر پہنچ گئی تو ممبران نے یہ کہہ کر اب ماتحت کے انکار سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی، اس پر مجبورا دو اکابر نے اپنی اپنی ترقی قبول کی، میرے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ نے کئی بار مجمع میں فرمایا: ''میں نے اپنی ساری ملازمت میں کبھی اپنی ترقی کی درخواست نہ تحریرا پیش کی نہ زبانی کبھی کسی سے کہا''۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ جب جامع العلوم کان پور میں مدرس اول بن کر تشریف لے گئے تو حضرت کی تنخواہ پچیس روپیئے تھی؛ لیکن حضرت تھانویؒ اس کو زائد ہی سمجھتے رہے، حضرت تھانویؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''میں طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی اپنی تنخواہ سوچا کرتا تھا تو زیادہ سے زیادہ دس روپئے سوچتا تھا، پانچ روپیئے اپنی ضروریات کے لئے اور پانچ روپیئے گھر کے خرچ کے لئے، بس اس سے زیادہ تنخواہ پر کبھی نظر نہیں جاتی تھی، نہ اس سے زیادہ کا اپنے کو مستحق سمجھتا تھا''۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

''نقل کرتے بھی صدمہ ہوتا ہے کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ علیہ ایسے بے نظیر بزرگ اور پھر بھی ان کی تنخواہ کیا تھی، صرف چالیس روپیئے ماہوار جو آج کا ایک نو آمودہ طالب علم بھی مشکل سے قبول کرتا ہے کہ اگر تنخواہ کی کمی بھی منظور کرتا ہے تو اس طرح کہ اثر میں کمی نہ ہو، چنانچہ ایک مدرسہ میں بوجہ قلت آمدنی مدرسین سے کہا گیا کہ

اپنی تنخواہوں میں تخفیف منظور کرلیں،صدر مدرس صاحب نے کہا کہ اسطرح تو تخفیف نہیں کروں گا، میں تنخواہ تو پوری لوں گا، لیکن جتنی ضروری سمجھی جائے اتنی رقم اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کردیا کروں گا؛ تاکہ نام تو رہے کہ تنخواہ اتنی ہے،تو یہاں تک باتیں نظر میں آنے لگیں کہ چاہے تنخواہ کم ہوجائے؛لیکن شان ویسی ہی رہے،اب تو اتنی تنخواہ کو کوئی خاطر میں بھی نہیں لاتا اور وہاں اس کی بھی بڑی قدر تھی، وجہ کیا ہے کہ وہ حضرات اپنے کو صاحب کمال ہی نہ سمجھتے تھے اس واسطے کہ صاحب مال ہونا نہیں چاہتے تھے"۔

حضرت نانوتوی کا واقعہ

ارواح ثلاثہ میں لکھا ہے کہ مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی) کی طلبی آئی اور پانچ سو (۵۰۰) روپیئے ماہوار تنخواہ مقرر کی، میں نے کہا کہ: اے مولوی قاسم تو چلا کیوں نہیں جاتا تو فرمایا کہ: وہ مجھے صاحب کمال سمجھکر بلاتے ہیں، اوراس بناء پر وہ پانچ سور وپیئے دیتے ہیں؛مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا، پھرکس بناء پر جاؤں؟ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔(۱)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری

حضرت مولانا جب سہارنپور پہنچے تو مدرسہ پہنچتے ہی تنخواہ لینے سے انکار کردیا اور ذمہ داران مدرسہ کو تحریر فرمایا:

"میں عرصہ سے خدمت مدرسہ سے معذور ہوں،اس لئے مولانا محمد یحی کو بلایا تھا وہ میری مدد کرتے تھے،اب وہ بھی رحلت کر گئے،بجز اسکے کوئی چارہ نہیں کہ اپنے بار سے مدرسہ کو سبکدوش کردوں"

خلیل احمد ۲۱ صفر ۳۵ھ

---

(۱) ارواح ثلاثہ: ۱۳۷

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے رائپوری کو جو سرپرست مدرسہ بھی تھے، حضرت مولانا سے بہت تعلق تھا اور ہمیشہ انہوں نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی ہر پریشانی کو دور کرنے کی فکر کی وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ تنخواہ نہ لے کر اقتصادی پریشانی میں پڑیں، اسی لئے انہوں نے آپ کی درخواست پر یہ تحریر فرمایا:

''حضرت کو راضی کیا جائے کہ وہ تنخواہ لیں اور کام کا بار نہ ڈالا جائے؛ ورنہ حضرت سرپرست اور باقی سب شیر بنائے جائیں اور یہ بھی نہ ہوتو میرا بھی استعفاء ہے، میں بھی ضعیف ہوگیا ہوں''۔

عبدالرحیم ۲۲ رصفر

حضرت مولانا نے جب حضرت رائپوری کا یہ جواب دیکھا تو ان کی محبت وتعلق کا دل پر بہت اثر پڑا اور آپ نے فوراً تحریر فرمایا:

''صرف تنخواہ سے انکار ہے، مدرسہ کی خدمات بدستور کروں گا اور مجبور ہوا تو کچھ امداد بھی لے لوں گا''۔

حضرت مولانا نے جو ارادہ فرمایا تھا اس پر ثابت قدم رہے، تنخواہ نہ لی اور حسبۃ للہ مدرسہ کی اسی طرح خدمت کرتے رہے، جس طرح پہلے کرتے تھے، کچھ دنوں تک کوئی دقت پیش نہیں آئی؛ لیکن بعد میں بعض شدید الجھنیں اور پریشانیاں ہوئیں، مہمانوں کی آمد ورفت اسی طرح تھی جیسے پہلے تھی، اخراجات بڑھتے رہے اور مدرسہ سے آمدنی بند ہوگئی، تنخواہ لینے پر کسی طرح دل آمادہ نہیں ہوا، جب دیکھا کہ شہر میں رہ کر اس طرح زندگی گذارنی مشکل ہے تو انبیٹہ جا کر سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا؛ بلکہ جانے کا سامان بھی شروع کر دیا، آپ کے جانے کی خبر جب شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کو پہنچی تو ان کو بڑی فکر دامنگیر ہوگئی اور یہ خیال کر کے کہ آپ کے درس چھوڑ دینے سے مدرسہ بالکل خالی ہوجائے گا اور اس کی بہار رخصت ہوجائے گی، اس لئے کہ مدرسہ میں جو کچھ باغ و بہار ہے وہ آپ ہی کے دم قدم سے ہے، اس لئے حضرت شاہ صاحب نے آپ سے پھر تنخواہ لینے پر اصرار کیا اور تحریر فرمایا:

''نہایت لجاجت اور اصرار سے درخواست ہے کہ آپ کا مجھ سے وعدہ
تھا کہ تو جب کہے گا تنخواہ لوں گا؛ لہٰذا اب انکار نہ فرمائیں''

ادھر حضرت رائے پوری نے آپ کو یہ لکھا اور دوسری طرف اہل مدرسہ کی طرف سے تنخواہ لینے پر اصرار کرایا، اہل مدرسہ کی خواہش اور اصرار کے باوجود آپ کے پائے ثبات کو لغزش آئی نہ استغناء اور قناعت میں کوئی فرق آیا، آپ نے اہل مدرسہ کو جواب دیا:

''مدرسہ کا روپیہ چندہ کا ہے اور خدا کا مال ہے جس کے ہم لوگ صرف
امین اور خازن ہیں اور بے جا تصرف یا مراعات کا کسی کو کوئی حق نہیں
ہے، اور میں خود خوب سمجھتا ہوں کہ پچاس روپیئے کے قابل درس نہیں
دے سکتا؛ لہٰذا تنخواہ نہ لوں گا''

حضرت رائپوری اور اہل مدرسہ کے نزدیک مدرسہ کے لئے آپ کا وجود ضروری تھا؛ اس لئے حضرت رائپوری نے اکابر مدرسہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حضرت مولانا پر سے تدریس کی ذمہ داری اٹھالی جائے اور کارنظامت آپ کے سپرد کیا جائے کہ بلاتعیین وقت اور دن آپ یہ خدمت انجام دیں اور درس کی وجہ سے اوقات کی پابندی کرنی پڑتی ہے، اور جس پابندی کی آپ کی صحت اور عمر متحمل نہیں ہے، اس سے بھی آزادی مل جائے اور کارنظامت کا معاوضہ مشاہرے کے طور پر خدمت میں پیش کیا جاتا رہے، حضرت رائے پوری کی یہ تجویز اراکین مدرسہ نے بالاتفاق منظور کر لی اور حضرت مولانا سے درخواست کی کہ:

''جناب والا کی تنخواہ صرف کارنظامت کی بناء پر طئے ہوئی ہے، درس
وتدریس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے؛ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اب
تنخواہ قبول فرمالیجئے کہ اس میں عنداللہ مسئولیت کا کوئی سوال نہیں ہے،
اور اپنی خواہش کے مطابق اگر ایک آدھ سبق جناب اپنے پاس
رکھنا چاہیں تو ضرور رکھ لیں جب تک قیام رہے درس دیں اور جب سفر
میں تشریف لے جائیں تو وہ سبق صدر مدرس پڑھائے''

آپ کو اس تجویز پر انشراح قلب نہ ہوسکا؛ لیکن بڑی ردوقدح کے بعد آپ نے تنخواہ قبول کرلیا اور کارنظامت کے عہدے پر فائز ہوئے۔

آپ صرف مدرس نہ تھے ؛ بلکہ مدرسہ کے ناظم بھی تھے ، مدرسہ کا تعمیری ، تعلیمی اور انتظامی نظام آپ کے ہاتھوں میں تھا، درس وتدریس کا انتظام، مدرس کی کمی وبیشی، تعمیر وترقی کے سارے شعبے آپ ہی کی رائے پر چلنے لگے، اور مدرسہ کو پہلے سے زیادہ ترقی ہوئی۔(۱)

ضرورت سے زائد تنخواہ مدرسہ میں داخل کیا کریں

ایک شخص نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ سے فرمایا:

احقر مدرسہ میں خدمتِ تدریس میں مشغول ہے، مدرسہ کی ابتداء سے ہی ارادہ تھا کہ تنخواہ نہ لوں، اب تک جو کچھ ملتا تھا، اس کو مہمانوں کی خدمت اور خود اپنے اکابر کی خدمت میں دیوبند حاضری کے کرایہ پر ہی خرچ کرتا تھا، اب کچھ دنوں سے زیادہ تقاضا ہے طبیعت پر کہ مدرسہ کی تنخواہ نہ لیا کروں لیکن دل ٹٹولتا ہوں تو زیادہ توکل کی ہمت نہیں پاتا، حکم فرمادیں کیا مناسب ہے۔

جواب میں فرمایا: آپ تنخواہ مدرسہ سے ضرور وصول کرلیا کریں، اور جو ضرورت سے زائد ہو تو اس کو بطور چندہ مدرسہ میں داخل کردیں، کچھ روز تک ایسا کریں پھر دیکھیں کہ تنگی تو محسوس نہیں ہوتی، اگر محسوس نہ ہوتی ہو تو مستقلا ایسا ہی کیا کریں۔

دارالعلوم میں ۱۳۳۳ھ میں تنخواہوں میں اضافہ

مولانا محبوب رضوی صاحب فرماتے ہیں:

تنخواہوں کے بارے میں دارالعلوم کا طرز ابتداء تاسیس سے نہایت سادہ رہا ہے، شان ونمود کے لئے گراں قدر مشاہرے مقرر کرنا کبھی پسند نہیں کیا گیا، اسی کے ساتھ خود دارالعلوم کے اساتذہ اور کارکنوں نے بھی تنخواہ کی نسبت ہمیشہ یہ بات ملحوظ رکھی کہ وہ دارالعلوم پر صرف اسی قدر تنخواہ کا بار ڈالیں گے جس میں سادہ معاشرت اور قناعت وکفایت کیساتھ گذر بسر ہوسکے، چنانچہ سب سے پہلے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کا

---

(۱) حیات خلیل: ۲۵۴، محمد ثانی حسنی ندوی، مظاہری، کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور

مشاہرہ صرف چالیس روپیئے ماہانہ تھا، چنانچہ روداد میں مذکور ہے:

دارالعلوم میں مشاہروں کی مقدار اس کی عظمت وشان اور مدرسین کے کمال وشہرت نیز ان کی کفایت مایحتاج، ہر ایک لحاظ سے ہمیشہ کم رہی ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب کو باین عظمت وکمال صرف چالیس روپیئے ملتے تھے، مولانا سید اُحمد صاحب کو ۵۳ روپیئے، دارالعلوم کی شان اوران حضرات کی وقعت وعظمت کوخیال کر کے ان مشاہروں کوخیال کرلیا جائے، جس تنگی اورعسرت کے ساتھ یہ بزرگواران مشاہروں میں گذر اوقات کرتے تھے اس کا حال سب پر واضح ہے، اور ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے، یہ بزرگوار دیوبند سے باہر جانا گوارہ فرماتے ہیں کس منصب پر اور کتنے مشاہرے پر تشریف لے جاتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھوپال بلایا گیا تھا، آپ نے انکار فرمادیا؛ لیکن مولانا سید احمد صاحب بھوپال تشریف لے گئے تو تقریبا ڈیڑھ سور روپیئے ماہوار مقرر ہوئے۔(۱)

لیکن اسی کے ساتھ دارالعلوم نے بھی کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ اس کے کارکن معاشی پریشانیوں میں سرگرداں رہیں اوران کا فراغ خاطر مفقود ہوجائے، چنانچہ جب کبھی ایسی صورت پیش آئی تو دارالعلوم نے اس پر فوری توجہ کی اور بروقت مشاہروں میں حالاتِ زمانہ کے لحاظ سے اضافہ کر کے اپنے کارکنوں کے لئے سکون خاطر اوراطمینان قلب کے ساتھ کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا، چنانچہ سال رواں میں صدر المدرسین کا مشاہرہ پچاس روپیئے کے بجائے پچھتر کیا گیا، اوراسی نسبت سے دوسرے کارکنوں کی تنخواہوں میں اضافہ عمل میں آیا۔(۲)

کالج کی ملازمت

دارالعلوم دیوبند کے ایک انتہائی ممتاز مدرس جو حضرت شیخ الہند کے شاگرد بھی تھے، ان کو

---

(۱) روداد ۱۳۳۴ھ ص:۳۸

(۲) تاریخ دارالعلوم، سید محبوب صاحب رضوی:۲۴۰-۲۴۱، المیزان ناشران وتاجران کتب، لاہور

کسی کالج کی طرف سے اچھی تنخواہ پر مدرسی کی پیش کش ہوئی، انہوں نے حضرت شیخ الہند سے ذکر کیا اور کہا کہ حضرت! ہم یہاں دارالعلوم میں آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے پڑھاتے ہیں، باقی وقت مطالعہ میں گذرتا ہے، اور تصنیف وتالیف یا وعظ وخطابت کے لئے وقت بہت کم ملتا ہے، خیال ہے کہ کالج میں تدریس کا وقت بہت کم ہوگا، اور باقی فارغ وقت میں تصنیف وتالیف اور دوسری دینی خدمات کا زیادہ موقع ملے گا، اس لئے یہ رجحان ہے کہ اس پیش کش کو قبول کرلیا جائے۔

حضرت شیخ الہند نے اس رائے کی مخالفت کی اور فرمایا کہ مولوی صاحب! مجھے امید نہیں ہے کہ وہاں جاکر آپ اتنی دینی خدمات کے لئے بھی فارغ اوقات میں انجام دے سکیں، جتنی یہاں ہوجاتی ہے؛ لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ زیادہ فرصت اور فراغت کے باوجود کام زیادہ کیوں کر نہیں ہوسکے گا؟ حضرت کی رائے تو نہ تھی؛ لیکن اس کی شدید خواہش دیکھ کر اجازت دے دی، وہ کالج چلے گئے، تقریباً ایک سال کے بعد چھٹیوں میں وہ دیوبند آئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے سلام اور دریافت خیریت کے بعد پوچھا:

''کیوں مولوی صاحب! اس عرصے میں آپ نے کتنی تصنیف کی؟ کتنے فتوے لکھے؟ کتنے وعظ کہے؟

یہ سن کر وہ صاحب رو پڑے اور کہا حضرت حساب وکتاب کے نقطۂ نظر سے تو آپ کی بات سمجھ میں نہ آئی تھی؛ لیکن تجربے سے سمجھ میں آگئی، واقعہ یہ ہے کہ جتنا کام دارالعلوم میں عدیم الفرصتی کے باوجود ہوجاتا تھا، وہاں فرصت کے باوجود اتنا نہ ہوا۔(۱)

حقوق مدرسہ میں احتیاط:

حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ نے اپنا واقعہ سنایا کہ دارالعلوم دیوبند کی ملازمت کے آخری سالوں میں بعض عوارض کی وجہ سے امور مفوضہ کے ادا کرنے کے لئے پورا وقت

---

(۱) البلاغ مفتی اعظم نمبر: ۱/۶۳۱ا بحوالہ: نمونے کے انسان، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمہ اللہ ۱/۳۹، مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو، یوپی

نہ دیتا تھا، دار العلوم سے علاحدہ ہوا تو مجھے بڑی فکر ہوئی کہ مدرسہ کا حق میرے ذمہ ہے، اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہو؟ اس وقت میرے پاس زائد سرمایہ نہ تھا، جو مدرسہ میں داخل کر دیتا، ہاں ایک ذاتی کتب خانہ کافی مالیت کا تھا، اس کو میں نے مدرسہ میں داخل کر دیا اور مدرسہ کے حق سے سبکدوش ہوا، اس کی مجھے بڑی خوشی ہوئی۔(۱)

قلیل تنخواہ:

دار العلوم دیو بند میں مالی وسائل کی قلت تھی، اساتذہ کرام کی تنخواہیں نہایت قلیل ہوتی تھیں، قارئین کو حیرت ہوئی کہ ابتداء دار العلوم میں آپ (مفتی محمد شفیع صاحب) کو صرف پانچ روپیئے ماہوار وظیفہ ملتا تھا، اسی پر قناعت فرمائی، پھر رفتہ رفتہ مشاہرہ میں تھوڑا اضافہ ہوتا گیا، جب آپ ۲۶ ؍سال کی جلیل القدر خدمات کے بعد دار العلوم دیو بند سے مستعفی ہوئے تو اس وقت بھی مشاہرہ صرف ۶۵ روپیئے تھا، اس عرصہ میں دوسرے مدارس سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلانے کی مسلسل کوشش ہوتی رہی، مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپیئے مشاہرہ کی پیش کش بار بار کی گئی، جہاں کام بھی دیو بند سے کم تھا؛ مگر پیش نظر تنخواہ کبھی منظور نہ کی، دیو بند کی قلیل تنخواہ پر قناعت کی، مادر علمی کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔(۲)

ایام رخصت کی تنخواہ:

اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی فرماتے ہیں:

صورت مسؤلہ میں آپ کے مدرسہ ومکتب کا جو قانون وقاعدہ مروج ومشہور ہو، اسی کے مطابق عمل ہوگا، بعض مدارس میں سالانہ کچھ ایام کی رخصت اتفاقیہ کا قانون ہوتا ہے، ان ایام کے بقدر رخصت لینے پر تنخواہ کا استحقاق ہے، اس سے زائد کا نہیں، نیز اس کے بعد تمام سال ضرورت پڑنے پر جو رخصت لی جائے گی، اس رخصت کے ایام کی تنخواہ کا بھی استحقاق نہیں رہے گا۔(۳)

---

(۱) نمونے کے انسان: ۱؍۹۲ (۲) البلاغ مفتی اعظم نمبر، بحوالہ نمونے کے انسان: ۱؍۱۰۸

(۳) فتاوی قاسمی: ۱۹؍۲۴۲

اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

"الصلح جائز بین المسلمین، إلا صلحا حرم حلالا، أو احل حراما، والمسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما" (۱)

اور ایک جگہ حج کی رخصت کے تعلق سے فرماتے ہیں:

حج چونکہ اسلام کے اساسی اور بنیادی فرائض میں سے ہے، اس لئے اہم بڑے اداروں میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے منجانب مدرسہ حج کے فرض کی ادائیگی کے نام سے ایک مرتبہ رخصت دی جاتی ہے، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی وغیرہ کا دستور ہے۔ (۲)

بیمار ملازم کی تنخواہ:

اکثر مدارس اسلامیہ کا یہ قاعدہ اور قانون ہے کہ بیمار ملازم کو اس کی تنخواہ دی جاتی ہے، لہٰذا جو بھائی بیمار ہو گئے، ان کو مدرسہ کی جانب سے صرف تنخواہ ملے گی، مزید رقم یا انعام کچھ نہ ملے گا۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

آپ کے مدرسہ کا جو قانون ودستور ہے، اس کے مطابق عمل ہوگا؛ لہٰذا جتنے ایام کی رخصت بیماری باتنخواہ دیئے جانے کا قانون ہے، یا مجلس شوری جتنے ایام کی رخصت منظور کرے ان کی تنخواہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے۔ (۳)

تعطیلات رمضان کی تنخواہ:

تعطیلات رمضان ایام تعلیم کے اس وقت تابع ہوں گے، جب کہ آئندہ سال بھی

---

(۱) سنن الترمذی، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس، دار السلام، حدیث: ۱۳۵۲

(۲) فتاوی قاسمی: ۱۹/ ۲۳۸ (۳) فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۲۲۱

آپ اسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دیں، لیکن جب آپ کا ارادہ اس سال مدرسہ چھوڑ دینے کا ہے تو اس صورت میں آپ رمضان کی تنخواہ کے مستحق نہ ہوں گے، یہی مدارس کے اندر معروف ومشروط ہے۔(۱)

(۱) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/۲۲۶، جدید ڈابھیل

مدارس ومکاتب سے متعلق فقہی مسائل

دینی ومذہبی ادارہ کورجسٹریشن کرانے کا حکم:

فتاوی قاسمیہ میں مفتی شبیر صاحب فرماتے ہیں:

احقر نے جن بڑے اداروں کا رجسٹریشن ہو چکا ہے، ان میں سے کوئی شرط فقہ اسلامی کے خلاف نہیں پایا ہے، بلکہ ساری شرائط وقیودات فقہ اسلامی کے موافق اور ادارے کے حق میں مفید ومعاون ہیں، اس لئے ان میں کوئی تشویش کی بات نہیں۔

مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت:

فتاوی قاسمیہ میں ہے

مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا سارا دارومدار ایک حدیث شریف پر ہے:

عن عبد اللہ بن عمر بن عوف المزنی، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمن علی شروطھم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما (۱)

مسلمانوں کی آپسی رضامندی سے ہر وہ صلح اور قانون جائز ہے، جس سے قرآن وحدیث کے حرام کو حلال کرنا لازم نہ آتا ہو، اسی طرح ہر وہ شرط بھی ضابطہ اور قانون میں جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے قطعی حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کرنا لازم نہ آتا ہو، اب

(۱) ترمذی، باب ماذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حدیث: ۱۳۵۲

سوالات کے جوابات ملحوظ ہوں:

۱) جب مدرسہ نے یہ قانون بنایا کہ دس منٹ کی تاخیر سے پورا گھنٹہ غیر حاضری میں شمار ہوا کرے گا تو مدرس کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگیا کہ وہ گھنٹہ پڑھائے اور دس منٹ کی تاخیر کے بعد رجسٹر پر دستخط کرے، اور اگر رجسٹر پر دستخط کر دیا گیا ہے اور پھر پورا گھنٹہ مدرس نے نہیں پڑھایا ہے اور مدرسہ میں حاضر رہ کر کوئی کام نہیں کیا ہے تو اس گھنٹے کی تنخواہ وضع کر لینا مدرسہ والوں کے لئے جائز ہے، لیکن مدرسہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ پورا گھنٹہ غیر حاضر قرار دیں اور پھر اس گھنٹہ میں کام بھی لیں جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوگئی۔

۲) جب پندرہ منٹ کی تاخیر ہوگئی ہے اور پندرہ منٹ سے زیادہ تاخیر ہوجائے تو پورے چار گھنٹے غیر حاضری لگ جاتی ہے تو مدرسہ والوں کے لئے غیر حاضری لگانا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اب مدرس کو بھی اختیار حاصل ہوجائے کہ یہ پورے چار گھنٹہ مدرسہ میں کوئی کام نہ کرے، گویا ایک وقت کی مکمل غیر حاضری ہوگئی؛ لیکن اگر مدرسہ والے پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کے بعد چار گھنٹہ کی تنخواہ وضع کر لیں اور کام بھی لیں یہ جائز نہیں ہے، صرف اتنا جائز ہے کہ اپنا قانون ایسا بنالیں کہ پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کی صورت میں مدرس کو اختیار ہوگا کہ مدرسہ میں رہے یا غیر حاضر رہے، ان گھنٹوں کی تنخواہ نہیں ملے گی، جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف کے مضمون سے واضح ہے۔

۳) مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کے کارمفوضہ متعین ہونے کے ساتھ ساتھ قانون اور ضابطہ میں اگر یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ صبح کے چار گھنٹے یا شام کے دو گھنٹے کے درمیان اس کارمفوضہ کے علاوہ ضرورت مدرسہ کی وجہ سے ذمہ دار مدرسہ دوسرا کام بھی لے سکتا ہے، مثلاً چار گھنٹے میں سے دو گھنٹے پڑھانے کے بعد ایک گھنٹہ دفتری کام کرنا ہے، پھر چوتھا گھنٹہ پڑھانا ہے، یا ایک دو گھنٹے مدرسہ کی ضرورت سے متعلق

میٹنگ میں بیٹھنا ہے، یا مدرسہ کی ضرورت سے متعلق آس پاس کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنی ہے، تو اس طرح کا قانون مذکور حدیث شریف کی رو سے جائز اور درست ہے، ہاں البتہ مدرسہ میں اگر دو ٹائم کی پابندی ہے، مثلاً صبح کو چار گھنٹے اور شام کو دو گھنٹے، ان کے علاوہ خارج میں کام کرنا مدرس کی ذمہ داری نہیں، تو اگر خارج میں کام کرنے پر پابند کیا جائے تو اس کے لئے الگ سے الاؤنس مقرر کرنا من جانب مدرسہ لازم ہے، اور بغیر الاؤنس مدرس پر دباؤ ڈالنا ذمہ دار کے لئے اس قانون کی رو سے ایثار وتبرع ہے، اور اگر درجہ حفظ کے لئے مدرسہ نے شروع سے یہ قانون بنایا ہے کہ ان کو تین ٹائم کا کام کرنا پڑے گا، صبح سے دوپہر تک، شام کے ٹائم سے عصر تک، اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تو ایسے مدرسین کو تینوں ٹائم کام کرنے کی تنخواہ ملتی ہے، اگر ان کے لئے الگ سے ضابطہ نہیں بنا ہے، تو پھر مغرب کے بعد طلبہ کی نگرانی کے لئے بیٹھانے پر منجانب مدرسہ ان کو الگ سے الاؤنس لازم ہے، اور الاؤنس مدرسہ اپنی صواب دید پر متعین کرسکتا ہے، یہ ساری باتیں اوپر کی حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح مدرسہ کے ضابطہ کے مطابق جائز اور درست ہے۔(۱)

مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا:

ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے، اور صدقہ فقراء کا حق ہے، اغنیاء کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ملتا، لہٰذا اگر اساتذہ سرمایہ دار ہیں تو ان کے لئے ایصال ثواب کا کھانا درست نہیں ہے، البتہ اگر صدقہ نافلہ کریں تو اس کا کھانا اساتذہ کے لئے درست ہوگا، خواہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں، سوال نامہ میں جس پریشانی کا ذکر ہے کہ الگ کھانا تیار کرنے میں مدرسے کا نقصان ہوگا، نیز طباخ بھی تیار نہیں ہوتے، تو اس صورت میں جواز کی صورت یہ ہے کہ مستحق طلبہ کھانا لے آئیں وہ اپنا کھانا اساتذہ کو اپنی خوشی سے کھلا دیں، تو اس کی گنجائش

(۱) فتاوی قاسمیہ: بقیۃ الوقف، ۱۹، ۵۲

ہے، جیسا کہ حدیث بریرہ سے واضح ہوجاتا ہے۔(۱)

عن عائشه رضی الله عنها أنها ارادت أن تشتری بریرة للعتق... وأوتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلحم، فقلت: هذا ما تصدق به علی بریرة، فقال: هو لها صدقة ولنا هدیة"(۲)

وأما بقیه الصدقات المفروضة والواجبة وقوله: فلا یجوز صرفها للغنی، (إلی قوله) خرج النفل عنها، لأن الصدقة علی الغنی هبة"(۳)

جان کے صدقے کا بکرا مدارس کے لئے:

جان کے بدلہ جان ضروری سمجھ کر بکرا یا کوئی جانور صدقہ دینا (پیسہ اور رقم دینے کو اس کے قائم مقام نہ سمجھنا) اور اس طرح جانور دینے کی خصوصیت سمجھنا، خلاف شریعت اور بدعت ہے، اس لئے بیماری، مصیبت و پریشانی کے موقعہ پر صدقہ دینا ہو تو جانور کو مخصوص نہ کیا جائے؛ بلکہ جو میسر آئے وہ اللہ کے نام پر صدقہ دیدیں، بلکہ رقم دینا زیادہ بہتر ہے، اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کی برکت سے ثواب دیں گے اور مصائب و آفات سے حفاظت فرمائیں گے اور بیماری سے شفاء عطا کریں گے اور یہ سب صدقہ کی برکت سے ہوگا، صدقہ کے بدلہ نہیں، برکت و بدلہ میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالی صدقہ سے خوش ہوکر اس پر برکات مرتب فرماتے ہیں، یہ نہیں ایک چیز لے کر اس کے بدلہ دوسری چیز دیتے ہیں؛ دیکھئے قربانی کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ قربانی کا گوشت وخون خدا کے پاس نہیں پہنچتا؛ بلکہ اللہ کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے، اس لئے جو میسر آجائے وہ صدقہ میں دیں۔

---

(۱) مستفاد کفایت المفتی، قدیم ۴/۸، جدید زکریا: ۵/۵۷

(۲) بخاری: باب الصدقة علی موالی أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۱۴۷۱

(۳) البحر الرائق: کتاب الزکاة، باب المصرف، دار الفکر، بیروت، فتاوی قاسمیه: ۹/۱۱۵، فصل فی المدارس

عام لوگ جو صدقہ کے جانور مدارس اسلامیہ میں طلبہ کے لئے دیتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اخلاص سے دیتے ہیں، مگر بدعت ہونے کی وجہ سے یہ بے برکت ہوتے ہیں، لہٰذا اہل مدارس کو اس کے لینے میں احتیاط کرنا چاہئے، ایک تو اس کے لئے مدارس کی طرف سے بدعت کو سند جواز نہ مل جائے، دوسرے اس لئے کہ طلبہ کے لئے اس قسم کی چیز مناسب بھی نہیں ہے جس میں بدعت شامل ہے۔

دوسرے یہ کہ اہل مدارس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کی بدعات پر نکیر کریں اور عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دیں، تاکہ ایک طرف اگر عوام کی اصلاح ہو تو دوسری طرف اہل مدارس کو ان کی طرف سے پاک وصاف اور حلال وطیب مال کے ذریعہ امداد ملے، جس میں برکات کا ظہور ہوگا، اور طلبہ پر نیک اثرات مرتب ہوں گے۔(۱)

لہٰذا آنے والوں سے معذرت کر دی جائے، اور کہہ دیا جائے کہ اسے بیچ کر قیمت یا کوئی ضرورت مدرسہ میں تعاون فرمائیں ضرور قبول کر لیا جائے گا۔

مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا:

مدرسہ تعلیم القرآن کی جو بھی آمدنی ہوگی، چاہے بازار یا گاؤں سے ہو یا باہر سے جو نیر ہائی اسکول میں لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، تمام آمدنی مدرسہ تعلیم القرآن ہی میں لگانا لازم ہوگا، اس لئے کہ لوگوں نے مدرسہ کیلئے دی ہے نہ کہ ہائی اسکول کے لئے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: المسلمون عند شروطھم (۲)

المسلمون عند شروطھم (۳)

مدارس کے ملازم اجیر بالعمل یا اجیر فی الوقت

۱) مدارس اسلامیہ کا عرف اس زمانہ میں یہ ہے کہ ملازمین و مدرسین و منتظمین وقت مقررہ

---

(۱) صدقہ کا بکرا: ۸-۹، حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی، شعبہ تحقیق واشاعت، جامعہ مسیح العلوم بنگلور

(۲) بخاری: کتاب الاجارۃ، باب اجر السمسرۃ، حدیث

(۳) قواعد الفقہ: اشرفی دیوبند: ۱۲۱

میں امور مفوضہ کی تکمیل کیا کریں اور یہی ضابطہ مقرر اور معروف ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس طرح کا اجارہ اور ملازمت کا معاملہ کرنا جائز اور مشروع ہے؛ اس لئے مدارِس اسلامیہ کے ملازمین اجیر بالعمل فی الوقت ہیں؛ لہٰذا عمل نہ کرنے اور وقت مقررہ میں حاضر نہ ہونے پر مقررہ ضابطہ کے مطابق مواخذہ جائز ہے، نیز عرف وشرط وضابطہ کی وجہ سے بوقت تقرری بغیر صراحت قانونی تعطیلات کے مستحق ہوجاتے ہیں۔

لأن المعروف کالمشروط (۱)

۲) صرف اجیر فی الوقت نہیں ہے، اس لئے شرائط وضوابط کے مطابق مطالبہ ومواخذہ نہیں۔(۲)

اور اگر کسی مدرسہ میں کوئی ضابطہ بنا ہوا نہیں ہے، تو علاقہ کے مشہور اداروں کے عرف وشرائط کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

۳) صرف اجیر بالعمل نہیں ہے، اس لئے اوقات مقررہ پر غیر حاضری کی وجہ سے مواخذہ کا حق ہوگا۔(۳)

اور اگر کسی ملازم کو مخصوص شرط پر رکھا ہے تو وہ اسی شرط کا پابند ہوگا۔(۴)

لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت

لیٹ فیس کے نام سے جو لیا جاتا ہے یہ تاخیر سے آنے کا جرمانہ ہے، اور شرعا اس طرح مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یہ انتظام کیا جائے کہ وقتی طور پر مالی جرمانہ ان سے وصول کرلیا جائے؛ تاکہ وہ آنے میں لیٹ نہ کریں اور سال کے آخر میں جس سے

---

(۱) الاشباہ والنظائر: ۱۵۲

(۲) مستفاد: امداد الفتاوی: ۳/۳۴۹، ۳/۳۵۶

(۳) مستفاد: امداد الفتاوی: ۳/۳۴۹، ۳/۳۵۶

(۴) فتاوی قاسمیہ: ۱۹/۹۶، کتاب الوقف، فصل فی المدرسین

جتنا مالی جرمانہ لیا گیا ہے، وہ ان کو واپس کردیا جائے تو گنجائش ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

عند ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندہما وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز، کذا فی فتح القدیر، ومعنی التعزیر بأخذ المال علی القول به: إمساك شیء من ماله عنده مدة لینزجز، ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه، أو لبیت المال کما یتوهم الظلمة" (۱)

دوسرا جائز حل یہ ہوسکتا ہے کہ داخلہ منسوخ کردیا جائے اور تجدید داخلہ کی فیس وہی ہوتو جرمانہ کی رقم اس طرح وصول کی جاسکتی ہے۔

ایام مرض کی تنخواہ:

آپ کے مدرسہ کا جو قانون اور دستور ہے اسکے مطابق عمل ہوگا؛ لہٰذا جتنے ایام کی رخصت بیماری باتنخواہ دیئے جانے کا قانون ہے یا مجلسِ شوری جتنے ایام کی رخصت منظور کرے ان کی تنخواہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے؛ اس لئے مجلسِ شوری کے مشورہ سے پچھلی جو تنخواہ دی جا چکی ہے، وہ شرعاً جائز اور درست ہے، اور آئندہ کے لئے مجلس شوری جو درحقیقت مدارسِ اسلامیہ کے حق میں مجلسِ قانون ساز ہے، اس کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا، اور مدارس اسلامیہ کے حق میں قوانین وضوابط، بخاری وترمذی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

"عن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو احل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما" (۲)

(۱) الفتاوی الہندیۃ: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، زکریا قدیم ۲/۱۶۷، جدید: ۲/۱۸۱، فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۱۳۲

(۲) ترمذی، ابواب النکاح، باب ماذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلح بین الناس، حدیث: ۱۳۵۲

بخلاف إذا لم يقدر لكل يوم مبلغا، فإنه يحل له الأخذ، وإن لم يدرس فيهما للعرف“(۱)

تعلیمی اوقات میں طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا

فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اس زمانہ میں جو مدارس کے طلبہ کو تعلیمی وقت وغیرہ میں لے جا کر پڑھوایا جاتا ہے، اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، مثلا: طلبہ کی تعلیم کا حرج، وہاں جا کر کھانے پینے کا التزام وغیرہ؛ اس لئے مروجہ طریقے سے گھروں میں لے جا کر پڑھوانا ممنوع اور بدعت سیئہ ہے۔

ومن قال من المشائخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرا ويسمى بالفارسية سی پاره خواند مكروه (۲)

طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟

دینی مدارس کی جانب سے جن بچوں کو قراءت وغیرہ کے مقابلے یا مظاہرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے، اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ بچہ کی ہمت افزائی اور مدرسہ کی شہرت ہوتی ہے اور انعام دینے والے بھی محض بچہ کی حوصلہ افزائی کی غرض سے خاص طور پر بچے کو دیتے ہیں، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بچے سے لے لیا جائے گا تو بچے کو بھی نہیں دیں گے، اس لئے عرف میں جو کچھ انعام بچے کو ملتا ہے، وہ سب بچے کا حق ہے، جبرا یا دباؤ ڈال کر بچے سے لے لینا جائز نہیں جیسا کہ بعض مدرسۃ البنات میں ایسا ہوتا ہے۔ اور یہ اس وعید کے تحت آتا ہے: ”لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه“(۳)

---

(۱) شامی: کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفیة فی یوم البطالة، زکریا دیوبند: ۶/ ۵۶۸

(۲) المحيط البرهانی، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع: المجلس العلمی: ۷/ ۵۱۳، فتاوی قاسمیہ، ۱۹/ ۶۴

(۳) شعب الایمان للبیهقی، باب فی قبض الید علی الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية، بیروت ۴/ ۳۸۷، حدیث: ۵۴۹۲

مصادر ومراجع

عربی کتب

- تلبیس ابلیس، ابن الجوزی، دارالفکر، بیروت۔
- البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔
- آداب حملۃ القرآن للآجری، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔
- اسرار حفظ القرآن الکریم، احمد بن سالم بادویلان، مکتبۃ الحضارۃ، ریاض۔
- التبیان فی آداب حملۃ القرآن، یحی بن شرف النووی، مکتبۃ المؤید، الطائف۔
- فضائل القرآن، ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفری، داراسبن حزم، بیروت۔
- فضائل القرآن ومعالمہ وآدابہ، عبید بن قاسم سلام، المملکۃ المغربیۃ۔
- طرق تدریس التجوید، دفہد عبدالرحمن الرومی، د، محمد السید الزغبلاوی، مکتبۃ التوبہ، ریاض۔
- عون الرحمن فی حفظ القرآن، ابوذکر القلمونی، مکتبۃ التراث الاسلامی حقق حلمک فی حفظ القرآن الکریم، دعبد اللہ المحلم، الکویت مرجع الطلاب فی الخط العربی، خالد محمد المصری الخطاط، مکتبۃ المعارف، دیوبند۔

اردو کتب

- علوم وفنون، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، مکتبہ ادارہ افادات، ہتھورا، باندہ
- افادات صدیق، محمد زید مظاہری ندوی، افادات اشرفیہ، دوباگاہ لکھنو۔
- تحفۂ مدارس، مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔

۞ معین المدارس تعلمی تربیتی اور انتظامی رہبر، مفتی محمد شاکر خان صاحب، مدرسہ بیت العلوم مہاراسٹر، ۲۰۰۸ء ۱۴۲۹ھ

۞ فن تدریس کے اصول، شیخ علی عمر مصری، مترجم، عبدالحفیظ صاحب، راہی پرنٹرس، ۲۰۱۴ء

۞ مدارس دینیہ کے لئے رہنما اصول، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب، شعبہ نشر واشاعت، ۲۰۰۰ء۔

۞ علوم وفنون اور نصاب تعلیم، مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ افادات اشرفیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۞ تحفظہ حفاظ، افادات حضرت مولانا زکریا، قاری طیب صاحب، مولانا ابوالحسن ندوی، فرید بک ڈپو۔

۞ حیات ابرار، محمد فاروق صاحب، مکتبہ محمودیہ، ۱۴۲۶ھ (مجلس دعوۃ الحق جس کے بانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب تھے، اس ادارہ کے ماتحت کئی ایک مدارس اور مکاتب چلتے ہیں، جس کا نظام نہایت مستحکم اور باریک بینی پر مشتمل ہے، مدرسہ چلانے کے اصول کے تحت ہم نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے)۔

۞ دینی وعصری درسگاہیں۔ تعلیمی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس، ۲۰۰۴ھ۔

۞ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مکتبہ الحق، ۲۰۰۷ء۔

۞ آسان منطق، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۞ تیرہ سالہ خدمات، محمد شمیم احسن قاسمی، رابطہ مدارس اسلامیہ، مغربی بنگال، ۱۴۳۲ھ۔

۞ تعلیم وتعلیم اور دعوت کے اسلامی اصول وآداب، مولانا نصیب الرحمن علوی، عظیم بک ڈپو، دیوبند ۲۰۰۲ھ۔

۞ الفوائد التجویدیہ، قاری انیس احمد خان صاحب، قراءت اکیڈمی۔

۞ درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں، مفتی محمد تقی عثمانی، زمزم بکڈپو۔

- مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک، مولانا محمد ایوب ندوی بھٹکلی، فرید بک ڈپو، ۲۰۰۸ء۔
- حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول، مفتی سبیل احمد صاحب، محمودیہ ٹرسٹ، ۱۴۳۲ھ۔
- آسان اصول حدیث، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمہ، ۲۰۰۱ء۔
- آسان اصول فقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمہ، ۲۰۰۱ء۔
- دینی مدارس مسائل اور تقاضے، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشر، ۲۰۰۱ء۔
- تحفہ المدارس، محمد اسحاق ملتانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، پاکستان۔
- کتاب النوازل، حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری، المرکز العلمی للنشر والتوزیع والتحقیق، لال باغ، مرادآباد۔
- تحفہ حفاظ، افادات اکابر، فرید بک ڈپو، دیوبند۔
- تسہیل اصول التحفیظ، حافظ تجمل صدیق، نؤگاں، ہوجائی، آسام (اس کتاب میں بھی حفظ قرآن مجید کے نہایت رہنما اور اصولی باتیں بتائی گئی ہیں، جس کو نہایت تجربہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے)۔
- تحفہ حفاظ، از افادات مولانا اشرف علی تھانوی، اداراہ افادات اشرفیہ دوبا گا، ہردوئی، لکھنؤ۔
- آسان خاصیات ابواب، مفتی سعید صاحب، مکتبہ نعیمیہ، دیوبند۔
- قرآن کریم اور خوش الحانی، محمد صدیق فلاحی، قرائت اکیڈمی، ۱۹۹۴ء۔
- ہمارا تعلیمی نظام، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، زم زم بکڈپو، ۱۹۹۵ء۔
- معاصر دینی تعلم، مشکلات واحوال، ایفا پبلیکشنز۔
- چندہ اور اس کے آداب واحکام، مولانا محمد اسماعیل صادق صاحب، مرشد الامت، ۱۴۳۱ھ۔
- تعلیم وتربیت کس طرح؟ مہربان علی بڑوتی، کتب خانہ حیات الاسلام، مظفرنگر، ۱۴۱۳ھ۔
- اصلاح الرسوم، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
- مبادیات منطق، حکیم تسخیر صاحب۔
- آسان نحو، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔

- آسان صرف مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔
- علم الصیغۃ، مفتی رفیع الدین صاحب، زم زم بکڈ پو۔
- حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: مولانا مفتی سبیل أحمد صاحب، محمودیہ ٹرسٹ، وانمباڑی، ٹاملناڈو (یہ کتاب بھی نہایت باریک بینی اور حفظ قرآن مجید کے بڑے مدارس اشرف المدارس ہردوئی، مدرسہ فیض العلوم، مدرسہ سبیل الفلاح، اشرف العلوم حیدرآباد، دعوت القرآن پرنامبٹ، احیاء العلوم وانمباڑی، اور مفتاح العلوم میل وشارم اور رفیق العلم آمبور کے تجربات اور ماہر وجید حفاظ واساتذہ سے استفادہ کے بعد لکھی گئی ہے)۔
- درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں، مؤلف مولانا تقی عثمانی صاحب، مکتبہ زمزم۔
- یومیہ تعلیمی اطلاع، طلبہ شعبہ ناظرہ، مکتبہ احیاء سنت، مدرسہ امداد العلوم، حیدآرباد۔
- خیر القرون کی درسگاہ، قاضی اطہر، مبارک پوری، شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند۔
- رہنمائے خطابت، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، کراچی، پاکستان۔
- حرف شیریں، حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب، ادارہ علم وادب، دیوبند۔
- خط رقعہ کیسے سیکھیں، حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی، ادارہ علم وادب، دیوبند۔
- فتاوی قاسمیہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔
- شاہ راہ علم، مجلہ سہ ماہی، جامع اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراسٹر۔
- حسن تدبیر، مدارس نمبر، فروری، ۲۰۱۱۔
- المذکرہ الیومیۃ الدراسیہ، دار الدعوۃ والارشاد۔
- قواعد داخلہ، دار العلوم دیوبند۔
- فضائل حفظ القرآن، مولانا امداد اللہ انور، دار المعارف، ملتان، پاکستان۔
- حقوق القرآن مع احکام التجوید، افادات مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، ادارہ افادات اشرفیہ، دوبگہ، ہردوئی، لکھنؤ۔
- قرآن حکیم کی تلاوت کے احکام ومسائل، مفتی محمد سعید خان، ندوۃ المصنفین، الندوۃ

ایجوکیشنل ٹرسٹ، اسلام آباد۔

- اصلاح انقلاب امت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ادارۃ المعارف، کراچی۔
- کامیاب طالب علم: ۷۱۔ ۷۲، روح اللہ نقشبندی، مکتبۃ دارالہدی پاکستان۔
- نسیان القرآن، قاری حبیب الرحمن صاحب: البلاغ: ۷۴، محرم الحرام: ۱۴۳۶۔
- تحفہ حفاظ مع احکام تراویح، افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ افادات دوبگا ھردوئی، روڈ، لکھنو۔
- آپ قرآن مجید کیسے حفظ کریں: علامہ یحی بن عبدالرزاق الغوثانی تلخیص وترجمانی: مولانا محمد ابرار الحق، مکتبۃ الابرار، حیدرآباد۔ (اس کتاب کے مؤلف نے علم قرائت میں جامع القرآن الکریم والعلوم ال اسلامیۃ، ام درمان سوڈان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، جمعیۃ تحفیظ القرآن الکریم جدہ میں پانچ سالہ تدریس، برناج تحفیظ القرآن الکریم کی ادارت وسرپرستی، قواعد علم تجوید، تلاوت قرآن تدریس قرآن کے طریقوں اور مکاتب قرآنیۃ سے متعلق مدرسین قرآن کو مختلف ممالک میں ٹریننگ دی، غانا، توغو، بنین، بوکینا فاسو اور نائجریا میں ''جمعیات تحفیظ القرآن'' کی تاسیس وداخلی نظام العمل کی ترتیب میں شرکت)۔
- منتخب احادیث، حضرت مولانا یوسف کاندھلوی، اریب پبلیکیشنز، دہلی۔
- مسنون معاشرت: موبائیل فون آداب وأحکام، مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، مکتبۃ فیصل دیوبند۔
- فدیہ وقضا، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل، احمد صاحب: انجمن احیاء السنۃ لاہور۔
- تربیت الطالبین، مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ، جامعہ محمودیہ نوگزہ، علی پور، ہاپوڑ، میرٹھ، یوپی۔
- تاریخ دارالعلوم، سید محبوب صاحب رضوی، المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور۔
- نقوش ابرار، محمد زید مظاہری ندوی، کتب خانہ نعیمہ دیوبند۔
- تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، نورالحسن راشد کاندھلوی، حضرت مفتی الٰہی بخش

اکیڈمی، کاندھلہ۔

- ارشادات افتخار الاولیاء، ابوعثمان محمد شعبان بستوی، مدرسہ اسلامیہ سلیمانیہ، عید گاہ، کاندھلہ، ضلع شاملی۔
- نمونے کے انسان، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمہ اللہ ۱/ ۳۹، مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو، یوپی۔
- ملفوظات شیخ الحدیث: ۳۳، ترتیب مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی، ادارہ فیض شیخ، گجرات۔
- ارشادات ابرار، سید سلیم اللہ غوری، مکتبۃ محاسن الابرار، حیدرآباد۔
- مجالس مسیح الامت، مولانا محمد غیاث الدین مظاہری، مکتبۃ الاشرف، الہ آباد
- ارشادات قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری، کتب خانہ اختری، سہارنپور۔
- نبی کریم ﷺ کی معاشی تعلیمات: ۲۸۹، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری، مکتبہ ارشاد محل دیوبند
- مدارس اسلامیہ، حقیقی کردار اور نصب العین تحفظ، تجاویز اور مشورے،: ۴۳=۴۶، مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دار العلوم دیوبند۔
- فضائل حفاظ القرآن معہ علوم وقصص واخلاق حملۃ القرآن، محمد طاہر رحیمی مدنی، اریب پبلیکشنز۔
- چند اہم عصری مسائل، مفتی زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، مکتبۃ دار العلوم دیوبند۔
- احکام زکاۃ اور جدید حالات: ۱۳، مفتی شعیب اللہ خان صاحب۔
- البلاغ، محرم الحرام ۱۴۳۹ھ۔
- ترک ناداں سے ترک دانا تک، مفتی ابولبابہ شاہ منصور ۔
- محمود الرسائل، از حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم، متکبہ محمودیہ محمودنگر، ڈابھیل۔